بسم اللہ الرحمن الرحیم

مشعلِ راہ

روشن چراغ

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ (الاحزاب: ۴۵-۴۶)

ترجمہ : اے نبی ﷺ ہم نے بے شک آپ کو اس شان کا رسولؐ بنا کر بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہوں گے اور آپ (مؤمنین کو جنت کی) بشارت دینے والے ہیں، اور (کفار کو عذاب سے) ڈرانے والے ہیں۔ اور (سب کو) اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں اور آپ ایک روشن چراغ ہیں۔

یہ ہے میری راہ!

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْۤ اَدْعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ ۚ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ (یوسف: ۱۰۸)

ترجمہ : آپ فرما دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے، میں (لوگوں کو) خدا کی طرف اس طور پر بلاتا ہوں کہ میں دلیل پر قائم ہوں، میں بھی اور میرے ساتھ والے بھی، اور اللہ (شرک سے) پاک ہے، اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔

سلسلۂ ''نظر وفکر'' [۳]

مشعلِ راہ

قرآن وسنت اور آثار سلف سے منور چند پراثر
اور مستند دینی واصلاحی تحریروں کا مجموعہ

از:

محمد سلمان منصورپوری
جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

ناشر

المرکز العلمی للنشر والتحقیق مرادآباد

تقسیم کار

فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمٹیڈ دہلی

○ اشاعت کی عام اجازت ہے۔

○ نام کتاب : مشعلِ راہ

○ ترتیب : محمد سلمان منصور پوری

○ کمپیوٹر کتابت : محمد اسجد قاسمی مظفر نگری

○ ناشر : المرکز العلمی للنشر والتحقیق، لال باغ مراد آباد

09412635154 - 09058602750

○ تقسیم کار : فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمٹیڈ دریا گنج دہلی

011-23289786 - 23289159

○ اشاعت اول : رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ، ستمبر ۲۰۰۸ء

○ صفحات : ۴۰۰

○ قیمت : ۲۰۰/روپئے

ملنے کے پتے:

○ کتب خانہ یحیوی محلّہ مفتی سہارن پور

○ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للّٰه نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن بهٖ ونتوكل عليه، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضلله ومن يضلل فلا هادى له، ونشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لا شريك له، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وسندنا وشفيعنا وامامنا ومولانا محمداً عبدهٗ ورسولهٗ، صلى اللّٰه تبارك وتعالٰى عليه وعلى آله واصحابه وذرياته وبارك وسلم تسليماً كثيراً كثيراً، اما بعد:

اللہ تعالیٰ کا بے پایاں فضل وکرم اور احسان ہے کہ اس نے اس بندۂ ناتواں کو دینی واصلاحی موضوعات پر کچھ بکھری ہوئی باتوں کو جمع کرنے کی توفیق عطا فرمائی، اور ظاہری اسباب میں اس کا سبب ماہ نامہ ''ندائے شاہی'' مرادآباد سے ادارتی وابستگی کو بنادیا۔ اگر یہ ذمہ داری سر پر نہ ہوتی تو احقر جیسے کسل مند شخص کے لئے یہ جمع وترتیب کا کام شاید بہت مشکل ہوتا، بہرحال اس توفیق پر اللہ تعالیٰ کا جس قدر بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے، فالحمد کلہ للہ۔

یہ کتاب ماہ نامہ ''ندائے شاہی'' (جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد) کے ادارتی مضامین ''نظر وفکر'' کا تیسرا مجموعہ ہے، اس میں جون ۲۰۰۵ء سے ستمبر ۲۰۰۸ء تک کے ادارتی مضامین اور بعض دیگر تحریریں شامل ہیں۔ قبل ازیں ''دعوتِ فکر وعمل'' (صفحات: ۵۴۰) اور ''لمحاتِ فکریہ'' (صفحات: ۳۱۶) کے نام سے دو مجموعے شائع ہوچکے ہیں۔ مضامین کے مواد کی مناسبت سے اس تازہ مجموعہ کا نام ''مشعلِ راہ'' رکھا گیا ہے، جس کی روشنی میں ہم اپنی فکر وعمل کو بآسانی دینی سانچہ میں ڈھال سکتے ہیں۔

آج کے دور کا سب سے بڑا المیہ ''فکری کج روی'' ہے، امت کا ایک طبقہ تو وہ ہے جو اپنی مزعومہ نام نہاد روشن خیالی کے زعم میں دین داری کا طوق گلے سے اتار چکا ہے، اب اس کے نزدیک دین کے خلاف عمل کرنا ہی فیشن ہے، اور دین کے مطابق زندگی گذارنے کو وہ اپنے لئے معیوب سمجھتا

ہے۔اس کے بالمقابل ایک بڑا طبقہ وہ ہے جو اپنے کو اگرچہ دین دار کہتا ہے، مگر اس نے دین کو صرف اسی شعبہ میں منحصر سمجھ لیا ہے جس میں وہ خود سرگرم عمل ہے، اور دوسرے شعبوں میں محنت کرنے والوں کو وہ کسی خاطر میں نہیں لاتا؛ بلکہ کہیں کہیں تو آپس میں تحقیر وتنفیر تک کی نوبت آ جاتی ہے، اس صورتِ حال کی وجہ سے دین دار طبقہ بھی مختلف طبقات اور گروپوں میں بٹ کر آپسی تعاون کے جذبہ سے محروم ہوتا جا رہا ہے۔ظاہر ہے کہ یہ بلاوجہ کی کشمکش ملت کے مستقبل کے لئے حد درجہ تشویش ناک ہے۔

نیز یہ بات بھی کم الم ناک نہیں کہ امت کا بگاڑ صرف افراد تک محدود نہیں رہا؛ بلکہ اجتماعی زندگی بھی سخت خلفشار کا شکار ہے، جس کی وجہ سے ذہنی یکسوئی، قلبی بشاشت اور عبادات کے ذوق وشوق سب پر انتہائی برا اور منفی اثر پڑ رہا ہے۔خود غرضی اور مفاد پرستی کی وبا عام ہے، اور اداروں میں اختیارات کا بے جا استعمال اجتماعیت کو پارہ پارہ کرنے کا سبب بن گیا ہے۔اور ہم لوگ خود اپنے فکری واجتماعی زوال کے خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں۔**فالی اللہ المشتکی**۔

آپ اس مجموعۂ مضامین میں ان شاء اللہ قرآن وحدیث اور آثار سلف کی ایسی کرنیں پائیں گے، جو حقیقۃً ہماری زندگی کے لئے ''مشعلِ راہ'' بنائے جانے کے قابل ہیں۔اور جو شخص انہیں ہمت کر کے ''مشعلِ راہ'' بنالے گا، یقیناً دین ودنیا میں کامیاب اور بامراد ہو جائے گا۔**وما ذٰلك علی اللّٰہ بعزیز**۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو جادۂ اعتدال پر قائم فرما کر دارین کی عافیت اور کامیابیوں سے سرفراز فرمائیں، اور ہر طرح کی کج روی، بے عملی اور انتشار سے پوری امت کو محفوظ فرمائیں، آمین۔

اخیر میں قارئین سے درخواست ہے کہ مضامین میں جو بھی ظاہری یا معنوی غلطی نظر آئے، جس کا عین امکان ہے اس سے مرتب کو مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

واللّٰہ الموفق والمعین

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

خادم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

۹؍رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حسن ترتیب

❏ پیش لفظ ---------- ۵

سیرتِ طیبہ کے چند پرنور گوشے | ۲۱

❏ شمائل رسول ﷺ ---------- ۲۲

○ حضور اقدس ﷺ کے حسن انور کا بیان ---------- ۲۲

○ حضور اقدس ﷺ کا چہرۂ انور کیسا تھا؟ ---------- ۲۳

○ مسرت کے لمحات میں چہرۂ انور کی تابانی ---------- ۲۴

○ جناب رسول اللہ ﷺ کی پیشانی، ابرو، ناک اور رخسار مبارک کا بیان ---------- ۲۵

○ جناب رسول اللہ ﷺ کی آنکھ اور دہن مبارک کا بیان ---------- ۲۵

○ جناب رسول اللہ ﷺ کے دندانِ مبارک کا بیان ---------- ۲۶

○ جناب رسول اللہ ﷺ کی مبارک زلفوں اور بالوں کا حسن ---------- ۲۶

○ جناب رسول اللہ ﷺ کی داڑھی مبارک کا بیان ---------- ۲۷

○ جناب رسول اللہ ﷺ کا رنگ مبارک ---------- ۲۸

○ حضور اقدس ﷺ کی ہتھیلی اور خوشبو کا بیان ---------- ۲۹

○ حضور اقدس ﷺ کے پسینے کی خوشبو ---------- ۳۱

○ جناب رسول اللہ ﷺ کے بدن مبارک میں مہر نبوت کا بیان ---------- ۳۱

○ جناب رسول اللہ ﷺ کے چلنے کی کیفیت ---------- ۳۲

- جناب رسول اللہ ﷺ کا لباس مبارک ---------- ۳۳
- جناب رسول اللہ ﷺ کی لنگی کہاں تک رہتی تھی؟ ---------- ۳۳
- جناب رسول اللہ ﷺ کے عمامہ کا بیان ---------- ۳۴
- نبی کریم ﷺ کی انگوٹھی کا بیان ---------- ۳۵
- جناب رسول اللہ ﷺ کے جوتے کا بیان ---------- ۳۵
- جناب رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھنا ---------- ۳۶
- جناب رسول اللہ ﷺ کا بلند حسب والا ہونا ---------- ۳۶
- جناب رسول اللہ ﷺ کا آخری نبی ہونا ---------- ۳۶
- حضور اقدس ﷺ کے بعض اسمائے مبارکہ ---------- ۳۷

دلائل نبوت ﷺ ---------- ۳۸

- (۱) قرآن مقدس، سراپا معجزہ ---------- ۳۸
- (۲) چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا ---------- ۳۹
- (۳) پتھر کا آنخضرت ﷺ کو سلام کرنا ---------- ۴۱
- (۴) کنکریوں کا تسبیح پڑھنا ---------- ۴۱
- (۵) درختوں کا پیغمبر علیہ السلام کی صداقت کی گواہی دینا ---------- ۴۲
- (۶) غروب کے بعد سورج کا لوٹ آنا ---------- ۴۴
- (۷) کھجور کے ستون کا آپ کی جدائی پر بلک بلک کر رونا ---------- ۴۵
- (۸) انگلیوں سے پانی نکلنا ---------- ۴۶
- (۹) برکتیں ہی برکتیں ---------- ۴۷
- (۱۰) عصا اور کوڑے کا رات میں روشن ہونا ---------- ۴۸

اخلاق نبوت کی چند جھلکیاں ---------- ۵۱

- جامع الاخلاق ---------- ۵۲

- انسانیت کے نجات دہندہ ---------- ۵۲
- سراپا شفقت ---------- ۵۳
- منبع جود وسخا ---------- ۵۴
- پیکر شرم وحیا ---------- ۵۵
- رحمتِ عالم ---------- ۵۵
- دشمنوں کے ساتھ عفوودرگذر ---------- ۵۶
- بہترین شوہر ---------- ۵۷
- سب سے بڑے بہادر ---------- ۵۸

محبتِ رسول اللہ ﷺ اور اس کا معیار ---------- ۶۰

- حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے جذباتِ محبت کی ایک جھلک ---------- ۶۰
- معلّمِ انسانیت ﷺ کا اندازِ تربیت ---------- ۶۲
- آج ضرورت ہے ---------- ۶۴
- موجودہ دور کا المیہ ---------- ۶۵
- آیئے جائزہ لیں! ---------- ۶۵
- ایک بڑا الزام ---------- ۶۶

اتباعِ سنت ---------- ۶۸

پیغمبر علیہ السلام کی رفاقت کی تمنا! ---------- ۷۳

اسلامی تعلیمات ۷۹

اسلام؛[دینِ قیم-دینِ فطرت] ---------- ۸۰

- عہدِ الست ---------- ۸۱
- شاہ راہِ جنت ---------- ۸۲

- شرحِ صدر کی ضرورت ---------- ۸۴
- دینِ فطرت ---------- ۸۵
- ایک آسان مثال ---------- ۸۵
- فلاح؛ دین میں مضمر ہے ---------- ۸۸

عقل مند کون؟ ---------- ۸۹

- عقل دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے ---------- ۹۱
- شواہدِ قدرت میں غور وفکر ---------- ۹۲
- عقیدۂ شرک عقل کے خلاف ہے ---------- ۹۳
- شرک کا گناہ کیوں معاف نہیں؟ ---------- ۹۵
- شریعت کی پابندی عین مقتضاءِ عقل ہے ---------- ۹۶
- شریعت سے روگردانی سب سے بڑی بے وقوفی ہے ---------- ۹۶
- سب سے بڑی عقل مندی تقویٰ اور فکرِ آخرت ہے ---------- ۹۷
- دس باتیں: کمالِ عقل کی نشانی ---------- ۹۹

دعائے موسوی علیہ السلام ---------- ۱۰۱

- شرحِ صدر کی دعا ---------- ۱۰۱
- عزمِ صدیقیؓ کا اثر ---------- ۱۰۳
- آسانی کی درخواست ---------- ۱۰۵
- زبان کی اہمیت ---------- ۱۰۵
- بہتر معاون کی ضرورت ---------- ۱۰۶
- دعائیں قبول ہوگئیں ---------- ۱۰۸

حکمتِ خداوندی ---------- ۱۰۹

- قرآن، مشعلِ راہ ---------- ۱۰۹

- طلب علم کا شوق ---------- ۱۱۰
- مظاہر قدرت کا نظارہ ---------- ۱۱۲
- حکمتوں سے پردہ اٹھا ---------- ۱۱۳
- علم خداوندی کی وسعت ---------- ۱۱۵
- اسرار تکوینیہ ---------- ۱۱۵

اسلام! امنِ عالم کا پیامی ---------- ۱۱۷

- ظلم کی ممانعت ---------- ۱۱۸
- اسلام میں جہاد کا تصور ---------- ۱۱۹
- حالات کے اعتبار سے جہاد کے احکام میں فرق ---------- ۱۲۰
- جنگ میں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی ممانعت ---------- ۱۲۰
- غیر مسلموں کے ساتھ معاملات ---------- ۱۲۱
- دہشت گردی کے خاتمہ کے لئے کن باتوں کی ضرورت ہے؟ ---------- ۱۲۲

کسبِ معاش میں شرعی حدود کی رعایت ---------- ۱۲۵

- مال؛ بہترین معاون ہے ---------- ۱۲۷
- شرعی حدود کی رعایت ناگزیر ---------- ۱۳۰
- کون سے مال دار قابل تعریف ہیں؟ ---------- ۱۳۱
- سود کی ممانعت ---------- ۱۳۲
- سود کی حرمت پچھلی شریعتوں میں ---------- ۱۳۵
- سود کے چند مفاسد ---------- ۱۳۷
- جوا اور سٹہ ---------- ۱۳۷
- لاٹری وغیرہ ---------- ۱۳۹

○ شیئر بازار میں سرمایہ کاری ---------- ۱۴۰
○ غیر سودی سرمایہ کاری ---------- ۱۴۱
○ اسلامی نظام معیشت کامیاب اور فائدہ مند ہے ---------- ۱۴۲
○ غیر سودی سرمایہ کاری کی بنیادی شرط اور اجمالی طریقہ کار ---------- ۱۴۳
❑ خواتین اسلام کے لئے مثالی نمونہ ---------- ۱۴۵
○ خاتونِ جنتؓ کا اعزاز ---------- ۱۴۶
○ عفت مآبی کے سلسلہ میں حضرت فاطمہؓ کا نظریہ ---------- ۱۴۸
○ گھر کے کام کاج کے بارے میں حضرت فاطمہؓ کا طرز عمل ---------- ۱۴۹
○ آخری درجہ کی پاک بازی ---------- ۱۵۱
○ شرم سے ڈوب مرنے کا مقام ---------- ۱۵۲
○ گھر کی عورتوں کی بے حیائی پر خاموش رہنے والے ملعون ہیں۔ ---------- ۱۵۳

دعوت الی الخیر ۱۵۵

❑ نفع بخش پُر اثر کلمات ---------- ۱۵۶
❑ خطباتِ حجۃ الوداع ---------- ۱۶۳
○ حرمین شریفین میں تصویر کشی کی وبا ---------- ۱۶۵
○ حج کا سفر ایک تربیتی سفر ہے ---------- ۱۶۶
○ خطباتِ حجۃ الوداع ---------- ۱۶۶
○ (۱) حقوق العباد کا خیال رکھنے کی تاکید ---------- ۱۶۷
○ (۲) کتاب وسنت پر ثابت قدم رہنے کی وصیت ---------- ۱۶۸
○ (۳) آخرت کی فکر کی تلقین ---------- ۱۶۸
○ (۴) شیطان کے مکر وفریب سے بچنے کی تاکید ---------- ۱۶۹

○ (۵) جاہلیت کی ہر رسم پیروں تلے دفن ---------------------------- ۱۷۰

○ (۶) قتل و غارت گری سے بچنے کی تلقین ---------------------------- ۱۷۱

○ (۷) خواتین کی حرمت کا خیال ---------------------------- ۱۷۱

○ (۸) حکام کی سمع و اطاعت کی تلقین ---------------------------- ۱۷۲

○ (۹) حقیقی مساوات کا اعلان ---------------------------- ۱۷۳

○ (۱۰) متفرق ہدایات ---------------------------- ۱۷۴

○ (۱۱) تبلیغ دین کی تلقین ---------------------------- ۱۷۵

○ خدارا مجھے قیامت میں رسوا مت کرنا ---------------------------- ۱۷۶

○ ہمارا فرض ---------------------------- ۱۷۷

❑ معلّم انسانیت نبی اکرم ﷺ کا ایک قیمتی پُر اثر وعظ ---------------------------- ۱۷۹

○ دنیا اور عورتوں کے فتنوں سے بچو! ---------------------------- ۱۷۹

○ اسلام میں بدعہدی روا نہیں ---------------------------- ۱۷۹

○ برائی پر روک ٹوک جاری رکھیں! ---------------------------- ۱۸۰

○ اپنے انجام سے بے فکر نہ رہیں ---------------------------- ۱۸۱

○ غصہ سے پرہیز کریں ! ---------------------------- ۱۸۲

○ قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول نہ کریں ---------------------------- ۱۸۳

○ دنیا بس چند روزہ ہے ---------------------------- ۱۸۴

❑ بری صحبت سے پرہیز ---------------------------- ۱۸۶

❑ اللہ کی پناہ ---------------------------- ۱۸۹

❑ فکرِ آخرت ---------------------------- ۱۹۵

❑ دنیا کدھر جا رہی ہے؟ ---------------------------- ۱۹۹

○ (۱) سلام میں تخصیص ---------------------------- ۲۰۰

○ (۲) تجارت میں عورتوں کی شرکت ---------------------------- ۲۰۱
○ (۳) قطع رحمی -- ۲۰۳
○ (۴) جھوٹی گواہی --- ۲۰۴
○ (۵) سچی گواہی کو چھپانا ----------------------------------- ۲۰۵
○ (۶) دین سے ناواقفیت ------------------------------------ ۲۰۶
❑ قیامت کی چند علامتیں ---------------------------------- ۲۰۸
○ اولاد بوجھ بن جائے گی ------------------------------------ ۲۰۸
○ گرم بارشیں ہوں گی ------------------------------------- ۲۰۸
○ راز فاش ہوں گے -- ۲۰۹
○ جھوٹے کی تصدیق کی جائے گی---------------------------- ۲۰۹
○ خائن شخص پر اعتماد کیا جائے گا ------------------------------ ۲۰۹
○ امانت دار شخص کو بدنام کیا جائے گا ------------------------- ۲۱۰
○ قیادت کی کمان منافقوں کے ہاتھ میں ہوگی---------------------- ۲۱۰
○ تجارت پر فساق وفجار کا غلبہ ہوگا ---------------------------- ۲۱۰
○ محرابیں سجائی جائیں گی ------------------------------------ ۲۱۱
○ دل بگڑ جائیں گے --------------------------------------- ۲۱۱
○ ہم جنسی کا دور دورہ ہوگا --------------------------------- ۲۱۱
○ آبادیاں ویران اور ویرانے آباد ہوں گے ------------------------ ۲۱۲
○ فتنے عام ہوجائیں گے ------------------------------------ ۲۱۲
○ سودی معاملات عام ہوں گے -------------------------------- ۲۱۲
○ گانے باجے کے آلات عام ہوجائیں گے ------------------------ ۲۱۳

- ○ خزانے عام ہوجائیں گے ---------- ۲۱۴
- ○ شراب عام ہوجائے گی ---------- ۲۱۴
- ○ پولیس والوں کی کثرت ---------- ۲۱۴
- ○ عیب جوؤں کی کثرت ---------- ۲۱۵
- ○ غیبتوں کا عموم ---------- ۲۱۵
- □ اہلِ تقویٰ کے لئے عظیم بشارت ---------- ۲۱۶
- □ ایمان کے بنیادی تقاضے ---------- ۲۲۱
- □ پانچ عمومی ہدایات ---------- ۲۲۵
- ○ شرک وریا سے اجتناب ---------- ۲۲۶
- ○ نماز میں خشوع وخضوع کی تاکید ---------- ۲۲۷
- ○ روزہ؛ خوشبودار عمل ---------- ۲۲۷
- ○ صدقہ؛ ذریعہ نجات ---------- ۲۲۸
- ○ ذکر خداوندی؛ محفوظ قلعہ ---------- ۲۳۰
- □ چند زرّیں نصیحتیں ---------- ۲۳۲
- □ اصلاح معاشرہ کی ضرورت ---------- ۲۳۶
- ○ (۱) فرد کی اصلاح ---------- ۲۳۶
- ○ (۲) گھر کی اصلاح ---------- ۲۳۷
- ○ (۳) عوامی اصلاح ---------- ۲۳۷
- ○ (۱) درسِ قرآنِ کریم ---------- ۲۳۸
- ○ (۲) درس حدیث شریف ---------- ۲۳۹
- ○ (۳) اصلاحی جلسے ---------- ۲۳۹

○ (۴) نوجوانوں کی خصوصی میٹنگیں ---------- ۲۳۹
○ (۵) اصلاحی کمیٹیاں ---------- ۲۳۹
○ (۶) ہفتہ واری اجتماعات ---------- ۲۴۰
○ (۷) جمعہ کے بیانات ---------- ۲۴۰
○ (۸) خواتین کے اجتماعات ---------- ۲۴۰
○ (۹) انسداد منکرات مہم ---------- ۲۴۰
○ (۱۰) اصلاحی لٹریچر کی اشاعت ---------- ۲۴۱
○ (۱۱) انفرادی اصلاح کی جدوجہد ---------- ۲۴۱
❑ بدنگاہی سے بچنے کا نایاب نسخہ ---------- ۲۴۲

کامیاب اجتماعی زندگی ۲۴۷

❑ تنبیہات ---------- ۲۴۸
❑ چند قیمتی جواہر پارے ---------- ۲۵۴
○ معاشرت کیسے سدھرے؟ ---------- ۲۵۵
○ تقویٰ کیسے پیدا ہوگا؟ ---------- ۲۵۵
○ مشورہ کی اہمیت ---------- ۲۵۶
○ اختلاف رائے حدود کے اندر رہنا چاہئے! ---------- ۲۵۶
○ اختلاف کیسے دور ہو؟ ---------- ۲۵۷
○ اجتماعی کام کب ناکام ہوتے ہیں؟ ---------- ۲۵۷
○ اعتراض آسان ہے، کام مشکل ہے ---------- ۲۵۸
○ علماء ربانیین کی تلاش؟ ---------- ۲۵۸
○ اجتماعی ذمہ داری کون قبول کرے؟ ---------- ۲۵۸

○ چھ نمبر کی دعوت ---------- ۲۵۹
○ مسلم سیاسی پارٹی؟ ---------- ۲۶۰
○ سیکولر سیاسی پارٹی؟ ---------- ۲۶۱
○ امت کے امراض کا مداوا ---------- ۲۶۲
○ تعلیمی نظریہ ---------- ۲۶۳
○ اقتصادی نظریہ ---------- ۲۶۴
○ آپس میں جوڑ کیسے باقی رہے؟ ---------- ۲۶۵
○ عفو ودرگذر ---------- ۲۶۸
○ ملاقاتیں اور ہدیہ ---------- ۲۶۸
○ سلام ---------- ۲۶۹
○ دعاء ---------- ۲۶۹
○ ایثار سے کام لیں ---------- ۲۷۰
❑ باہمی ربط وتعلق کی روشن مثال ---------- ۲۷۲
❑ اجتماعیت برقرار رکھیں ---------- ۲۸۱
○ جذبۂ ایثار کی ضرورت ---------- ۲۸۲
○ سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا مثالی کردار ---------- ۲۸۲
○ صلح کے لئے بڑی ہمت چاہیے ---------- ۲۸۳
○ مگر تقدیر نہیں ٹلتی ---------- ۲۸۴
❑ خدام دین کی خدمت میں! ---------- ۲۸۶
○ (۱) خدمتِ دین اور عبادت کا موقع ملنے پر شکر بجالائیں ---------- ۲۸۶
○ (۲) سبھی خدام دین کا احترام کریں ---------- ۲۸۸
○ (۳) تربیت کے مطابق عمل کا اہتمام ---------- ۲۸۹

مدارس اور علماء کی قربانیاں ۲۹۱

❑ مدارسِ دینیہ اجمالی تاریخ، افادیت، ضرورت اور تحفظ ---------- ۲۹۲
- جب علم کی کرن پھوٹی ---------- ۲۹۲
- کوہِ صفا سے پیغام ہدایت ---------- ۲۹۳
- مگر روشنی کا سفر جاری رہا ---------- ۲۹۵
- گھر گھر میں مدرسہ ---------- ۲۹۶
- جب مدینہ میں بہار آئی ---------- ۲۹۶
- مسجدِ نبوی؛ عظیم علمی مرکز ---------- ۲۹۸
- مدرسۂ صفہ ---------- ۲۹۸
- سفر میں علمی فیضان ---------- ۲۹۹
- صحابہ رضی اللہ عنہم کا علمی فیض ---------- ۳۰۰
- مکاتب کا اجراء ---------- ۳۰۱
- دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اہم علمی مراکز ---------- ۳۰۱
- تابعین و تبع تابعین کے دور کی اہم علمی درس گاہیں ---------- ۳۰۲
- با قاعدہ مدارس کا رواج ---------- ۳۰۴
- ہندوستان کے علمی مراکز ---------- ۳۰۵
- دارالعلوم دیو بند کا قیام ---------- ۳۰۶
- اساسی اصول ہشت گانہ ---------- ۳۰۷
- دینی مدارس کے نصاب وغیرہ کے بارے میں چند اہم نکات ---------- ۳۰۹
- قدیم طرزِ تعلیم کی برکت ---------- ۳۱۳
- مدارس سے امت کو کیا فائدہ پہنچا؟ ---------- ۳۱۴

○ سرکاری امداد کے مضر اثرات ---------------------------------- ۳۱۷
○ ہماری ذمہ داری ---------------------------------- ۳۱۸
○ آخری بات ---------------------------------- ۳۱۹
❏ مدارس میں تزکیہ پر محنت کی ضرورت ---------------------------------- ۳۲۰
○ امت کو کس طرح کے علماء کی ضرورت ہے؟ ---------------------------------- ۳۲۱
○ تزکیہ؛ ذریعۂ انقلاب ---------------------------------- ۳۲۳
○ افسوس ناک صورتِ حال ---------------------------------- ۳۲۴
○ تزکیہ کے لئے کیا صورتیں اپنائی جائیں؟ ---------------------------------- ۳۲۵
○ (۱) اصلاحی کتابوں کی تعلیم ---------------------------------- ۳۲۵
○ (۲) اساتذہ وذمہ داران کی اصلاح ---------------------------------- ۳۲۶
○ (۳) اصلاحی وتربیتی مجالس کا اہتمام ---------------------------------- ۳۲۷
❏ اُف! یہ احسان فراموشی؟ ---------------------------------- ۳۲۸
○ علماء سے دشمنی کی انتہاء ---------------------------------- ۳۳۱
○ کیا تعلیمی پسماندگی کے ذمہ دار علماء ہیں؟ ---------------------------------- ۳۳۲
○ مسلمانوں میں دینی تعلیم کا تناسب؟ ---------------------------------- ۳۳۳
○ مدارس کے نصاب پر اعتراض ---------------------------------- ۳۳۵
○ مسلمانوں کی سیاسی بے وزنی کا ذمہ دار کون؟ ---------------------------------- ۳۳۷
❏ ''زکاۃ'' پر للچاتی نظریں! ---------------------------------- ۳۴۲
○ مخالفانہ گٹھ جوڑ ---------------------------------- ۳۴۴
○ شبہات کا ازالہ ---------------------------------- ۳۴۵
○ اہلِ مدارس کی ذمہ داری ---------------------------------- ۳۴۷

نقد ونظر ۳۴۹

❑ علاماتِ قیامت کے انکار کی جسارت ---------------------------------- ۳۵۰

○ محدثین کرام پر بے ہودہ بہتان تراشی ------------------------------ ۳۶۰

❑ قرآنِ کریم کی بے حرمتی کے واقعات اور ہمارا فرض ------------------------- ۳۶۲

○ حالات میں تبدیلی کیسے ہو؟ ---------------------------------- ۳۶۵

○ امت کی ایمانی حالت -- ۳۶۶

○ امت کی عملی واخلاقی حالت زار -------------------------------- ۳۶۸

○ قرآن سے محبت کا دعویٰ سچا ثابت کریں -------------------------- ۳۶۹

❑ محتاط رہنے کی ضرورت -- ۳۷۰

○ سزا نہیں دوا -- ۳۷۱

○ آئندہ کے لئے سبق -- ۳۷۳

❑ اوراب شرعی عدالتوں پر نظر ------------------------------------- ۳۷۵

❑ مسلم پرسنل لاء کے لئے خطرہ کون؟ ---------------------------------- ۳۸۰

○ افسوسناک صورتِ حال -- ۳۸۰

○ قضاء کے بارے میں اسلامی نظریہ ------------------------------ ۳۸۱

○ ہندوستان جیسے ممالک کی عدالتوں کا حکم ---------------------------- ۳۸۴

○ مرعوب ذہنیت --- ۳۸۵

❑ انصاف کی ضرورت -- ۳۸۷

❑ بغض وعناد کی انتہاء --- ۳۹۲

❑ چاند پر تھوکنے کی ناپاک کوشش ------------------------------------ ۳۹۴

سیرتِ طیبہ ﷺ کے چند پرنور گوشے

- شمائل رسول ﷺ
- دلائل نبوت ﷺ
- اخلاقِ نبوت کی چند جھلکیاں
- محبتِ رسول اللہ ﷺ اور اس کا معیار
- اتباع سنت
- پیغمبر علیہ السلام کی رفاقت کی تمنا!

شمائل رسول ﷺ

آنحضرت ﷺ کے سراپائے اقدس سے متعلق ۴۰ منتخب احادیث کا یہ مجموعہ اولاً عربی میں شائع ہوا تھا، پھر برادر عزیز مولوی مفتی محمد عفان منصور پوری زید علمہ نے اس کا اردو میں ترجمہ کر کے شائع کیا، بعد میں ''ندائے شاہی'' کے ''نعت النبی نمبر'' میں بھی اس کو شائع کیا گیا۔ (مرتب)

حضور اقدس ﷺ کے حسن انور کا بیان

(۱) عن البراء بن عازب رضي الله عنه يقول : "كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَحْسَنَ النَّاسِ وَجْهاً وَاَحْسَنَهُمْ خَلْقاً، لَيْسَ بِالطَّوِيْلِ الْبَائِنِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ". (صحيح بخاری حديث ۳۵۴۹)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ حسین چہرے والے تھے اور آپ کے بدن کی بناوٹ سب سے شان دار تھی، نہ آپ ﷺ بہت لمبے تھے اور نہ پستہ قد (بلکہ آپ کا قد مبارک درمیانہ تھا)

(۲) عن ابی عبیدة بن محمد بن عمار بن یاسر قال للربيع بنت معوذ رضی اللّٰہ عنها: صِفِيْ لِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ. قَالَتْ: "يَا بُنَيَّ لَوْ رَأَيْتَهٗ رَأَيْتَ الشَّمْسَ طَالِعَةً".

(شمائل الرسول للحافظ ابن کثير /۱۸)

حضرت ابوعبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت رُبَیِّع بنت معوذ رضی اللہ عنہا سے درخواست کی کہ آپ میرے سامنے جناب رسول اللہ ﷺ کے حسن کو بیان فرمائیں۔ حضرت ربیع رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ: ''اے بیٹے! اگر تم آپ ﷺ کو دیکھتے تو ایسا محسوس کرتے گویا کہ آفتاب اپنی تمام تر تابانیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے''۔

(۳) عن أبی هريرة رضي الله عنه يقول: "مَا رَأَيْتُ شَيْئاً أَحْسَنَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

كَانَّ الشَّمْسَ تَجْرِىْ فِىْ وَجْهِهٖ". (شمائل ترمذی ۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام سے زیادہ خوب صورت کسی بھی چیز کونہیں دیکھا، گویا کہ آفتاب آپ ہی کے چہرۂ مبارک میں چمک رہا ہے۔

(٤) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: " رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فِيْ لَيْلَةِ اِضْحِيَانَ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ حَمْرَاءُ فَجَعَلْتُ اَنْظُرُ إِلَيْهِ وَإِلَى الْقَمَرِ فَلَهُوَ عِنْدِىْ اَحْسَنُ مِنَ الْقَمَرِ".

(شمائل ترمذی ۲)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ چاندنی رات میں حضورِ اقدس ﷺ کو دیکھ رہا تھا، حضورِ اقدس ﷺ اس وقت سرخ جوڑا زیب تن فرماتے تھے، میں کبھی چاند کو دیکھتا تھا اور کبھی آپ ﷺ کو، بالآخر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ حضورِ اکرم ﷺ چاند سے کہیں زیادہ حسین وجمیل ہیں۔

حضورِ اقدس ﷺ کا چہرۂ انور کیسا تھا؟

(٥) سُئِلَ الْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ رضی اللہ عنہ أَكَانَ وَجْهُ النَّبِيِّ ﷺ مِثْلَ السَّيْفِ؟ قَالَ: "لَا ! بَلْ مِثْلَ الْقَمَرِ". (بخاری شریف حدیث: ۳۵۵۲)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا حضورِ اکرم ﷺ کا چہرۂ مبارک تلوار کی طرح (لمبائی لئے ہوئے) تھا؟ آپ نے فرمایا: نہیں؛ بلکہ چاند کی طرح (روشن، گولائی لئے ہوئے) تھا۔

(٦) وَفِىْ حَدِيْثِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ عَنْ خَالِهٖ هِنْدِ بْنِ أَبِيْ هَالَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: "كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَخْماً مُفَخَّماً يَتَلَألَأُ وَجْهُهٗ تَلَألُؤَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ". (شمائل ترمذی ۲)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ: "جناب رسول اللہ ﷺ خود اپنی ذات والا صفات کے اعتبار سے بھی شاندار تھے اور دوسروں کی نظر میں بھی بڑے رتبے والے تھے۔ آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک چودہویں کے چاند کی طرح چمکتا تھا"۔

مسرت کے لمحات میں چہرۂ انور کی تابانی

(۷) عن كعب بن مالك رضي الله عنه في حديث التوبة قال: ”وَكَانَ رَسُوْلُ ﷺ إِذَا سُرَّ اِسْتَنَارَ وَجْهُهٗ حَتّٰى كَأَنَّهٗ قِطْعَةُ قَمَرٍ وَكُنَّا نَعْرِفُ ذٰلِكَ مِنْهُ“. (بخاری شریف حدیث: ٣٥٥٦)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ”حدیث توبہ“ میں بیان فرماتے ہیں کہ: ”جب پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام خوش ہوتے تو آپؐ کا چہرۂ مبارک اتنا منور ہو جاتا تھا گویا کہ وہ چاند کا ٹکڑا ہے اور ہم اس چمک سے آپ ﷺ کی خوشی کو بھانپ لیا کرتے تھے“۔

(۸) عن عائشة رضي الله عنها أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ دَخَلَ عَلَيْهَا مَسْرُوْراً تَبْرُقُ أَسَارِيْرُ وَجْهِهٖ“. (بخاری شریف حدیث: ٣٥٥٥)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: ”جناب رسول اللہ ﷺ ان کے پاس خوشی ومسرت کے ساتھ اس حال میں تشریف لائے کہ آپ ﷺ کے چہرۂ انور کی رگ رگ چمک رہی تھی“۔

(۹) وفي حديث أبي هريرة رضي الله عنه عن صفة النبي ﷺ قَالَ: ”وَإِذَا ضَحِكَ كَادَ يَتَلَأْلَأُ فِي الْجُدُرِ، لَمْ أَرَ قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ“. (شمائل الرسول للحافظ ابن كثير ٣١)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ”جب آپ ﷺ مسکراتے تو (دندانِ مبارک کی روشنی سے) در و دیوار چمک اٹھتے تھے، میں نے آپ ﷺ جیسا نہ آپ ﷺ سے پہلے دیکھا نہ آپ ﷺ کے بعد“۔

ونقل الإمام السيوطي في ”الخصائص الكبرى“ عن ابن عساكر: عن عائشة رضي الله عنها قالت: كُنْتُ اَخِيْطُ فِي السَّحَرِ فَسَقَطَتْ مِنِّيْ الْإِبْرَةُ فَطَلَبْتُهَا فَلَمْ اَقْدِرْ عَلَيْهَا فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَتَبَيَّنَتِ الْإِبْرَةُ بِشُعَاعِ نُوْرِ وَجْهِهٖ فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ: يَا حُمَيْرَاءُ: اَلْوَيْلُ ثُمَّ الْوَيْلُ ثَلَاثاً لِمَنْ حُرِمَ النَّظْرُ إِلىٰ وَجْهِيْ. (الخصائص الكبرى ٦٣/١)

امام سیوطی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب خصائص کبری میں ابن عساکر کے حوالہ سے حضرت

عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے کہ: ’’میں صبح سویرے کچھ سی رہی تھی کہ سوئی میرے ہاتھ سے گرگئی، میں نے تلاش کیا؛ لیکن سوئی نہ ملی، اسی درمیان جناب رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے تو آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک کے نور کی شعاعوں کی وجہ سے وہ سوئی مل گئی‘‘ میں نے حضور ﷺ کو بتلایا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ’’اے حمیراء! افسوس صد افسوس اس شخص پر جو میری زیارت سے محروم رہے‘‘۔

جناب رسول اللہ ﷺ کی پیشانی، ابرو، ناک اور رخسار مبارک کا بیان

(۱۰) عن الحسن بن علي رضي الله عنهما عن خاله قال: ’’كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاسِعَ الْجَبِيْنِ، اَزَجَّ الْحَوَاجِبِ، وَسَوَابِغَ فِيْ غَيْرِ قَرْنٍ، بَيْنَهُمَا عِرْقٌ يُدِرُّهُ الْغَضَبُ، اَقْنَى الْعِرْنَيْنِ، لَهُ نُوْرٌ يَعْلُوْهُ، يَحْسِبُهُ مَنْ لَمْ يَتَاَمَّلْهُ اَشَمَّ، سَهْلُ الْخَدَّيْنِ، ضَلِيْعَ الْفَمِ، اَشْنَبَ، مُفَلَّجَ الْاَسْنَانِ‘‘. (دلائل النبوة للبيهقي ۱/۲۱٤)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما اپنے ماموں سے نقل کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں کہ:

’’جناب رسول اللہ ﷺ کی پیشانی مبارک نہایت کشادہ، ابرو خم دار باریک اور گنجان تھے، دونوں ابرو جدا جدا تھے، ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں تھے، ان دونوں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت ابھر جاتی تھی، آپ ﷺ کی ناک مبارک بلندی مائل تھی اور اس پر ایک چمک محسوس ہوتی تھی۔ غور سے نہ دیکھنے والا آپ ﷺ کو بڑی ناک والا سمجھتا (لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا کہ حسن و چمک کی وجہ سے بلند معلوم ہوتی ہے ورنہ فی نفسہ زیادہ بلند نہیں) آپ ﷺ کے رخسار مبارک ہموار ہلکے تھے۔ آپ ﷺ کا دہن مبارک قدرے کشادہ تھا۔ آپ ﷺ کے دندانِ مبارک باریک آبدار تھے اور ان میں سے سامنے کے دانتوں میں ذرا ذرا فصل بھی تھا۔

جناب رسول اللہ ﷺ کی آنکھ اور دہن مبارک کا بیان

(۱۱) عن جابر بن سمرة رضی اللہ عنہ قال: ’’كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ضَلِيْعَ الْفَمِ، اَشْكَلَ الْعَيْنَيْنِ وَمَنْهُوْسَ الْعَقِبَيْنِ‘‘. (مسلم شريف: ٥٩٥٦)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فراخ دہن تھے، آنکھوں کی سفیدی میں سرخ ڈورے پڑے ہوئے تھے اور ایڑی مبارک پر گوشت کم تھا۔

وجاء في مسند أحمد: "اَشْهَلَ الْعَيْنَيْنِ". قَالَ أَبُوْ عُبَيْدَةَ: الشَّكْلَةُ: كَهَيْئَةِ الْحُمْرَةُ تَكُوْنُ فِيْ بَيَاضِ الْعَيْنِ، وَالشَّهْلَةُ: غَيْرُ الشَّكْلَةِ وَهِيَ حُمْرَةٌ فِيْ سَوَادِ الْعَيْنِ. (دلائل النبوة للبيهقي ۲۱۲/۱)

اور مسند احمدؒ میں اشہل العینین کے الفاظ آئے ہیں۔ ابوعبیدؒ فرماتے ہیں کہ شکلۃ جو ہیئۃ کے وزن پر ہے اس کے معنی ہیں آنکھوں کی سفیدی میں سرخی کا ہونا اور شہلۃ کے معنی ہیں آنکھوں کی سیاہی میں سرخی کا ہونا۔

وقال الحافظ ابن كثير: وقول ابي عبيد: حُمْرَةٌ فِيْ بَيَاضِ الْعَيْنِ اَشْهَرُ وَاَصَحُّ وَذٰلِكَ يَدُلُّ عَلَى الْقُوَّةِ وَالشَّجَاعَةِ. واللّٰه تعالٰى اعلم. (شمائل الرسول ۲۷)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابوعبیدؒ کا قول یعنی آنکھوں کی سفیدی میں سرخی کا ہونا زیادہ مشہور اور صحیح ہے جو بہادری اور شجاعت پر دال ہے۔ واللہ اعلم

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک کا بیان

(۱۲) عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: "كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَفْلَجَ الثَّنِيَّتَيْنِ وَكَانَ إِذَا تَكَلَّمَ رُؤِىَ كَالنُّوْرِ بَيْنَ ثَنَايَاهُ". (دلائل النبوة ۲۱۵/۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: "جناب نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے سامنے کے دانتوں کے درمیان ذرا سا فاصلہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب تکلم فرماتے تو سامنے کے دانتوں کے درمیان سے نور نکلتا ہوا محسوس ہوتا تھا"۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زلفوں اور بالوں کا حسن

(۱۳) عن البراء بن عازب رضی اللہ عنہ قَالَ: "مَا رَأَيْتُ مِنْ ذِىْ لِمَّةٍ فِيْ حُلَّةٍ حَمْرَاءَ

أَحْسَنَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَهُ شَعْرٌ يَضْرِبُ مَنْكِبَيْهِ، بَعِيْدُ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ، لَمْ يَكُنْ بِالْقَصِيْرِ وَلاَ بِالطَّوِيْلِ". (شمائل ترمذی ۱)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی زلف والے کو سرخ جوڑے میں حضور اقدس ﷺ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا، آپ ﷺ کے بال مونڈھوں تک آرہے تھے، آپ ﷺ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان کا حصہ ذرا زیادہ چوڑا تھا اور آپ ﷺ نہ زیادہ لمبے تھے نہ پستہ قد۔ (بلکہ درمیانے قد کے تھے)

(۱۴) عن قتادة رحمه اللّٰه تعالیٰ قَالَ: قُلْتُ لِأَنَسٍ رضی اللہ عنہ كَيْفَ كَانَ شَعْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ؟ قَالَ: "لَمْ يَكُنْ بِالْجَعْدِ وَلاَ بِالسَّبْطِ يَبْلُغُ شَعْرُهُ شَحْمَةَ أُذُنَيْهِ".

(شمائل ترمذی ۳)

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضور اکرم ﷺ کے بال مبارک کیسے تھے؟ انہوں نے فرمایا: "نہ بالکل پیچیدہ نہ بالکل کھلے ہوئے؛ بلکہ تھوڑی سی پیچیدگی اور گھنگھریالہ پن لئے ہوئے تھے جو کانوں کی لو تک پہنچتے تھے"۔

نقل الإمام النوويؒ: وَجْهُ اخْتِلاَفِ الرِّوَايَاتِ فِيْ قَدْرِ شَعْرِهٖ اِخْتِلاَفُ الاَوْقَاتِ فَإِذَا غَفَلَ عَنْ تَقْصِيْرِهَا بَلَغَتِ الْمَنْكَبَ وَإِذَا قَصَّرَهَا كَانَتْ إِلَى اَنْصَافِ الْاُذُنَيْنِ. (نووی شرح مسلم)

شارح مسلم حضرت امام نووی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے بالوں کی مقدار کے سلسلہ میں روایات کا اختلاف مختلف اوقات اور حالات کے اعتبار سے ہے، جب آپ ﷺ کو بال کاٹنے کا موقع نہ ملتا تو وہ مونڈھوں تک پہنچ جاتے اور جب آپ ﷺ بال تراش لیتے تو کانوں کے نصف حصہ تک رہ جاتے۔

جناب رسول اللہ ﷺ کی داڑھی مبارک کا بیان

(۱۵) عن علي ابن أبي طالب رضی اللہ عنہ قَالَ: "كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ضَخْمَ الرَّأْسِ

وَالِلّحْيَةِ“. (دلائل النبوة ۲۱٦/۱)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام بڑے سر اور گھنی داڑھی والے تھے۔

(۱٦) عن محمد بن علي عن أبيه رضی اللہ عنہ قال : ”كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَثَّ اللِّحْيَةِ“. (دلائل النبوة ۲۱٦/۱)

حضرت محمد بن علیؒ اپنے والد سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی داڑھی مبارک گھنی تھی۔

تنبيه: اعفاء اللحية واجب عند جميع الأئمة وهو من سنن الأنبياء والمرسلين. وأمر به النبي ﷺ امته موكدًا بقوله ”اَنْهِكُوْ الشَّوَارِبَ وَاَعْفُوْ اللُّحى“. (بخاری شریف: ۵۸۹۳)

وحلق اللحية أو قصها ما دون القبضة لا يجوز لأحد، قال فقيه عصره العلامة محمد بن عابدين الشاميؒ في رد المحتار: واما الأخذ منها وهي مادون ذلك كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه احد. (رد المحتار ۳۹۸/۳)

تنبیہ : تمام ائمہ کرام رحمہم اللہ کے نزدیک داڑھی رکھنا واجب ہے اور یہی تمام انبیاء اور رسولوں کی سنت ہے اور جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو اسی کا حکم فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مونچھوں کو کاٹو اور داڑھی کو بڑھاؤ“۔

جب کہ داڑھی کو مونڈنا یا ایک مشت سے کم کتروانا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں۔ فقیہ العصر علامہ محمد بن عابدین شامی رحمہ اللہ نے رد المحتار میں تحریر فرمایا ہے کہ: داڑھی کو ایک مشت سے کم کتروانا جیسا کہ یورپ کے لوگ اور ہیجڑے کرتے ہیں کسی نے بھی اس کو مباح قرار نہیں دیا ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ کا رنگ مبارک

(۱۷) عن أبي الطفيل رضی اللہ عنہ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَمَا عَلٰى وَجْهِ الْأَرْضِ

رَجُلٌ رَاٰهُ غَيْرِیْ، قَالَ (أي الراوی) فَقُلْتُ: فَكَيْفَ رَأَيْتَهُ؟ قَالَ: كَانَ اَبْيَضَ مَلِيْحَ الْوَجْهِ. (مسلم شريف، كتاب الفضائل: ۵۹۵۸)

حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور اس وقت روئے زمین پر میرے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنے والا کوئی نہیں رہا۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کو کیسا دیکھا؟ فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ سفید گندم گوں تھا۔

(۱۸) عن نافع بن جبیر قال: وصف لنا علي رضی اللہ عنہ النبي صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ: "كَانَ اَبْيَضَ مَشْرُبَ الْحُمْرَةِ". (دلائل النبوة ۲۰۶/۱)

حضرت نافع بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ بیان کیا اور فرمایا کہ آپ کا رنگ سفید سرخی مائل تھا۔

قال البیهقي فی الدلائل: وروی ذلك هكذا من اوجه اخری عن علی رضی اللہ عنہ، ويويده ما روی عن أبي هريرة في حديث طويل، قَالَ فِيْهِ: إِذَا وَضَعَ رِدَاءَهٗ عَلٰى مَنْكِبَيْهِ فَكَاَنَّهٗ سَبِيْكَةُ فِضَّةٍ. (شمائل رسول ۳۱)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ میں لکھا ہے کہ یہی روایت دوسرے طرق سے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، فرماتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مبارک مونڈھوں سے چادر ہٹاتے تو ایسا لگتا کہ صاف وشفاف چاندی کا ڈھلا ہوا ایک پیکر ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی اور خوشبو کا بیان

(۱۹) عن أبي جحيفة رضی اللہ عنہ قَالَ: "وَقَامَ النَّاسُ فَجَعَلُوْا يَأْخُذُوْنَ يَدَيْهِ فَيَمْسَحُوْنَ بِهِمَا وُجُوْهَهُمْ قَالَ فَأَخَذْتُ بِيَدِهٖ فَوَضَعْتُهَا عَلٰى وَجْهِیْ فَإِذَا هِيَ اَبْرَدُ مِنَ الثَّلَجِ وَاَطْيَبُ رَائِحَةً مِنَ الْمِسْكِ". (بخاری شريف: ۳۵۵۳)

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ کھڑے ہوکر پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے ہاتھوں کو اپنے چہروں پر پھیرنے لگے۔فرماتے ہیں کہ میں نے بھی جناب رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ پکڑا اور اپنے چہرے پر رکھ لیا تو وہ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور مشک سے بھی زیادہ خوشبودار تھا۔

(۲۰) عن انس رضی اللہ عنہ قَالَ: مَا مَسِسْتُ حَرِيْرًا وَلاَ دِيْبَاجاً اَلْيَنَ مِنْ كَفِّ النَّبِيِّ ﷺ وَلاَ شَمِمْتُ رِيْحًا قَطُّ اَوْ عَرْفاً قَطُّ اَطْيَبَ مِنْ رِيْحِ اَوْ عَرْفِ النَّبِيِّ ﷺ. (بخاری شریف: ۳۵۶۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے (اپنی زندگی میں) جناب رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم کسی ریشم وغیرہ کے کپڑے کو نہیں چھوا (یعنی آپ ﷺ کی ہتھیلی ریشم سے زیادہ نرم تھی) اور نہ کبھی میں نے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی خوشبو سے اچھی کوئی خوشبو سونگھی۔

(۲۱) عن جابر بن سمرة رضی اللہ عنہ قَالَ: "صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ صَلاَةَ الْأُوْلٰى ثُمَّ خَرَجَ إِلٰى اَهْلِهٖ وَخَرَجْتُ مَعَهٗ فَاسْتَقْبَلَهٗ وِلْدَانٌ فَجَعَلَ يَمْسَحُ خَدَّيْ اَحَدِهِمْ وَاحِداً وَاحِداً، قَالَ: وَاَمَّا اَنَا فَمَسَحَ خَدِّيْ قَالَ فَوَجَدْتُّ يَدَهٗ بَرْداً أَوْ رِيْحاً كَاَنَّمَا اَخْرَجَهَا مِنْ جُوْنَةِ عَطَّارٍ". (مسلم شریف: ۵۹۳۸)

حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نماز فجر حضور پاک ﷺ کے ساتھ پڑھی پھر حضور ﷺ اپنے دولت خانہ کی طرف تشریف لے جانے لگے، میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ چلا، چند بچوں نے آپ ﷺ کا استقبال کیا، آپ ﷺ نے ان میں سے ہر ایک کے دونوں رخساروں پر ہاتھ پھیرا اور جب آپ ﷺ نے میرے دونوں رخساروں پر ہاتھ پھیرا تو میں نے آپ ﷺ کی ہتھیلی کی ٹھنڈک اور خوشبو کو ایسا محسوس کیا گویا آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ ابھی عطر فروش کی ڈبیا سے نکالا ہے۔

(۲۲) عن انس رضی اللہ عنہ قَالَ: "كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا مَرَّ فِيْ طَرِيْقٍ مِنْ طُرُقِ الْمَدِيْنَةِ وَجَدُوْا مِنْهُ رَائِحَةَ الطِّيْبِ وَقَالُوْا مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ هٰذَا الطَّرِيْقِ".

(شمائل الرسول: ٤٦)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ کی گلیوں سے

تشریف لے جاتے تو لوگ دیر تک خوشبو محسوس کرتے اور کہتے کہ یہاں سے جناب رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے ہیں۔

قال القاضی عیاض فی الشفاء: مَسَّهَا بِطِيْبٍ أَوْلَمْ يَمَسَّهَا يُصَافِحُ الْمُصَافِحُ فَيَظَلُّ يَوْمَهُ يَجِدُ رِيْحَهَا وَيَضَعُ يَدَهُ عَلٰى رَأْسِ الصَّبِيِّ فَيُعْرَفُ مِنْ بَيْنِ الصِّبْيَانِ. (شفاء مع الشرح ۱/۱۵۸)

قاضی عیاض رحمہ اللہ شفاء میں لکھتے ہیں کہ: ’’جب کوئی حضور اقدس ﷺ سے مصافحہ کر لیتا تو دن بھر خوشبو محسوس کرتا، چاہے آپ ﷺ نے خوشبو لگائی ہو یا نہ لگائی ہو۔ اسی طرح جب کسی بچہ کے سر پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ پھیر دیتے تو وہ دیگر بچوں میں خوشبو کی وجہ سے پہچانا جاتا تھا‘‘۔

حضور اقدس ﷺ کے پسینے کی خوشبو

(۲۳) عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قَالَ: دَخَلَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ عِنْدَنَا، فَعَرِقَ، وَجَاءَ تْ اُمِّيْ بِقَارُوْرَةٍ فَجَعَلَتْ تَسْلُتُ الْعَرَقَ فِيْهَا فَاسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: يَا اُمَّ سُلَيْمٍ! مَا هٰذَا الَّذِيْ تَصْنَعِيْنَ ؟ قَالَتْ: هٰذَا عَرَقُكَ نَجْعَلُهُ فِيْ طِيْبِنَا وَهُوَ مِنْ اَطْيَبِ الطِّيْبِ. (مسلم شریف حدیث : ۵۹٤۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ ہمارے یہاں تشریف لائے اور قیلولہ فرمایا، جب آپ ﷺ کو پسینہ آیا تو میری والدہ ایک شیشی لے کر آئیں اور آپ ﷺ کے پسینے کو جمع کر کے اس میں ڈالنے لگیں۔ حضور اکرم ﷺ بیدار ہو گئے اور فرمایا اے ام سلیم! یہ تم کیا کر رہی ہو؟ حضرت ام سلیم نے فرمایا یا رسول اللہ! یہ آپ ﷺ کا پسینہ ہے اس کو ہم اپنی خوشبو میں ملائیں گے اور یہ (آپ کا پسینہ) سب سے عمدہ خوشبو ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ کے بدن مبارک میں مہر نبوت کا بیان

(۲٤) عن جابر بن سمرة رضی اللہ عنہ قَالَ: ’’رَأَيْتُ خَاتَماً فِيْ ظَهْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

كَانَّهٗ بَيْضَةُ حَمَامٍ. (مسلم شريف: ۵۹۷۰)

حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کی پیٹھ میں ایک مہر دیکھی جو گویا کہ کبوتری کے انڈے کے مانند تھی۔

(۲۵) عن الجعيد قَالَ: سَمِعْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: "ذَهَبَتْ بِيْ خَالَتِيْ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! اِنَّ ابْنَ اُخْتِيْ وَجِعٌ، فَمَسَحَ رَأْسِيْ وَدَعَا لِيْ بِالْبَرَكَةِ وَتَوَضَّأَ فَشَرِبْتُ مِنْ وَضُوْئِهِ، ثُمَّ قُمْتُ خَلْفَ ظَهْرِهِ فَنَظَرْتُ إِلٰى خَاتَمٍ بَيْنَ كَفَّيْهِ مِثْلَ زِرِّ الْحَجَلَةِ. (مسلم شريف ۵۹۷/۲ ، بخاری شريف ۳۵۴/۱)

حضرت جُعیدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے سنا انہوں نے فرمایا کہ میری خالہ مجھے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں لے گئیں اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ میرا بھانجا بیمار ہے، یہ سن کر پیغمبر علیہ السلام نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا کی، اور آپ نے وضو فرمایا تو میں نے وضو کا بچا ہوا پانی پی لیا، اس کے بعد میں آپ ﷺ کے پیچھے کھڑا ہو گیا، تو میں نے آپ ﷺ کے مونڈھے کے درمیان ایک مہر دیکھی جو مسہری (کے پردے) کی گھنڈی کی طرح تھی۔

جناب رسول اللہ ﷺ کے چلنے کی کیفیت

(۲۶) عن علي رضی اللہ عنہ قَالَ: "كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا مَشٰى تَكَفَّأَ كَاَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ". (شمائل ترمذی: ۸)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ذرا جھک کر متواضعانہ انداز میں چلتے گویا آپؐ بلندی سے نیچے اتر رہے ہیں۔

(۲۷) وجاء في رواية أبي هريرة رضي الله عنه: وَمَا رَأَيْتُ اَحَدًا اَسْرَعَ فِيْ مَشْيِهٖ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ كَاَنَّمَا الْأَرْضُ تُطْوٰى لَهٗ اِنَّا لَنَجْهَدُ اَنْفُسَنَا وَاِنَّهٗ لَغَيْرُ مُكْتَرِثٍ (اَيْ غَيْرُ مُبَالٍ). (شمائل ترمذی: ۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور پاک ﷺ سے زیادہ تیز چلتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا گویا کہ زمین کو آپ ؐ کے لئے لپیٹ دیا جاتا ہے، ہم (آپ کے ساتھ چلنے میں) اپنے آپ کو مشقت میں ڈالے دیتے ہیں اور آپ کوئی پرواہ نہیں فرماتے (یعنی حسبِ معمول بلا تکلف چلتے ہیں)۔

جناب رسول اللہ ﷺ کا لباس مبارک

(۲۸) عن أم سلمة رضي اللّٰه تعالیٰ عنها قَالَتْ: کَانَ اَحَبَّ الثِّیَابِ إِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الْقَمِیْصُ. (شمائل ترمذی: ۵)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا محبوب ترین لباس کرتا تھا۔

(۲۹) عن سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "اِلْبَسُوْا الْبَیَاضَ فَاِنَّهَا اَطْهَرُ وَاَطْیَبُ وَکَفِّنُوْا فِیْهَا مَوْتَاکُمْ". (شمائل ترمذی: ۵)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سفید کپڑے پہنا کرو؛ کیوں کہ وہ زیادہ پاکیزہ ہوتے ہیں اور سفید ہی کپڑوں میں اپنے مردوں کو کفن بھی دیا کرو۔

(۳۰) عَنْ أَبِيْ جُحَیْفَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: رَأَیْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَعَلَیْهِ حُلَّةٌ حَمْرَاءُ کَاَنِّیْ اَنْظُرُ إِلٰی بَرِیْقِ سَاقَیْهِ، قَالَ سُفْیَانُ اَرَاهَا حِبَرَةً. (أَيْ فِیْهِ خُطُوْطٌ حَمْرَاءُ) (شمائل ترمذی: ۵)

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو سرخ کپڑا زیب تن کیے ہوئے دیکھا، گویا میں آپ ؐ کی پنڈلیوں کی چمک کو دیکھ رہا ہوں۔ سفیان (راوی) کہتے ہیں کہ میرے خیال میں وہ حبری کپڑا تھا (جس میں سرخ دھاریاں ہوتی ہیں)

جناب رسول اللہ ﷺ کی لنگی کہاں تک رہتی تھی؟

(۳۱) عن الاشعث بن سلیم قال: سمعت عمتی تحدث عن عمّها رضی اللہ عنہ قال: بَیْنَمَا اَنَا اَمْشِیْ بِالْمَدِیْنَةِ إِذَا اِنْسَانٌ خَلْفِیْ یَقُوْلُ: اِرْفَعْ اِزَارَكَ فَإِنَّهٗ اَتْقٰی وَاَبْقٰی،

فَالْتَفَتُّ فَإِذَا هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنَّمَا هِيْ بُرْدَةٌ مَلْحَاءُ قَالَ: ''اَمَا لَكَ فِيَّ اُسْوَةٌ؟'' فَنَظَرْتُ فَإِذَا اِزَارُهٗ إِلٰى نِصْفِ سَاقَيْهِ. (شمائل ترمذی: ۸)

حضرت اشعث بن سلیم فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی پھوپھی سے سنا جو اپنے چچا رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کررہی تھیں۔ ان کے چچا فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں مدینہ میں جا رہا تھا، اچانک محسوس کیا کہ ایک آدمی میرے پیچھے یہ کہہ رہا ہے کہ اپنی لنگی اوپر کرو، اس میں احتیاط و تقوی بھی ہے اور کپڑے کی حفاظت بھی۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو جناب رسول اللہ ﷺ تھے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! یہ تو گھسی ہوئی پرانی چادر ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کیا تمہارے لئے میری زندگی میں اسوہ اور نمونہ نہیں ہے؟ میں نے حضور ﷺ کی لنگی کو دیکھا تو وہ نصف پنڈلی تک تھی۔

(۳۲) عن العلاء بن عبد الرحمن عن ابيه قَالَ: قُلْتُ لِأَبِيْ سَعِيْدٍ هَلْ سَمِعْتَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ شَيْئاً فِي الإِزَارِ؟ قَالَ: نَعَمْ! سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ''اِزَارَةُ الْمُؤْمِنِ إِلٰى اَنْصَافِ سَاقَيْهِ، لَا جُنَاحَ عَلَيْهِ مَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْكَعْبَيْنِ، وَمَا اَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ فِي النَّارِ، يَقُوْلُ ثَلَاثاً لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ إِلٰى مَنْ جَرَّ اِزَارَهٗ بَطَراً''. (ابن ماجہ: ۲۵۵)

حضرت علاء بن عبدالرحمٰن اپنے والد سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں میں نے حضرت ابوسعید سے کہا کہ کیا تم نے نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام سے لنگی کے متعلق کچھ سنا ہے؟ انہوں نے فرمایا: جی ہاں! میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ''مؤمن کی لنگی نصف ساق تک ہونی چاہئے؛ البتہ پنڈلی سے ٹخنے کے درمیان تک رکھنے میں کوئی گناہ نہیں ہے، جو حصہ ٹخنے سے نیچے ہوگا وہ جہنم میں جائے گا۔ پھر آپ نے تین مرتبہ فرمایا کہ: جو شخص ازراہِ تکبر اپنی لنگی کو ٹخنوں سے نیچے لٹکائے گا اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظرِ رحمت نہیں فرمائیں گے''۔

جناب رسول اللہ ﷺ کے عمامہ کا بیان

(۳۳) عن جعفر بن عمرو بن حريث عن أبيه رضی اللہ عنہ قَالَ: رَأَيْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عِمَامَةً سَوْدَاءَ. (شمائل ترمذی: ۸)

حضرت جعفر بن عمرو بن حریث اپنے والد صاحب سے نقل کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے سر مبارک پر سیاہ رنگ کا عمامہ دیکھا۔

(٣٤) عن ابن عمر رضي الله عنهما قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا اعْتَمَّ سَدَلَ عَمَامَتَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ. (شمائل ترمذی: ٨)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب عمامہ باندھتے تو اس کے شملہ کو اپنے مونڈھوں کے درمیان ڈال دیتے۔

نبی کریم ﷺ کی انگوٹھی کا بیان

(٣٥) عن انس بن مالك رضی اللہ عنہ قَالَ: "لَمَّا اَرَادَ النَّبِيُّ ﷺ اَنْ يَّكْتُبَ إِلَى الرُّوْمِ، قِيْلَ لَهُ: اِنَّهُمْ لَنْ يَّقْرَؤُا كِتَابَكَ إِذَا لَمْ يَكُنْ مَخْتُوْماً فَاتَّخَذَ خَاتَماً مِنْ فِضَّةٍ وَنَقْشُهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَكَاَنَّمَا اَنْظُرُ إِلٰى بَيَاضِهِ فِيْ يَدِهٖ". (بخاری شریف: ٥٨٧٥)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب جناب رسول اللہ ﷺ نے بادشاہ روم کے پاس خط لکھنے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ کے سامنے یہ بات رکھی گئی کہ اہل روم اس وقت تک آپ ﷺ کے خط کو نہیں پڑھیں گے جب تک کہ آپؐ کی مہر اس پر نہ لگی ہو، تو آپ ﷺ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی جس میں محمد رسول اللہ ﷺ منقش تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (اس کی خوبصورتی میری نظر میں ایسی سماگئی) گویا میں اب بھی آپ ﷺ کے ہاتھ میں اس کی سفیدی اور چمک دیکھ رہا ہوں۔

جناب رسول اللہ ﷺ کے جوتے کا بیان

(٣٦) عن قتادةؒ قال: حدثنا انس رضی اللہ عنہ: "اَنَّ نَعْلَ النَّبِيِّ ﷺ كَانَ لَهَا قُبَالَانِ (زِمَامَانِ) (بخاری شریف: ٥٨٥٧)

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے سامنے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے جوتے میں دو تسمے تھے۔

جناب رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھنا

(۳۷) **عن انس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَخَیَّلُ بِیْ، وَ رُؤْیَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَ اَرْبَعِیْنَ جُزْءاً مِنَ النُّبُوَّةِ.**

(بخاری شریف: ٦٩٩٤)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو حقیقتاً اس نے میری ہی زیارت کی؛ اس لئے کہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کرسکتا اور مؤمن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں جزو ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ کا بلند حسب والا ہونا

(۳۸) **عن واثلة بن الاسقع رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی مِنْ وُلْدِ اِبْرَاهِیْمَ اِسْمٰعِیْلَ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَاصْطَفٰی مِنْ وُلْدِ اِسْمٰعِیْلَ بَنِیْ كِنَانَةَ وَاصْطَفٰی مِنْ كِنَانَةَ قُرَیْشاً وَاصْطَفٰی مِنْ قُرَیْشٍ بَنِیْ هَاشِمٍ وَاصْطَفَانِیْ مِنْ بَنِیْ هَاشِمٍ.** (ترمذی شریف ابواب المناقب ۲/۲۰۱)

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو منتخب فرمایا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے بنو کنانہ کو اور بنو کنانہ میں سے قریش کو اور قریش سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم سے مجھے منتخب فرمایا۔

جناب رسول اللہ ﷺ کا آخری نبی ہونا

(۳۹) **عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ ان رسول اللّٰہ ﷺ قَالَ: اِنَّ مَثَلِیْ وَمَثَلَ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِیْ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی بَیْتاً فَاَحْسَنَهٗ وَاَجْمَلَهٗ اِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِیَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ یَطُوْفُوْنَ بِهٖ وَیَتَعَجَّبُوْنَ لَهٗ وَیَقُوْلُوْنَ هَلَّا وَضَعْتَ هٰذِهِ اللَّبِنَةَ قَالَ: فَاَنَا اللَّبِنَةُ وَاَنَا خَاتَمُ**

النَّبِيّٖنَ. (بخاری شریف / ۳۵۳۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پیغمبر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کہ آدمی نے گھر بنایا اور اس کو خوب آراستہ و پیراستہ کیا مگر ایک کونے میں اینٹ کی جگہ چھوڑ دی تو لوگ اس گھر کے ارد گرد گھومنے لگے اور تعجب کے ساتھ یہ کہنے لگے کہ یہاں اینٹ کیوں نہیں لگائی گئی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ وہ اینٹ میں ہی ہوں اور میں آخری نبی ہوں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اسمائے مبارکہ

(۴۰) عن الزہری عن محمد بن جبیر بن مطعم عن ابیہ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: ''اِنَّ لِیْ اَسْمَاءً اَنَا مُحَمَّدٌ، وَاَنَا اَحْمَدُ، وَاَنَا الْمَاحِیْ الَّذِیْ یَمْحُوْ اللّٰہُ بِیَ الْکُفْرَ، وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمَیَّ وَاَنَا الْعَاقِبُ'' وَالْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ. (ھذا قول الزھری) (شمائل ترمذی ص ۲۵)

حضرت امام زہری حضرت محمد بن جبیر بن مطعم سے اور وہ اپنے والد محترم سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے چند نام ہیں۔ میرا نام محمد بھی ہے اور احمد بھی اور میں ماحی بھی ہوں، یعنی میرے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹائے گا۔ میں حاشر بھی ہوں، میرے قدموں پر لوگوں کو جمع کیا جائے گا اور میں عاقب بھی ہوں اور عاقب اس کو کہتے ہیں جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔ (عاقب کی یہ تشریح امام زہری علیہ الرحمہ کا قول ہے)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِماً اَبَداً ☆ عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمٖ

(ندائے شاہی ''نعت النبی نمبر'')

□□□

دلائل نبوت ﷺ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے دلائل بے شمار ہیں، سب کا احاطہ اس مختصر مضمون میں دشوار ہے؛ لیکن کچھ مشہور باتیں ذیل میں درج کی جارہی ہیں:

(۱) قرآن مقدس، سراپا معجزہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا میں جتنے بھی انبیاء مبعوث فرمائے ان کو کچھ نہ کچھ ایسی نشانیاں عطا فرمائیں جنہیں دیکھ کر لوگوں کو ان کی سچائی اور حقانیت کا یقین آجائے۔ چناں چہ ان کے دست مبارک سے ایسے محیر العقول مناظر سامنے آئے کہ لوگ حیرت زدہ رہ گئے۔ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے لیے آگ کا گل وگلزار ہوجانا، سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہے کا موم ہوجانا، سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ہواؤں اور جنات وغیرہ کا مسخر ہوجانا، سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصائے مبارک کا اژدہا بن جانا، سیدنا حضرت صالح علیہ السلام کی دعا سے معجزاتی اونٹنی کا ظاہر ہونا اور سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ لاعلاج مریضوں کا شفایاب اور مردوں کا زندہ ہوجانا وغیرہ ایسے معجزات ہیں جن کی مثال پیش کرنے سے دنیا عاجز ہے۔

اسی دستور کے موافق ہمارے آقا ومولا حضرت خاتم النبیین سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے معجزات عطا فرمائے، جو آپ کی رسالت کی سچائی اور حقانیت پر کھلی ہوئی دلیل ہیں۔ تاہم پچھلے انبیاء علیہم السلام کو جو بھی نشانیاں عطا فرمائی گئیں وہ صرف ان کی حیات دنیوی تک محدود تھیں، جب وہ حضرات دنیا سے پردہ فرماگئے تو ان کے دستِ مبارک پر ظاہر ہونے والی نشانیاں بھی لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہوگئیں؛ لیکن ہمارے آقا، سیدنا ومولانا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ چوں کہ خاتم الانبیاء ہیں؛ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو دونوں طرح کی نشانیاں عطا فرمائیں، بہت

سی نشانیاں ایسی تھیں جن کا صرف آپ کے دور میں پائے جانے والے خوش نصیب حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے مشاہدہ فرمایا۔ جب کہ بعض نشانیاں ایسی ہیں جو تا قیامت اسی آب وتاب اور شان وشوکت کے ساتھ باقی اور برقرار رہیں گی، اور ہر زمانے کے لوگ کھلی آنکھوں سے ان کا مشاہدہ کرتے رہیں گے، انہی نشانیوں میں سے ایک عظیم نشانی اللہ تعالیٰ کی یہ پاک کتاب ''قرآن کریم'' ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مضمون کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: مَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا قَدْ أُعْطِيَ مِنَ الْآيَاتِ مَا مِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ، وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوْتِيْتُ وَحْياً أَوْحَى اللّٰهُ إِلَيَّ فَأَرْجُوْأَنْ أَكُوْنَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعاً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ. (مسلم شريف ١/٨٦)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر نبی کو کچھ ایسی نشانیاں دی گئی ہیں جن پر انسان ایمان لائے، اور مجھے جو نشانی عطا کی گئی ہے وہ وحی ہے، جو اللہ نے مجھ پر نازل فرمائی، تو مجھے اس بات کی امید ہے کہ قیامت کے دن میرے متبعین کی تعداد دیگر انبیاء کے متبعین سے زیادہ ہوگی۔

مطلب یہ ہے کہ آپ پر نازل ہونے والا قرآن مقدس چونکہ اللہ کی وحی ازلی ہے جو اپنے الفاظ ومعانی کے ساتھ ہمیشہ باقی رہنے والی ہے لہذا آپ کے پردہ فرمانے کے بعد بھی اس کی معجز نمائی برقرار رہے گی، جسے دیکھ کر آپ کی امت میں برابر اضافہ ہوتا رہے گا۔

یہ قرآن مقدس بذات خود معجزہ ہے، اس کی فصاحت وبلاغت، زبان وبیان، حقائق ومعارف، جامعیت اور حقانیت اظہر من الشمس ہے، یہ اللہ کی طرف سے تمام عالم کے لئے ایسا چیلنج ہے جس کی مثال پیش کرنے سے ساری کائنات عاجز اور درماندہ ہے اور اس کی مثال نہ کوئی لا سکا ہے اور نہ لا سکتا ہے۔

(۲) چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا

مشرکین مکہ نے آپ سے اپنی حقانیت کی کوئی نشانی دکھلانے کی درخواست کی تھی تو

آنحضرت ﷺ نے ان کو مطمئن کرنے کے لئے بحکم خداوندی چاند کے دوٹکڑے کرنے کی نشانی دکھلائی۔ ایک روایت میں ہے:

عن أنس بن مالك رضي الله عنه أَنَّ أَهْلَ مَكَّةَ سَأَلُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يُرِيَهُمْ اٰيَةً فَأَرَاهُمْ اِنْشِقَاقَ الْقَمَرِ مَرَّتَيْنِ. (مسلم شريف ۲/ ۳۷۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ مکہ والوں نے پیغمبر ﷺ سے کوئی نشانی دکھلانے کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے ان کو چاند کے دوٹکڑے کرنے کی نشانی دکھلائی۔

مسند احمد کی ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ اس نشانی کو دیکھ کر مشرکین کہنے لگے کہ محمد ﷺ نے ہم پر سحر کردیا ہے، مگر پھر خود انہی میں سے بعض نے جواب دیا کہ یہ بات صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ اگر سحر ہوتا تو کسی ایک پر ہوتا سب لوگوں پر کیسے سحر ہوسکتا ہے؟۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل/۱۲۸۱، شمائل الرسول/۱۴۶)

جس وقت چاند کے دوٹکڑے ہونے کا واقعہ مکہ معظّمہ میں پیش آیا تو اس معجزہ کا ہندوستان میں بھی مشاہدہ کیا گیا۔ چناں چہ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ: تیسری صدی ہجری کے شروع میں عرب مسلمانوں کی ایک جماعت ہندوستان کے ساحلی علاقہ ''مالابار'' پہنچی، وہیں قریب میں ایک شہر تھا جس کا نام ''گدن کلور'' تھا جس کا حاکم ''سامری'' نام کا ایک راجہ تھا، جو اپنی فہم وفراست اور اخلاقِ حسنہ میں مشہور تھا۔ جب یہ عرب لوگ اس کے دربار میں پہنچے تو اس نے ان کا استقبال کیا اور ان کے مذہب کے بارے میں تحقیق چاہی، تو ان حضرات نے اسلام کا تعارف ان کے سامنے رکھا، دوران گفتگو معجزہ شق القمر کا بھی ذکر آ گیا، اس محیر العقول واقعہ کو سن کر وہ راجہ حیرت زدہ ہوگیا اور اس نے اپنے آباء واجداد کے زمانہ کے لکھے ہوئے روز ناچوں کو کھنگالنے کا حکم دیا، چناں چہ ایک قدیم روز ناچے میں یہ بات مل گئی کہ ''آج چاند دوٹکڑے ہوا اور پھر اپنی ہیئت پر لوٹ آیا''۔ بس یہ دیکھ کر راجہ فوراً مسلمان ہوگیا، اور یہی وہ خوش نصیب حاکم ہے جس نے مالابار کے علاقہ میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ (تاریخ فرشتہ اردو جلد۲ بحوالہ تکملہ فتح الملہم ۶/۱۴۲)

علاوہ ازیں بہت سے مؤرخین نے ہندوستان کے بعض ایسے مندروں کا ذکر کیا ہے جن کی

تاریخ تعمیر میں یہ بات لکھی ہے کہ انہیں اس رات میں بنایا گیا جس رات میں چاند کے دوٹکڑے ہوئے۔ (تکملہ فتح الملہم ۶/۱۴۳)

(۳) پتھر کا آنحضرت ﷺ کو سلام کرنا

نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام پر وحی کے نزول کا سلسلہ شروع ہونے سے پہلے مکہ معظّمہ کے بعض پتھر آپ کی خدمت اقدس میں نذرانۂ سلام پیش کرتے تھے۔ چنانچہ روایت ہے :

عن جابر بن سمرة رضی اللہ عنہ قال: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰـهِ ﷺ: إِنِّيْ لَأَعْرِفُ حَجَراً بِمَكَّةَ كَانَ يُسَلِّمُ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ اُبْعَثَ، إِنِّيْ لَأَعْرِفُهُ الْاٰنَ.

(مسلم شریف ۲/۲٤٥)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: کہ میں مکہ کے اس پتھر کو جانتا ہوں جو میری بعثت سے پہلے مجھ کو سلام کیا کرتا تھا میں آج بھی اس سے واقف ہوں۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ حجر اسود تھا، اور بعض نے کہا کہ کوئی دوسرا پتھر تھا۔ (تکملہ فتح الملہم ۴/۴۸۲) بعثت سے پہلے کی اس طرح کی نشانیوں کو اصطلاح میں ’’ارہاص‘‘ کہا جاتا ہے۔

(۴) کنکریوں کا تسبیح پڑھنا

کئی مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا کہ بے جان اور بے زبان کنکریوں نے آپ کی مقدس ہتھیلی میں آکر من جانب خداوندی گویائی حاصل کی اور آپ کی سچائی کی شہادت برملا پیش کی، ایک روایت میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قَالَ : قَدِمَ مُلُوْكُ حَضْرَ مَوْتَ عَلىٰ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْهِمْ أَشْعَثُ بْنُ قَيْسٍ قَالُوْا: إِنَّا قَدْ خَبَأْنَا لَكَ خَبْأً فَمَا هُوَ؟ قَالَ: سُبْحَانَ اللّٰهِ إِنَّمَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ بِالْكَاهِنِ وَ إِنَّ الْكَاهِنَ

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرموت کے رؤساء پیغمبر ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جن میں اشعث بن قیس بھی تھے، انہوں نے عرض کیا کہ ہم ایک بات اپنے دل میں چھپاتے ہیں آپ اس کے بارے میں ہمیں خبر دیجئے۔ تو آپ ؐ نے فرمایا:

وَالْكَهَانَةَ فِي النَّارِ، فَقَالُوْا: كَيْفَ نَعْلَمُ أَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، فَأَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَفًّا مِنْ حَصًى فَقَالَ هٰذَا يَشْهَدُ أَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَسَبَّحَ الْحِصٰى فِيْ يَدِهٖ قَالُوْا نَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ.

(الخصائص الکبری للسیوطی ۲/۱۲۵)

سبحان اللہ! یہ تو کاہنوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اور کاہن اور کہانت کا پیشہ سب موجب جہنم ہیں، تو ان حضرات نے عرض کیا کہ ہم پھر یہ کیسے جانیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں؟ تو آنحضرت ﷺ نے اپنے دستِ مبارک میں کنکریاں اٹھا کر فرمایا کہ یہ کنکریاں میرے رسول اللہ ہونے کی گواہی دیں گی؛ چناں چہ ان کنکریوں نے آپؐ کے دستِ مبارک میں تسبیح پڑھی جسے سن کر وہ حضرات بھی کلمہ شہادت پڑھنے پر مجبور ہوگئے۔

اور بعض روایات میں ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں میں بھی کنکریوں نے تسبیح پڑھی۔

(۵) درختوں کا پیغمبر علیہ السلام کی صداقت کی گواہی دینا

متعدد احادیث اور روایات سیرت میں اس طرح کے واقعات ثابت ہیں کہ درختوں نے آپؐ کو سلام کیا اور آپ کی رسالت کی گواہی دی، اور آپؐ کے حکم کی تعمیل کی، اس سلسلہ کے تین واقعات ذیل میں پیش ہیں :

○ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ بنی عامر کا ایک دیہاتی شخص پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ مجھے یہ کیسے پتہ چلے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں اس درخت کی ڈالی کو اپنے پاس بلالوں تو کیا تم میرے رسول ہونے کی گواہی دے دوگے؟ تو اس دیہاتی نے کہا کہ ''ہاں''! چناں چہ آپ نے سامنے کے پیڑ کی ایک ڈالی کو بلایا، پس اچانک وہ ڈالی درخت سے باقاعدہ نیچے اتری اور زمین پر آکر چلنے لگی تا آں کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوگئی، آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ جا اپنی جگہ واپس چلی جا، چنانچہ

وہ اپنی جگہ واپس لوٹ گئی، یہ دیکھ کر اس دیہاتی شخص نے کلمہ شہادت پڑھ لیا۔ (الخصائص الکبریٰ ۲/۶۰، دلائل النبوۃ ۶/۱۵)

○ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی نے پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں ایمان تو لے آیا ہوں؛ لیکن آپ کوئی ایسی نشانی دکھلا دیجئے جس سے میرے یقین میں اور اضافہ ہو جائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''تم کیا چاہتے ہو''؟ تو اس دیہاتی نے کہا کہ آپ اس (سامنے نظر آنے والے) درخت کو بلا کر دکھلایئے! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس درخت کے پاس جا کر اسے میرے پاس بلا لاؤ، چناں چہ وہ دیہاتیؓ درخت کے پاس آیا اور درخت سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کر! یہ سنتے ہی وہ درخت دائیں اور بائیں جانب اتنا جھکا کہ اس کی جڑوں کے ریشے کٹ گئے اور پھر وہ اس دیہاتی کے ساتھ چل کر پیغمبر علیہ السلام کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو گیا، اور عرض کیا: **السلام علیك یا رسول اللّٰه**، یہ ماجرا دیکھ کر دیہاتی بول اٹھا: **حسبی، حسبی** (بس کافی ہے، بس کافی ہے) اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درخت سے فرمایا کہ جا اپنی جگہ پر واپس چلا جا، چناں چہ وہ لوٹ گیا اور اپنی جڑوں پر قائم ہو گیا، بعد میں اس دیہاتی شخصؓ نے عرض کیا کہ حضرت! مجھے اپنے دست وقدم بوسی کی اجازت عطا فرمایئے! آپ نے اجازت دے دی، پھر عرض کیا کہ حضرت! مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤں، تو آپؐ نے فرمایا کہ: ''کسی مخلوق کا دوسری مخلوق کے لئے سجدہ جائز نہیں ہے''۔ (الخصائص الکبریٰ ۲/۵۹)

○ مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی طویل روایت ہے جس میں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد واقعات ومعجزات ذکر فرمائے ہیں۔ انہی میں سے ایک واقعہ خود انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک سفر کے دوران پیغمبر علیہ السلام قضائے حاجت کے لئے میدان میں تشریف لے گئے تو وہاں چھپنے کی کوئی مناسب جگہ نہیں تھی؛ البتہ میدان کے کنارے پر دو درخت تھے، پیغمبر علیہ السلام اولاً ان میں سے ایک درخت کے پاس تشریف لائے اور اس کی ایک ٹہنی پکڑ کر فرمایا کہ ''اللہ کے حکم سے میرے تابع بن جا''، چناں چہ وہ پیڑ آپ کے ساتھ اس طرح چلنے لگا جیسے لگام والی اونٹنی آدمی کے ساتھ چلتی

ہے۔ پھر آپ ﷺ دوسرے درخت کے پاس پہنچے اور اس کو بھی باذنِ خداوندی اپنے ساتھ لے لیا اور درمیان میدان میں لاکر دونوں درختوں کو ملنے کا حکم دیا، چناں چہ وہ دونوں مل گئے۔ (آپ ﷺ نے ان کی آڑ میں ضرورت پوری فرمائی) اس کے بعد دونوں پیڑوں کو اشارے سے اپنی اپنی جگہ چلے جانے کو کہا، چناں چہ وہ دونوں پیڑ کھڑے ہوکر پھر اپنی اپنی جگہ چلے گئے۔ اللہ اکبر۔ (مسلم شریف ۲/ ۲۱۷، ۲۱۸)

(٦) غروب کے بعد سورج کا لوٹ آنا

متعدد روایتوں سے یہ واقعہ منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی دعا کی برکت سے سورج غروب ہونے کے بعد دوبارہ نکل آیا، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نماز عصر جو آپ ﷺ کی خدمت میں مشغولی کی وجہ سے رہ گئی تھی وہ آپ نے ادا فرمائی، یہ واقعہ خیبر کے قریب پیش آیا، چناں چہ روایت میں ہے:

عن أسماء بنت عميس رضي الله عنها قالت: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُوْحىٰ إِلَيْهِ وَرَأْسُهٗ فِيْ حِجْرِ عَلِيٍّ رضي الله عنه فَلَمْ يَكُنْ يُصَلِّي الْعَصْرَ حَتّٰى غَرُبَتِ الشَّمْسُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَللّٰهُمَّ إِنَّهٗ كَانَ فِيْ طَاعَتِكَ وَطَاعَةِ رَسُوْلِكَ فَارْدُدْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ. قَالَتْ أَسْمَاءُ: فَرَأَيْتُهَا غَرُبَتْ ثُمَّ رَأَيْتُهَا طَلَعَتْ بَعْدَ مَا غَرُبَتْ.

(الخصائص الكبرى ٢/ ١٣٧)

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام پر وحی کا نزول ہو رہا تھا اور آپ کا سرِ مبارک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا جس کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ عصر کی نماز نہیں پڑھ سکے تا آں کہ سورج غروب ہوگیا تو آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی کہ ’’یہ علی آپ کی اور آپ کے رسول کی اطاعت میں مشغول تھے؛ لہٰذا ان پر سورج لوٹا دیجئے‘‘۔ حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ میں نے سورج کو غروب ہوتے ہوئے دیکھا پھر غروب کے بعد طلوع ہوتے ہوئے بھی دیکھا۔

امام طحاویؒ نے ’’مشکل الآثار‘‘ میں بھی اس واقعہ سے متعلق متعدد تائیدی روایتیں نقل فرمائی ہیں، تاہم بہت سے محدثین نے اس پر نقد بھی کیا ہے۔ (تفصیل دیکھیں شمائل الرسول للحافظ ابن کثیر ۱۵۱، ۱۶۹)

(۷) کھجور کے ستون کا آپ کی جدائی پر بلک بلک کر رونا

مسجد نبوی میں باقاعدہ منبر بنائے جانے سے پہلے آپ ﷺ ایک کھجور کے تنے سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے، پھر جب آپ کے لئے منبر بن گیا اور آپ نے اس تنے پر ٹیک لگانے کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی تو اس سعادت سے محرومی پر وہ بے جان تنا بے چین اور بے قرار ہو گیا اور اس وقت تک بلک بلک کر روتا رہا جب تک پیغمبر علیہ السلام نے اس کے قریب تشریف لا کر خود تسلی نہ فرمادی۔ روایت میں ہے:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ إِلٰى جِذْعٍ فَاتُّخِذَ لَهٗ مِنبَرٌ فَلَمَّا فَارَقَ الْجِذْعَ وَعَمِدَ إِلَى الْمِنْبَرِ الَّذِيْ صُنِعَ لَهٗ جَزَعَ الْجِذْعُ فَحَنَّ كَمَا تَحُنُّ النَّاقَةُ فَرَجَعَ النَّبِيُّ ﷺ فَوَضَعَ يَدَهٗ عَلَيْهِ وَقَالَ اِخْتَرْ أَنْ أَغْرِسَكَ فِيْ الْمَكَانِ الَّذِيْ كُنْتَ فِيْهِ فَتَكُوْنَ كَمَا كُنْتَ وَإِنْ شِئْتَ أَنْ أَغْرِسَكَ فِيْ الْجَنَّةِ فَتَشْرَبَ مِنْ أَنْهَارِهَا وَعُيُوْنِهَا فَيَحْسُنُ نَبْتُكَ وَتُثْمِرُ فَيَأْكُلُ أَوْلِيَاءُ اللّٰهِ مِنْ ثَمْرَتِكَ فَسَمِعَ النَّبِيُّ ﷺ وَهُوَ يَقُوْلُ لَهٗ نَعَمْ! قَدْ فَعَلْتُ مَرَّتَيْنِ فَسُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ اِخْتَارَ أَنْ أَغْرِسَهٗ فِيْ الْجَنَّةِ.

پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام ایک کھجور کے تنے پر ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے پھر آپ کے لئے باقاعدہ منبر بنا دیا گیا۔ پس جب آپ کھجور کے تنے کو چھوڑ کر منبر کی طرف تشریف لے آئے تو وہ تنا بے قرار ہو گیا اور اس طرح رونے لگا جیسے اونٹنی روتی ہے۔ چناں چہ آنحضرت ﷺ اس تنے کے پاس تشریف لائے اور اس پر ہاتھ رکھ کر ارشاد فرمایا کہ دو میں سے ایک بات پسند کر لے تو چاہے تو میں تجھے اسی جگہ زمین میں بو دوں جہاں تو پہلے تھا اور تو پھر اسی طرح سرسبز و شاداب ہو جائے اور اگر تو چاہے تو تجھے جنت میں بو دوں جس کی نہروں اور چشموں سے تو سیراب ہو اور تیری شادابی میں نکھار آئے اور تجھ پر پھل لگیں جنہیں اللہ کے ولی نوش جان کریں، راوی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد پیغمبر علیہ السلام نے اس

(سنن دارمی، الخصائص الکبری ۲/۱۲۶)

تنے کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ”ہاں یہ مجھے بے شک بار بار منظور ہے“، نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس تنے نے اس بات کو پسند کرلیا کہ میں اس کو جنت میں لگا دوں۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کے ہاتھ پھیرتے ہی اس تنے نے رونا بند کردیا پھر آپ نے فرمایا کہ: ”اگر میں اس پر دست شفقت نہ پھیرتا تو یہ تا قیامت روتا رہتا“۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جب کھجور کے تنے نے رونا شروع کیا تو اس کی بے قراری کو سن کر سننے والے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم پر بھی گریہ وبکا کا عالم طاری ہوگیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کھجور کے تنے کا پیغمبر علیہ السلام کی جدائی پر رونا حضرت عیسی علیہ السلام کے مردوں کو زندہ کرنے سے بھی بڑا معجزہ ہے۔ (الخصائص الکبریٰ ۲/۱۲۸)

جس جگہ یہ تنا تھا اسی جگہ کو مسجد نبوی (علی صاحبہا الصلاۃ والسلام) کے حصۂ ریاض الجنۃ میں اسطوانۂ حنانہ کہا جاتا ہے۔

(۸) انگلیوں سے پانی نکلنا

متعدد مرتبہ آپ کی حیاتِ طیبہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ پانی کی قلت ہوگئی اور وضو وغیرہ کے لئے پانی کی شدید ضرورت تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معمولی سے پانی میں اپنی مبارک انگلیاں رکھ دیں جن سے پانی کا ایسا چشمہ جاری ہوا کہ سیکڑوں افراد اس سے مستفیض ہوگئے۔ بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ارشاد فرماتے ہیں:

لَقَدْ رَأَيْتَنِي مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَقَدْ حَضَرَتِ الْعَصْرُ وَلَيْسَ مَعَنَا مَاءٌ غَيْرُ فُضْلَةٍ فَجَعَلَ فِيْ إِنَاءٍ

میں پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ تھا نماز عصر کا وقت ہوگیا اور ہمارے پاس معمولی سے بچے ہوئے پانی کے سوا کچھ پانی نہ تھا؛ چناں چہ وہ پانی

فَأُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِهٖ فَأَدْخَلَ يَدَهٗ فِيْهِ وَفَرَّجَ أَصَابِعَهٗ ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلٰى اَهْلِ الْوَضُوْءِ، اَلْبَرَكَةُ مِنَ اللّٰهِ، فَلَقَدْ رَأَيْتُ الْمَاءَ يَتَفَجَّرُ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِهٖ فَتَوَضَّأَ النَّاسُ وَشَرِبُوْا وَكُنَّا اَلْفاً وَأَرْبَعَ مِائَةٍ.

(بخاری شریف ۲/۸٤۲، الخصائص الکبریٰ ۲/٦٧)

ایک برتن میں کر کے پیغمبر علیہ السلام کی خدمت اقدس میں لایا گیا آپ ﷺ نے اس میں اپنا ہاتھ ڈال کر انگلیاں کھول لیں اور فرمایا آجاؤ! وضو کے پانی اور اللہ کی طرف سے نازل شدہ برکت کی طرف۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ دیکھا کہ پانی آپ کی مبارک انگلیوں کے درمیان سے ابل رہا ہے، چناں چہ لوگوں نے وضو کیا اور پانی پیا اور ہماری تعداد ایک ہزار چار سو تھی۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ ایک دوسرے واقعہ میں معمولی سا پانی آپ کی برکت سے اسّی لوگوں کے لیے کافی ہوگیا۔ اور ایک دوسرے واقعہ میں ہے کہ تین سو لوگوں کے لئے کافی ہوگیا۔ (مسلم شریف ۲/ ۲۴۵-۲۴۶)

(۹) برکتیں ہی برکتیں

نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کی ذات سراپا برکت تھی۔ آپ کے ذریعہ سے حسی اور معنوی ایسی برکتوں کا ظہور ہوا جسے دیکھ کر دنیا دنگ رہ گئی۔ مثلاً:

○ جب پیدائش کے بعد آپ ﷺ کو دودھ پلانے کے لئے حضرت حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سپرد کیا گیا تو حضرت حلیمہؓ نے کھلی آنکھوں برکتیں محسوس کیں، ان کے پستان دودھ سے بھر گئے، ان کی لاغر اور مریل اونٹنی کے تھن دودھ سے پھول گئے، اور یہ اونٹنی جو آتے وقت سب سے پیچھے تھی پیغمبر علیہ السلام کے سوار ہونے کی برکت سے سب سے آگے دوڑنے لگی۔ اور حلیمہ کا قبیلہ بنوسعد جو اس وقت قحط زدہ تھا حضرت پیغمبر علیہ السلام کی برکت سے حلیمہ کا گھرانہ اور اس گھر کی بکریاں حیرت انگیز طور پر قحط سے محفوظ ہوگئیں۔ (سیرت ابن ہشام مع الروض الانف ۱/ ۲۸۸)

○ غزوۂ خندق کے موقع پر جب پیغمبر علیہ السلام نے بھوک کی شدت کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ رکھے تھے، تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر جا کر صورتِ حال بیان کی تو گھر میں کچھ روٹی کے ٹکڑے اور چند کھجوریں تھیں جو صرف پیغمبر علیہ السلام کے لئے کافی ہوسکتی تھیں؛ لیکن نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام تشریف لائے اور آپ کی برکت سے اس تھوڑے سے کھانے میں اتنی وسعت ہوئی کہ کم وبیش اسّی حضرات نے پیٹ بھر کر کے کھالیا۔ (الخصائص الکبریٰ ۲/۷۶)

○ ایک صحابیہ ام اوس بہزیہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے گھی تیار کیا اور اسے ایک مشکیزہ میں کر کے آپ کی خدمت میں ہدیہ میں پیش کیا، آپؐ نے اس کو قبول فرمالیا اور اس میں کچھ باقی چھوڑ کر اس پر دم کیا اور برکت کی دعا کی پھر فرمایا کہ یہ مشکیزہ انہیں کو لوٹا دو، چناں چہ جب لوگوں نے وہ مشکیزہ لوٹایا تو وہ گھی سے پوری طرح بھرا ہوا تھا، وہ صحابیہ سمجھیں کہ غالباً آپ نے قبول نہیں فرمایا ہے اور پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ حضرت میں نے تو آپ کے نوش فرمانے کے لئے خود یہ گھی نکالا تھا آپ اس گھی کو دیکھ کر یہ سمجھ گئے کہ آپ کی دعائے برکت قبول ہوگئی ہے اور فرمایا کہ اس مشکیزہ کو واپس لے جاؤ اور اس گھی کو برابر استعمال کرتی رہو، چناں چہ وہ صحابیہ مسلسل دور نبوت، دور صدیقی، دور فاروقی اور دور عثمانی میں اسی مشکیزہ سے گھی لے کر استعمال کرتی رہیں، اس میں گھی ختم نہیں ہوا۔ (الخصائص الکبریٰ ۲/ ۸۹،۹۰)

○ ایک مرتبہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی، کھانا تھوڑا تھا، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ دسیوں صحابہ رضی اللہ عنہم کو لے کر تشریف لائے اور برکت کی دعا دے کر فرمایا کہ دس دس آدمیوں کو حلقہ بنا کر کھلاؤ، چناں چہ سب نے پیٹ بھر کر کھالیا، اور کھانا اتنا بچ بھی گیا کہ قریب کے پڑوسی بھی اس برکت سے فیضیاب ہوئے۔ (بخاری شریف ۱/ ۵۰۵، دلائل نبوۃ)

(۱۰) عصا اور کوڑے کا رات میں روشن ہونا

ایسے واقعات بھی پیش آئے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم دیر رات تک آپ کی خدمت میں حاضر رہے، ان کا گھر دور تھا اور رات اندھیری تھی تو واپسی کے وقت پیغمبر علیہ السلام کی برکت سے ان کے ہاتھ میں جو عصا تھا وہ ٹارچ کی طرح روشن ہوگیا، تا آں کہ وہ اپنے گھر پہنچ گئے۔ ایک روایت میں ہے:

عـن أنس ﷜ قَـالَ: كَـانَ عَبَّادُ بْنُ بِشْـرٍ وَأُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ حَاجَةٍ حَتّٰى ذَهَبَ مِنَ الـلَّيْـلِ سَـاعَةٌ وَهِـيَ لَيْـلَةٌ شَدِيْدَةُ الـظُّلْمَةِ، ثُمَّ خَرَجَا وَبِيَدِ كُلِّ وَاحِدٍ مِـنْهُـمَـا عَصاً فَأَضَاءَ تْ لَهُمَا عَصَا أَحَـدِهِـمَـا فَمَشَيَا فِيْ ضَوْئِهَا، حَتّٰى إِذَا افْتَـرَقَـتْ بِهِمَا الطَّرِيْقُ أَضَاءَ تْ لِـلآخَـرِعَـصَـاهُ فَـمَشِيٰ كُلُّ وَاحِدٍ مِـنْهُـمَـا فِيْ ضَوْءِ عَصَاهُ حَتّٰى بَلَغَ أَهْلَهُ. (الخصائص الكبریٰ ۲/ ۱۳۵)

حضرت انس ﷜ فرماتے ہیں کہ عباد بن بشر اور اسید بن حضیر اپنی کسی ضرورت سے پیغمبر ؈ کی خدمت اقدس میں حاضر تھے یہاں تک کہ رات کا ایک حصہ گذر گیا اور وہ نہایت اندھیری رات تھی، پھر وہ دونوں باہر نکلے اور ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی، پس ان میں سے ایک کی چھڑی روشن ہوگئی جس کی روشنی میں وہ دونوں چلنے لگے یہاں تک کہ جب ان دونوں کے راستے الگ الگ ہوئے تو دوسرے کی بھی چھڑی روشن ہوگئی، اور وہ دونوں اپنی اپنی چھڑی کی روشنی میں چل کر اپنے گھر پہنچ گئے۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے:

عن أبي سعيد ن الخدري ﷜ قَالَ كَـانَـتْ لَيْـلَةٌ مَـطِيْـرَةٌ فَلَمَّا خَرَجَ رَسُـوْلُ اللّٰـهِ ﷺ لِـصَـلاةِ الْعِشَاءِ بَرِقَتْ بَرْقَةٌ فَرَأٰى قَتَادَةَ بْنَ نُعْمَانٍ فَـقَـالَ يَـا قَتَادَةُ إِذَا صَلَّيْتَ فَاثْبُتْ حَتّٰى اٰمُرَكَ فَـلَـمَّا انْصَرَفَ أَعْطَاهُ الْعُرْجُوْنَ فَقَالَ خُذْ هٰذَا يُضِئُ لَكَ أَمَـامَكَ عَشْـراً وَخَـلْفَكَ عَشْراً.

(الخصائص الکبری۲/۱۳۵)

حضرت ابوسعید خدری ﷜ فرماتے ہیں کہ ایک رات بارش ہورہی تھی جب پیغمبر ؈ نماز عشاء کے لئے باہر تشریف لائے تو ایک بجلی چمکی جس کی روشنی میں آپ نے حضرت قتادہ بن نعمان ؓ کو دیکھا تو آپ نے فرمایا: قتادہ! جب نماز پڑھ چکو تو رکے رہنا یہاں تک کہ میں تمہیں اجازت دوں، چناں چہ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے انہیں ایک ٹہنی دے کر فرمایا کہ ”لو! یہ ٹہنی تمہارے آگے اور پیچھے دس دس ہاتھ روشنی دے گی“۔

یہ تو اختصار کے ساتھ چند نشانیاں اشارۃً ذکر کی گئی ہیں ورنہ ان کے علاوہ بھی دلائل نبوت بے شمار ہیں: مثال کے طور پر ◻ فرشتے کے ذریعہ آپؐ کا سینۂ اقدس چاک کر کے قلب اطہر کو دھونا اور پھر بدن جوں کا توں صحیح ہو جانا۔ ◻ قبل نبوت سفر شام کے دوران بادل کا سایہ کرنا۔ ◻ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا اپنی اصلی شکل وصورت میں دیکھنا کہ ان کے چھ سو بازو ہیں جن سے پورا افق بھرا ہوا ہے۔ ◻ واقعۂ اسراء ومعراج جو بذات خود آپؐ پر اللہ تعالیٰ کا عظیم الشان انعام اور عند اللہ آپؐ کے کمال تقرب کی زبردست دلیل ہے۔ ◻ اونٹ کا آپؐ کے سامنے سجدہ کرنا۔ ◻ ایک لال پرندہ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے بچوں کے پکڑ لئے جانے کی شکایت کرنا۔ ◻ ایک ہرنی کا اپنے بچوں کو دودھ پلانے کے لئے آپؐ سے اجازت لینا اور آپؐ کا اجازت دیدینا، اور اس کا کلمہ پڑھنا۔ ◻ ایک دیہاتی کی ''گوہ'' کا آپؐ کی رسالت کی شہادت دینا۔ ◻ پکے ہوئے کھانے کا آپؐ کی رسالت کی گواہی دینا۔ ◻ آپؐ کی خوشبو کا راستہ میں پھیل جانا۔ ◻ آپؐ کی دعاؤں کا مستجاب ہونا۔ ◻ آپؐ کی پیشین گوئیوں کا سو فیصد برحق ہونا۔ ◻ آپؐ کا پیچھے سے بھی اسی طرح دیکھ سکنا جیسے عام لوگ آگے سے دیکھتے ہیں۔ ◻ آپؐ کی برکت سے مریضوں کا شفایاب ہو جانا وغیرہ ایسے دلائل ہیں جن کو جمع کرنے کے لئے حضرات علماء کرام نے بڑی بڑی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، جن میں امام بیہقیؒ کی ''دلائل النبوۃ'' (۷ جلد) اور علامہ سیوطیؒ کی ''الخصائص الکبریٰ'' (۲ جلد) خاص طور پر قابل ذکر ہیں، یہ مختصر مضمون ان سب کا احاطہ نہیں کرسکتا۔

یا رب صل وسلم دائماً ابداً ☆ علی حبیبك خیر الخلق کلھم

(ندائے شاہی ''نعت النبی نمبر'')

اَخلاقِ نبوت کی چند جھلکیاں

اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا، سرور کائنات، فخر موجودات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو تمام کائنات میں سب سے اعلیٰ اور کامل اخلاق فاضلہ سے سرفراز فرمایا تھا، آپ نے اپنے شاندار اخلاق اور کردار سے دنیا کو انسانیت کا درس دیا، ظلم وعداوت، بربریت، بے حیائی اور بدکرداری کی تاریک فضاؤں میں آپ ﷺ نے عدل وانصاف، رأفت و رحمت، عفت وعصمت، پاکیزگی اور پاک بازی، اور اخلاق ومروّت کی ایسی شاندار تعلیمات پیش کیں کہ دنیا حیرت زدہ رہ گئی، جہالت کی تاریکیاں چھٹ گئیں، ظلم وبربریت کی مہیب گھٹائیں ھباءً منثوراً ہوگئیں، اور سارا عالم آپ کے صاف ستھرے کردار کی روشنی سے منور ہوگیا، یہی آپ کی بعثت کا اہم ترین مقصد تھا، خود آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ بَعَثَنِیْ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْأَخْلَاقِ. (مؤطا إمام مالك، كتاب حسن الخلق، ٥٦٨) — بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لئے مبعوث فرمایا ہے تا کہ میں عمدہ اور شاندار اخلاق کو مکمل کردوں۔

اسی بنا پر قرآن کریم میں آپ ﷺ کا تعارف اس طرح کرایا گیا:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ. (القلم:٤) — اور بے شک آپ اخلاق کے اعلیٰ پیمانے پر ہیں۔

نیز آپ کی پوری حیاتِ طیبہ قرآن مقدس کی اخلاقی تعلیمات کی عملی تفسیر تھی، چناں چہ جب حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ ﷺ کے اخلاق فاضلہ کے بارے میں سوال کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنُ. (مسلم شریف، حدیث:٧٤٦) یعنی آپ کے اخلاق فاضلہ قرآن مقدس کی روشن تعلیمات ہی کا عکس جمیل تھے۔

❑ جامع الاخلاق:

۴۰ سال کی عمر مبارک میں جب آپ ﷺ پر غار حراء میں پہلی مرتبہ وحی نازل ہوئی، اور اس موقع پر پیش آمدہ صورت حال سے آپ ﷺ فطری طور پر متأثر ہو کر گھر تشریف لائے اور سارا واقعہ اپنی حرم محترم ام المؤمنین سیدتنا حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے بیان فرمایا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کمال فراست کا ثبوت دیا، اور آپ کو تسلی دینے کے لئے آپ کے شاندار اخلاق فاضلہ کو یاد دلاتے ہوئے فرمایا:

> ''ہرگز نہیں! آپ خوش خبری قبول فرمائیے، قسم بخدا! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوانہ فرمائیں گے، اللہ کی قسم! آپ صلہ رحمی فرماتے ہیں، سچ بولتے ہیں، مصیبت زدہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں، لاچاروں کو کما کر دیتے ہیں، مہمان نوازی فرماتے ہیں، اور ناگہانی حادثات میں متأثرین کی مدد فرماتے ہیں''۔ (مسلم شریف ۱/ ۸۸)

ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے یہ الفاظ بتارہے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی طبعیت ہی اخلاق حسنہ کے سانچہ میں ڈھالی گئی تھی، اور فطری طور پر آپ اخلاق فاضلہ کا پیکر تھے، **صلى الله عليه الف الف مرة وسلّم تسليماً.**

❑ انسانیت کے نجات دہندہ:

جب مشرکین مکہ کی ایذا رسانیوں سے تنگ آکر بعض حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے پیغمبر علیہ السلام کی اجازت سے مکہ معظّمہ سے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی تو مشرکین نے انہیں واپس لانے کے لئے اپنا ایک سفارتی وفد حبشہ کے بادشاہ ''اصحمہ نجاشیؓ'' کے پاس بھیجا، جس نے بادشاہ سے ملاقات کر کے مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم کی واپسی کا مطالبہ کیا، اس موقع پر نجاشی نے تحقیق حال کے لئے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنے دربار میں بلایا، اور ان سے سوال کیا کہ آخر تم لوگوں نے اپنا دین کیوں تبدیل کیا؟ اور اگر تبدیل ہی کرنا تھا تو تم یہودی یا نصرانی کیوں نہیں بنے؟ تم نے حضرت محمد ﷺ ہی کو اپنا رہنما کیوں

بنایا؟ تو جواب میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نہایت قوت سے پیغمبر علیہ السلام کی شاندار اخلاقی تعلیمات کا تعارف اس طرح کرایا:

”جناب بادشاہ! بات یہ ہے کہ ہم لوگ شرک پر جمے ہوئے تھے، ہم بتوں کی پوجا کرتے تھے، اور مردار کھایا کرتے تھے، اور پڑوسیوں کے ساتھ بُرا سلوک کرتے تھے، اور ہم لوگ حرام کاموں مثلاً قتل وغارت گری وغیرہ کو حلال سمجھتے تھے، ہمارے اندر سے حلال وحرام کا تصور مٹ چکا تھا، ان سنگین اخلاقی حالات میں اللہ تعالیٰ نے خود ہمارے ہی قبیلہ میں سے ایک نبی مبعوث فرمایا، جس کی وفاداری، سچائی اور امانت و دیانت سے ہم واقف ہیں، چنانچہ انھوں نے ہمیں اللہ رب العالمین کی طرف آنے کی دعوت دی، تا کہ ہم اللہ کی وحدانیت پر یقین کریں، اور صرف اسی کی عبادت کیا کریں، اور ہم ان پتھروں اور بتوں کی پوجا کرنا چھوڑ دیں جن کو ہمارے آباء واجداد پوجا کرتے تھے، اور اس نبی نے ہمیں سچ بولنے، امانت ادا کرنے، رشتہ داروں سے حسن سلوک کرنے، پڑوسیوں پر احسان کرنے اور حرام کاموں اور قتل وقتال سے بچنے کا حکم دیا، اور ہمیں بے حیائی کے کام کرنے، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال ہڑپنے اور پاک باز عورتوں پر بدی کی تہمت لگانے سے منع فرمایا، اور ہمیں اللہ کی عبادت کرنے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانے، اور نماز، زکوۃ اور روزے کا حکم فرمایا۔ (البدایۃ والنہایہ ۳/۸۰،۸۱)

سیدنا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ شاندار تعارفی کلمات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقی مقام کا بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

❑ سراپا شفقت:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سراپا شفیق اور مہربان تھے، عام طور پر لوگ اپنے خدام اور ملازمین کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرتے ہیں لیکن پیغمبر علیہ السلام کا اپنے خدام کے ساتھ کیا برتاؤ تھا؟ خادم رسول سیدنا حضرت انس صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سنئے، فرماتے ہیں :

''میں نے پیغمبر علیہ السلام کی دس سال تک خدمت کا شرف حاصل کیا، قسم بخدا! اس عرصہ میں کبھی آپ نے مجھے ''اُف'' تک نہیں کہا۔حتی کہ یہ بھی نہیں کہا کہ یہ کام تم نے کیوں کیا؟ اور یہ کام تم نے کیوں نہیں کیا؟'' (مسلم شریف۲/۲۵۳)

اسی طرح آدمی جب بڑا ہو جاتا ہے تو وہ عموماً دوسروں کے بچوں کے منہ لگنا پسند نہیں کرتا، مگر پیغمبر علیہ السلام سب بچوں سے شفقت کا معاملہ فرماتے تھے، خود ان کو سلام کرنے میں پہل فرماتے اور ان کے چہروں اور سروں پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے تھے، حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں نے ایک دن فجر کی نماز پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ ادا کی پھر آپ اپنے دولت خانہ کی طرف تشریف لے چلے تو راستہ میں بچوں نے آپ کا استقبال کیا تو آپ نے ایک ایک بچہ کے رخسار پر پیار کا ہاتھ پھیرا، اور خود میرے رخساروں پر بھی ہاتھ رکھا تو میں نے آپ کے دست مبارک کی ٹھنڈک اور خوشبو محسوس کی گویا کہ ابھی آپ نے دست مبارک کسی عطر فروش کی ڈبیا سے نکالا ہے''۔ (مسلم شریف۲/۲۵۶)

ظاہر ہے کہ آپ کے اس برتاؤ کی وجہ سے ان بچوں کے دلوں میں پیغمبر علیہ السلام کی محبت کس قدر جاگزیں ہوتی ہوگی اس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ **صلی اللہ علیہ الف الف مرۃ وسلّم تسلیماً.**

❑ منبع جود وسخا:

ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ درجہ کے سخی تھے، اور رمضان المبارک میں تو اس سخاوت کا ٹھکانا نہیں رہتا تھا، گویا کہ سخاوت کی پر لطف ہوائیں چل رہی ہوں، کبھی آپ نے کسی سائل کو ''نہیں'' کہہ کر محروم نہیں فرمایا (مسلم شریف۲/۲۵۳) بعض مرتبہ اگر اپنے پاس دینے کو نہ ہوا تو قرض لے کر سائل کی ضرورت پوری فرمائی۔ (مکارم الاخلاق۲۵۴) متعدد مرتبہ ایسے واقعات پیش آئے کہ بعض دیہاتیوں نے آپ کی چادر پکڑ کر کھینچ لی اور آپ سے امداد کا مطالبہ کیا، آپ نے اس نامناسب طرز

عمل کے باوجود انہیں اپنی عطا سے محروم نہیں کیا؛ بلکہ ان کے مطالبہ کو پورا فرمایا۔ (مکارم الاخلاق ۲۴۸)

اور ایک مرتبہ ایک نومسلم شخص کو اس قدر بکریاں عطا فرمائیں کہ سارا میدان بکریوں سے بھر گیا، اس نومسلم نے اپنی قوم میں جاکر کہا کہ اسلام لے آؤ؛ اس لئے کہ پیغمبر علیہ السلام کی بخشش اس قدر ہے کہ بس پھر زندگی بھر فقر وفاقہ کا کوئی اندیشہ نہیں۔ (مسلم شریف ۲/۲۵۳، الترغیب والترہیب للیافعی ۸۷)

❏ پیکرِ شرم وحیا:

سرور کائنات فخر دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت اعلیٰ درجہ کے باحیا شخص تھے؛ بلکہ یوں کہئے کہ آپ کو صفت حیا کا مبلغ بناکر ہی اللہ کی طرف سے بھیجا گیا تھا، آپ نے شرم وحیا کو اسلام کی امتیازی خوبی قرار دیا ہے۔ (شعب الایمان ۶/۱۳۶) اور اس صفت کو ایمان واسلام کا لازم بتایا ہے۔ (شعب الایمان ۶/۱۴۰) چنانچہ خود آپ کی زندگی شرم وحیا کا مقدس عنوان تھی، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ :

> ”پیغمبر علیہ السلام کنواری نئی نویلی دلہن سے بھی زیادہ شرم وحیا سے متصف تھے، اور جب آپ کو کسی بات پر ناگواری ہوتی تو ہمیں آپ کا چہرہ دیکھ کر ہی اس کا اندازہ ہو جایا کرتا تھا۔ (مسلم شریف ۲/۲۵۵) صلی اللّٰہ علیہ الف الف مرۃ وسلّم تسلیماً.

❏ رحمتِ عالم :

چشم فلک سے کبھی وہ اندوہناک منظر اوجھل نہیں ہوسکتا، جب طائف کی سرزمین پر محبوب رب العالمین کے جسم اطہر (فداہ ابی وامی) کو لہولہان کیا جارہا تھا، اوباش لڑکوں اور غنڈوں کا ٹولہ مجسم رحمت عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درپئے آزار تھا، پوشاک مبارک اور نعلین شریفین خون سے تربتر تھے، ایسے میں دل کے اندر جتنے بھی انتقامی جذبات آتے کم ہی کم تھے؛ لیکن قربان جایئے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم پر، کہ ان گستاخوں، ظالموں، اور بدکرداروں کے بارے میں جوابی کارروائی تو درکنار کوئی بددعائیہ جملہ بھی زبان پر نہ لائے، حتی کہ جب پہاڑوں پر مامور فرشتہ نے دست بستہ آکر عرض کیا کہ حضرت! اگر حکم ہو تو ابھی ان گستاخ اہل طائف کو انہی دونوں پہاڑوں کو ملاکر کچل

دیا جائے اوران کا نام ونشان مٹا دیا جائے ،تو پیغمبر علیہ السلام نے جو جواب دیا وہ دنیائے انسانیت کی تاریخ میں لعل وگوہر بن کر ثبت ہو گیا آپ گویا ہوئے:

''(میں ان کی تباہی نہیں چاہتا) بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی نسلوں میں ایسے افراد پیدا فرمائے گا جو ایک اللہ کی عبادت کریں گے اوراس کے ساتھ کسی کوشریک نہ قرار دیں گے''۔(بخاری شریف،مسلم شریف الروض الانف ۲/۲۳۵)

اللہ اکبر! کیا شان رحمت ہے جس کا کوئی ذرہ بھی دوسری جگہ ملنا محال ہے،اور پھر یہی شان رحمت ہر جگہ آپ کی زندگی میں نمایاں رہی، حتی کہ مدینہ منورہ (علی صاحبہا الصلاۃ والسلام) کی ہجرت کے بعد منافقین نے کس قدر ایذا پہنچائی مگر آپ اپنی شاندار رحمت سے سب برداشت فرماتے رہے۔

دشمنوں کے ساتھ عفو ودرگذر:

''فتح مکہ'' دنیا کی تاریخ کا وہ یادگار دن ہے جب رحمت عالم،فخر دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دشمنوں کے عفو ودرگذر کا وہ عظیم الشان نمونہ پیش کیا گیا کہ رہتی دنیا تک کوئی اس کی نظیر پیش نہیں کرسکتا، ذرا غور کریں! یہ مکہ کونسی جگہ تھی؟ اوراس جگہ کے باشندوں کی کیا تاریخ رہی تھی؟ یہی وہ لوگ تھے اوریہی وہ جگہ تھی جہاں پیغمبر علیہ السلام اوران کے ساتھیوں پر مسلسل ۱۳/سال تک ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے تھے، یہیں پیغمبر علیہ السلام کے اوپر نماز کی حالت میں اونٹ کا بدبودار اوجھ رکھا گیا، یہیں آپ کے راستہ میں کانٹے بچھائے گئے، یہیں آپ کے قتل کے منصوبے بنائے گئے، اسی سرزمین پر ابوبکر رضی اللہ عنہ کولہولہان کیا گیا، بلال حبشیؓ،عمار بن یاسرؓ،صہیب رومیؓ،ابوذر غفاریؓ،خبیبؓ اور حضرت سمیہؓ جیسے مخلص مسلمانوں کونہایت درندگی کے ساتھ تختۂ مشق بنایا گیا،اور مکہ کے یہی لوگ تھے جنہوں نے مدینہ منورہ پر بار بار چڑھائی کی تھی، اورانھوں نے ہی اپنے ہاتھوں صلح حدیبیہ کی شرائط کو پامال کیا تھا،آج جب جاں نثارانِ نبوت کے ہاتھوں مکہ کے فتح کرنے کا وقت آرہا تھا،توان ظالموں کے لئے معافی کے دروازے دنیا کے دستور کے مطابق بند ہوجانے چاہئیں تھے،اورانہیں چن

چن کرٹھکانے لگادیا جانا چاہئے تھا،مگر دنیا کا دستوراور دنیادار بادشاہوں کا طریقہ کچھ بھی رہا ہو،سرور کونین اور شاہ دو جہاں رحمۃٌ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اس موقع پر جس دستور کو پیش کر کے دنیا کو حیرت زدہ کردیا وہ یہ تھا کہ جب آپ کو فتح مکہ کے موقع پر بعض پرجوش صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے یہ کلمات پہنچے کہ وہ کہہ رہے ہیں کہ: اَلْیَوْمُ یَوْمُ الْمَلْحَمَةِ (آج تو گوشت کاٹنے کا دن ہے) یعنی ان کا جذبۂ انتقام جوش مار رہا ہے اور وہ آج مشرکین مکہ کو ان کی اوقات بتادیں گے تو پیغمبر علیہ السلام نے اس جملہ پر ناگواری ظاہر فرمائی اور اعلان کیا کہ:

''آج (گوشت کاٹنے کا دن نہیں؛ بلکہ) وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ کعبہ کو مزید عظمت عطاء فرمائیں گے،اور آج کے دن کعبہ کو عزت کا لباس پہنایا جائے گا۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/۳۰۳)

پھر آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہدایت کی کہ وہ حملہ کرنے میں ابتدا نہ کریں بلکہ صرف دفاعی پوزیشن اختیار کریں،اور پھر رحمت کو اس قدر جوش آیا کہ اعلان کردیا کہ:

''جو شخص سردار مکہ ابوسفیان کے گھر میں آجائے وہ امن میں ہے، جو حرم مکہ میں پناہ لے لے وہ امن میں ہے۔اور جو ہتھیار پھینک کر اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے وہ بھی امن میں ہے''۔ (البدایہ والنہایہ ۴/۶۸۶) ساری دنیا کو پہلے بھی چیلنج تھا،اب بھی چیلنج ہے اور قیامت تک چیلنج ہے،کسی میں ہمت ہو تو اس عظیم الشان ''عفو و درگذر'' کی کوئی جھلک بھی کہیں دکھلا دے،یقین اور سو فیصد یقین ہے کہ اس نمونہ کا ہلکا سا عکس بھی پیش کرنے سے دنیا عاجز ہے۔

❑ بہترین شوہر:

عام طور پر جو لوگ گھر کے باہر بڑی عزت وعظمت کے حامل ہوتے ہیں ان کا اپنے گھر والوں کے ساتھ معاملہ اچھا نہیں ہوتا، بے جا سختی ،خشک مزاجی، اور بات بات پر جھنجھلاہٹ کے مظاہرہ سے گھر والے عاجز رہتے ہیں،اور ہر وقت یہ خطرہ لگا رہتا ہے کہ کب کیا بات ناگواری کی پیش آجائے اور گھر کا ماحول کشیدہ ہوجائے،مگر ہمارے آقا و مولیٰ سرور عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی

خارجی زندگی جس طرح شاندار تھی اس سے کہیں زیادہ آپ کی گھریلو اور معاشرتی زندگی شاندار تھی، خود پیغمبر علیہ السلام کا ارشاد عالی ہے:

"تم میں سب سے اچھا شخص وہ ہے جو اپنے گھر والوں کی نظر میں اچھا ہو، اور میں اپنے گھر والوں کی نظر میں سب سے اچھا ہوں"۔ (مجمع الزوائد ۴/۳۰۳)

آپ ﷺ باوجود انتہائی مشغولی کے اپنے گھر والوں کے حقوق مکمل طور پر ادا فرماتے، حتی الامکان گھر والوں کی دل داری کا خیال فرماتے، ناگواری کی بات پر بھی نرمی سے پیش آتے، کبھی اپنے ساتھ دوسری جگہ دعوت میں بھی لے جاتے، وغیرہ وغیرہ۔ یہی وہ اسوۂ حسنہ ہے جس کو اپنانے کی امت کو تلقین کی گئی ہے۔

❑ سب سے بڑے بہادر:

اسی کے ساتھ ساتھ آپ اعلیٰ درجہ کے بہادر اور نڈر تھے، جب بھی نازک اور خطرہ کے حالات پیش آئے آپ کی استقامت اور اطمینان کی کیفیت قابل دید تھی، کون بھلا سکتا ہے غزوۂ حنین کا منظر جب مخالفین کی طرف سے تیروں کی زبردست بوچھار کی تاب نہ لاکر اسلامی لشکر میں بھگدڑ مچ گئی تھی، اور ایک عجیب سراسیمگی کا عالم تھا، مگر اس وقت بھی جناب رسول اللہ ﷺ پوری شجاعت وبسالت کے ساتھ محاذ پر قائم تھے، اور اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ، اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ (میں بلاشک نبی ہوں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں) کا رجز پڑھتے ہوئے دشمن کی طرف بڑھ رہے تھے، اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو آواز دے کر یکبارگی حملہ کی تاکید فرما رہے تھے۔ (مسلم شریف ۲/۱۰۰) تا آں کہ اللہ تعالیٰ نے عظیم الشان فتح ونصرت سے سرفراز فرمایا۔

اور آپ ﷺ کی یہی کیفیت تمام غزوات میں رہی ہے، جب بھی حالات دگرگوں ہوتے تو صحابہؓ کے لئے بچاؤ کا سہارا آپ ہی کی ذات ہوا کرتی تھی۔ (شمائل الرسول/ ۱۱۵)

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مدینہ میں کسی آواز کی وجہ سے لوگوں

میں گھبراہٹ پھیل گئی اور لوگ اس آواز کی طرف دوڑ پڑے، تو کیا دیکھتے ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار اس طرف سے واپس آ رہے ہیں اور آپؐ کے گلے میں تلوار لٹکی ہوئی ہے، اور فرما رہے ہیں کہ گھبراؤ نہیں! گھبراؤ نہیں! (یعنی دیکھ آیا کوئی خاص بات نہیں ہے) (مسلم شریف ۲/۲۵۲)

الغرض آپ ﷺ کی کس کس صفت کو بیان کیا جائے، بلاشبہ آپ مجمع الاخلاق اور خاتم الاخلاق تھے، ایسے عظیم اخلاق والا انسان نہ آپ سے پہلے کبھی پیدا ہوا نہ آپ کے بعد کبھی پیدا ہوگا، تمام اخلاق کا منتہا آپ ہی کی ذات اقدس ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم گنہ گار اور سیاہ کار امتیوں کو بھی آپ کے مبارک اخلاق کا کچھ حصہ اپنی رحمت سے عطا فرما دیں اور اپنی رضاء کامل سے نواز دیں۔ آمین۔

صلی اللّٰہ علیہ الف الف مرۃ وسلّم تسلیماً. صلی اللّٰہ علیہ الف الف مرۃ وسلّم تسلیماً.

(ندائے شاہی ''نعت النبی نمبر'')

محبتِ رسول اللہ ﷺ اور اُس کا معیار

محبوب رب العالمین، سرور عالم، سیدنا و مولانا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت رکھنا اور آپ کی تعظیم وتوقیر دل میں بٹھانا ایمان کا جزو اعظم ہے، اس کے بغیر ایمان کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اشاد فرمایا:

فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○

(الاعراف آیت : ۱۵۷)

سو جولوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں، اور ان کی مدد کرتے ہیں، اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے، ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

اسی طرح جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے :

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰی اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَلَدِهٖ وَ وَالِدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْن. (مسلم شریف ۱/۴۹)

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میری ذات اس کی نظر میں اس کی اولاد، اس کے والدین اور تمام جہاں کے لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن جائے۔

تو معلوم یہ ہوا کہ محبت رسول روح ایمان ہے، جس شخص کا دل اس محبت سے خالی ہو وہ روح ایمانی سے محروم ہے؛ لہٰذا یہ ناممکن ہے کہ آدمی مومن بھی ہو اور اس کا دل عظمتِ محمدی سے معمور نہ ہو۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے جذباتِ محبت کی ایک جھلک

نبی اکرم سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ

کے ساتھ جس محبت کا اظہار فرمایا وہ محبت کی تاریخ میں خود اپنی مثال آپ ہے۔ حضرات صحابہؓ کے رگ و پے میں محبت رسول ﷺ سرایت کئے ہوئی تھی۔ ان کے دل و دماغ حبِ نبوی کے جذبات سے معمور تھے، گویا کہ ان کی پوری زندگی محبت رسول کا عنوان بن گئی تھی، ان میں کا ہر شخص جان و دل سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر فدا تھا۔

''عروہ بن مسعود ثقفیؓ'' جو صلح حدیبیہ کے موقع پر مشرکین اور مسلمانوں کے درمیان ثالثی کا فریضہ انجام دے رہے تھے انہوں نے اس وقت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس کا جو نظارہ دیکھا اس کو مشرکین کے سامنے جا کر اس طرح بیان کیا:

أَیْ قَوْمِ وَاللّٰہِ لَقَدْ وَفَدْتُ عَلٰی الْمُلُوْكِ وَ وَفَدْتُ عَلٰی قَیْصَرَ وَ کِسْرٰی وَ النَّجَاشِیِّ وَاللّٰہِ إِنْ رَأَیْتُ مَلِكًا قَطُّ یُعَظِّمُہٗ أَصْحَابُہٗ کَمَا یُعَظِّمُ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مُحَمَّدًا، وَاللّٰہِ إِنْ تَنَخَّمَ نُخَامَةً إِلَّا وَقَعَتْ فِیْ کَفِّ رَجُلٍ مِنْھُمْ فَدَلَكَ بِھَا وَجْھَہٗ وَجِلْدَہٗ، وَإِذَا أَمَرَھُمْ اِبْتَدَرُوْا اِلَیْہِ وَإِذَا تَوَضَّأَ کَادُوْا یَقْتَتِلُوْنَ عَلٰی وَضُوْئِہٖ، وَإِذَا تَکَلَّمَ خَفَضُوْا أَصْوَاتَھُمْ عِنْدَہٗ وَمَا یُحِدُّوْنَ إِلَیْہِ النَّظْرَ تَعْظِیْمًا لَہٗ.

(بخاری شریف ۳۷۹/۱)

اے لوگو! اللہ کی قسم میں بادشاہوں کے دربار میں گیا ہوں، میں قیصر و کسری اور نجاشی کے دربار میں بھی حاضر ہوا ہوں، مگر بخدا میں نے کبھی کہیں کسی بھی بادشاہ کو ایسا نہیں دیکھا کہ اسکے درباری اس کی اتنی قدر اور عزت کرتے ہوں جتنی محمد ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم محمد ﷺ کی عظمت کرتے ہیں۔ قسم بخدا آپ ﷺ کے دہن مبارک سے نکلا ہوا بلغم اور تھوک ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی آدمی کے ہاتھ پر ہی گرتا ہے جسے وہ اپنے چہرہ اور بدن پر مل لیتا ہے، اور جب آپ ﷺ ان کو کوئی حکم کرتے ہیں تو وہ اس کو بجالانے میں جلدی کرتے ہیں۔ اور جب آپ ﷺ وضو فرماتے ہیں تو آپ ﷺ کے وضو کے مستعمل پانی کو لینے کے لئے ان میں جھگڑا سا ہونے لگتا ہے۔ اور جب

آپ ﷺ گفتگو فرماتے ہیں تو وہ آپ ﷺ کے دربار میں اپنی آوازیں پست کر لیتے ہیں، اور حد تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کی انتہائی عظمت کی بنا پر وہ آپ ﷺ کی طرف نظر بھر کر دیکھتے بھی نہیں ہیں۔

عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو مشاہدہ بیان کیا یہ کوئی ایک دو دن کی بات نہیں؛ بلکہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ معاملہ ہر روز اور ہر جگہ تھا۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے محبت رسول ﷺ اور جاں نثاری اور فدویت کے ایسے نمونے پیش فرمائے ہیں کہ ان کے مقابلہ میں شیریں، فرہاد اور لیلیٰ، مجنوں کے قصے قطعاً بے حیثیت معلوم ہوتے ہیں۔

معلّمِ انسانیت ﷺ کا اندازِ تربیت

تاہم حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی اس پرجوش محبت اور بے مثال جاں سپاری پر نبی اکرم ﷺ نے ہمیشہ گہری نظر رکھی کہ کہیں امت محبت کے جوش میں راہ حق اور جادۂ اعتدال سے ہٹ نہ جائے، اور غلو کا شکار ہو کر تباہی مول نہ لے لے؛ اس لئے آپ ﷺ نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو تلقین فرمائی کہ وہ پیغمبر علیہ السلام کی تعریف میں اس قدر مبالغہ نہ کریں، جیسے یہود و نصاریٰ نے اپنے پیغمبروں کے بارے میں کیا۔ ارشاد نبوی ہے:

لَا تُطْرُوْنِی كَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدُهٗ، وَلٰكِنْ قُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ.

(بخاری شریف ۱/۴۹۰)

میری تعریف میں اس طرح مبالغہ مت کرو جیسے کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے بارے میں مبالغہ سے کام لیا اس لئے کہ میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں؛ لہٰذا تم لوگ یوں کہا کرو کہ اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔

اسی طرح ایک موقع پر آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تلقین فرمائی کہ وہ آپ کی فضیلت دوسرے انبیاء علیہم السلام پر اس انداز میں نہ بیان کریں جس سے دوسروں کی تحقیر لازم آئے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

لَاتُفَضِّلُوْا بَیْنَ اَنْبِیَاءِ اللّٰہ. (مسلم شریف ۲/۲٦۷)

اللہ کے انبیاء علیہم السلام کے درمیان آپس میں فضیلت آرائی نہ کرو۔

علاوہ ازیں حضرت خاتم النبیین سیدنا ومولانا حضرت محمد ﷺ نے اپنی وفات سے پہلے بار بار امت کو جو وصیت فرمائی اور نہایت تاکید کے ساتھ توجہ دلائی وہ یہ تھی کہ لوگ آپ ﷺ کی قبر اطہر کو سجدہ گاہ نہ بنائیں۔آپ ﷺ نے اہل کتاب کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

لَعَنَ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَاءِ ھِمْ مَسَاجِدَ. (بخاری شریف ۱/۱۷۷)

اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہو یہود ونصاریٰ پر کہ انہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

یہ سب ہدایات اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ محبت رسول ﷺ کے بھی کچھ حدود اور آداب ہیں، محض زبانی جمع خرچ یا نفسانی تقاضوں کے مطابق اظہار محبت کوئی معنی نہیں رکھتا۔محبت کے لئے اطاعت لازم ہے، جو محبت اطاعت سے خالی ہو وہ محبت نہیں؛ بلکہ محبت کا ڈھونگ ہے۔ایک عربی شاعر کا مشہور شعر ہے :

تَعْصِی الْاِلٰہَ وَ أنت تُظْھِرُ حُبَّہٗ ❖ ھَذَا لَعُمْرِیْ فِی الْقِیَاسِ بَدِیْعُ

لَوْ کَانَ حُبُّکَ صَادِقًا لَا طَعْتَہٗ ❖ اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُّحِبُّ یُطِیْعُ

(ترجمہ) تو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اور پھر اس سے محبت بھی ظاہر کرتا ہے۔میری جان کی قسم یہ بات عقل کے خلاف ہے۔اگر تیری محبت سچی ہوتی، تو تُو اس کی اطاعت کرتا۔اس لئے کہ عاشق حقیقی اپنے محبوب کا فرماں بردار ہوتا ہے)

نبی اکرم علیہ الصلوۃ والسلام ہر موقع پر اس کا خیال رکھتے تھے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں کوئی غلط جذبہ پروان نہ چڑھ سکے، چناں چہ ایک موقع پر جب کہ صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے وضو کے پانی سے برکت حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے کے اوپر گرے پڑ رہے تھے، تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ تمہارے اس عمل کی وجہ کیا ہے؟ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب دیا کہ ہمارے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی

محبت ہے اس لئے ہم آپؐ کے وضو کے مقدس پانی سے برکت حاصل کرکے اپنی وارفتگی کا اظہار کررہے ہیں، نبی اکرم علیہ الصلوۃ والسلام نے اس وقت صحابہ رضی اللہ عنہم کا رخ زبانی جمع خرچ اور ظاہری نمود سے ہٹا کر حقیقی کردار سازی کی طرف یہ کہہ کر موڑ دیا:

مَنْ سَرَّهُ اَنْ يُّحِبَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ، اَوْ يُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ، فَلْيَصْدُقْ فِي حَدِيْثِهٖ إِذَا حَدَّثَ، وَلْيُؤَدِّ اَمَانَتَهُ اِذَاؤْتُمِنَ، وَلْيُحْسِنْ جِوَارَ مَنْ جَاوَرَهُ. (مشکوۃ شریف ۲/۴۲۴، شعب الایمان ۲/۲۰۱ حدیث: ۱۵۳۳)

جسے یہ پسند خاطر ہو کہ وہ اللہ اور اسکے رسولؐ سے محبت کرے یا وہ خدا اور اسکے رسولؐ کا محبوب بن جائے تو وہ (۱) جب بولے سچ بولے (۲) اور جب اسے امین بنایا جائے تو امانت کو ادا کرے (۳) اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرے۔

قربان جایئے اس شاندار تعلیم اور بے مثال تربیت پر کہ آپ ﷺ نے کس بہترین انداز سے جذبات کو صحیح رخ عطا فرمادیا اور رہتی دنیا تک کے لئے تربیت اور نصیحت کا عظیم الشان نمونہ پیش فرمایا۔

آج ضرورت ہے

پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کی مذکورہ ہدایات کی روشنی میں آج ہمیں اپنے جذبات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ ہمیں غور کرنا ہوگا کہ ہماری محبت، اطاعت کے سانچہ میں ڈھلی ہوئی ہے یا نہیں؟ اس لئے کہ اس کے بغیر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نظر میں دعوئ محبت قابل قبول نہیں۔ وجہ یہ رہے کہ اسلام کوئی سطحی مذہب نہیں؛ بلکہ اس کی بنیاد پختہ اصولوں اور مستحکم بنیادوں پر ہے۔ محض وقتی شور شرابہ اور کھیل تماشوں اور نفسانیت پر اسلام کی بنیاد ہرگز نہیں رکھی گئی ہے۔ بے شک ہمارے دل میں پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کی محبت کے جذبات سب سے زیادہ ہیں مگر ان کی روح اطاعتِ رسول میں مضمر ہے۔ اگر کوئی صاحب ایمان محبت رسول کا مدعی ہو مگر اس کا چہرہ، لباس، کردار، اخلاق، معاملات، اور معاشرت سنت کے خلاف ہو اور پیغمبر علیہ السلام کے دشمنوں کے موافق

ہو، تو ظاہر ہے کہ ایسے مدعی کے دعوے کو از روئے انصاف قبول نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح محبت کا دعوی ہو اور نماز، روزہ اور دیگر عبادات سے زندگی خالی ہو تو ایسا دعویٰ محبت کسی کام کا نہیں۔ محبت میں رنگ بھرنے کے لئے اطاعت اور اتباع کی روشنی ضروری ہے۔

موجودہ دور کا المیہ

لیکن انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ آج محبت کے دعوے تو بہت ہیں؛ لیکن جذبۂ اطاعت کا فقدان ہے۔ لوگوں نے اپنے من گھڑت چند بے اصل نظریات اور نفسانیت پر مبنی بعض رسومات کو ہی معیار محبت سمجھ لیا ہے، اور پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ جو اُن من گھڑت باتوں کو تسلیم نہ کرے اور قرآن وسنت سے ثابت راہ حق پر قائم ہو، الٹا اسے محبت رسول ﷺ کا تارک قرار دینے کا طعنہ دیا جاتا ہے۔ اور ان کی نفسانیت میں کوئی آڑے نہ آئے اس لئے اقدام کر کے علمائے حقانی اور ائمہ ربانیین کی شان اقدس پر کیچڑ اچھالی جاتی ہے۔ اور منصوبہ بند طریقہ پر ناواقف عوام کو شکوک وشبہات میں ڈالنے کی کوشش پہلے بھی کی جاتی رہی ہے اور اب بھی کی جارہی ہے، حالاں کہ اس وقت امت کی شیرازہ بندی کی سخت ضرورت ہے۔ فروعی اختلافات کو اپنے دائروں میں محدود کر کے عوام کو ایک لڑی میں پرونا وقت کا اہم تقاضا ہے؛ لیکن کچھ لوگ محض اپنی ساکھ اور اپنا امتیاز برقرار رکھنے کے لئے نہایت بے غیرتی کے ساتھ اس نازک دور میں بھی علمائے ربانیین کے خلاف تکفیری محاذ کھولے ہوئے ہیں، بس اللہ ہی انہیں ہدایت سے نوازے اور ان کے شر سے امت کو محفوظ رکھے۔ آمین۔

آیئے جائزہ لیں!

مذکورہ ناعاقبت اندیش مدعیانِ محبتِ رسول ﷺ کی طرف سے سب سے بڑا نشانہ حضرات علمائے دیوبند کو بنایا جاتا ہے۔ ان لوگوں نے بہت سے عوام کے ذہنوں میں یہ جھوٹی بات پیوست کردی ہے کہ علمائے دیوبند، نعوذ باللہ! پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والے ہیں، حالاں کہ یہ کھلا ہوا فریب ہے۔ حاشا وکلا! علمائے دیوبند ہرگز گستاخ نہیں۔ گستاخ تو وہ لوگ ہیں جو ایسے سچے محبانِ رسول ﷺ اور قدر دانانِ نبوت کی توہین کر کے اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کر

رہے ہیں۔علمائے دیوبند کو اپنے دعویٰ محبت کی سچائی پر الگ سے کوئی دلیل پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ برصغیر ہندوپاک کا ذرہ ذرہ ان کے صدق وصفا اوران کی خدماتِ عالیہ کا گواہ ہے۔انہوں نے اس دیار میں محبوب رب العالمین سرور کائنات،فخر دو عالم،سیدنا مولانا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی مٹی ہوئی سنتوں کو زندگی بخشی۔اُنہیں بزرگوں کے دم قدم سے یہاں کفر وضلالت کی اندھیریوں میں دین کی کرنیں پھوٹیں، چراغ سے چراغ جلے،شمع نے شمع سے روشنی لی،اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک عالم ان کی پھیلائی ہوئی روشنی سے ضیا بار ہوگیا۔کوئی بتائے کہ برصغیر میں دین کے تحفظ کی خدمت اللہ نے کن بندوں سے لی؟ رافضیت کے بیخ وبن کس نے اکھاڑے؟ قادیانیت کے سیل رواں کے آگے کون سدّ سکندری بنا رہا؟ بدعتوں کے ہجوم میں کس نے نعرۂ سنت بلند کیا؟ اور بت کدوں کے ماحول میں کس نے لا الہ الا اللہ کی صدائیں بلند کیں؟

شورشؔ کاشمیری نے سچ کہا ہے :

اس میں نہیں کلام کہ دیوبند کا وجود ❖ ہندوستاں کے سر پہ ہے احسانِ مصطفیٰ ﷺ
تا حشر اس پہ رحمتِ پروردگار ہو ❖ پیدا کئے ہیں جس نے فدایانِ مصطفیٰ ﷺ
اس مدرسہ کے جذبۂ عزت سرشت سے ❖ پہنچا ہے خاص و عام کو فیضانِ مصطفیٰ ﷺ
گونجے گا چار کھونٹ میں نانوتویؒ کا نام ❖ بانٹا ہے جس نے بادۂ عرفانِ مصطفیٰ ﷺ

ایک بڑا الزام

آج علمائے دیوبند کے بارے میں یہ غلط فہمی پھیلائی جاتی ہے کہ وہ نعوذ باللہ درود شریف نہیں پڑھتے،حالاں کہ یہ اتنا بڑا الزام ہے کہ اس کی وجہ سے زمین آسمان پھٹ پڑیں تو بجا ہے، ہمارے دینی مدارس میں بحمدہ تعالیٰ جتنا درود شریف ہر روز پڑھا جاتا ہے اتنا دوسروں کے یہاں مہینہ اور سال میں بھی نہ پڑھا جاتا ہوگا۔صرف مدرسہ شاہی کو لیجئے یہاں اس سال (۱۴۲۳ھ) دورۂ حدیث شریف میں ۱۲۰؍طلبہ ہیں اور روزانہ کم وبیش ۸ گھنٹہ وہ درس حدیث میں مشغول رہتے ہیں اورانہیں تلقین کی جاتی ہے کہ جب بھی دوران درس پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسم گرامی آئے تو

کم ازکم صلی اللہ علیہ وسلم ضرور پڑھ لیں، تو اگر ایک گھنٹہ میں کم ازکم ۵۰/مرتبہ بھی درود شریف پڑھنے کا حساب لگایا جائے، تو ۱۲۰/طلبہ کے یومیہ درود شریف کی تعداد ۷۲/ ہزار تک جا پہنچتی ہے۔ یہ صرف ایک درس گاہ کا حال ہے، اسی سے آپ اندازہ لگائیں کہ ام المدارس دارالعلوم دیوبند میں کس قدر درود شریف پڑھا جاتا ہوگا، وہاں دورۂ حدیث شریف میں ماشاء اللہ ۷۰۰/سو سے زائد طلبہ رہتے ہیں، جن کے روزانہ درود شریف پڑھنے کا حساب کم وبیش ساڑھے تین لاکھ مرتبہ یومیہ کا بیٹھتا ہے، اور جو مشکوٰۃ شریف پڑھنے والے ہیں ان کا حساب علیحدہ ہے۔ یہی حال ہمارے دیگر مدارس کا بھی ہے، تو جن اداروں کی فضاؤں میں درود شریف کی آوازیں رچی اور بسی ہوں اور جن حضرات کی زبانوں پر اٹھتے بیٹھتے درود شریف کی رَٹ ہو، ان ہی کو درود شریف کا تارک کہا جائے اس سے بڑا افراڈ اور دنیا میں کیا ہوسکتا ہے؟

بہر حال ہمیں اس سے غرض نہیں کہ رقیب ہمیں کیا کہتے ہیں، ہمارا ضمیر بحمدہ تعالیٰ اس پر مطمئن ہے کہ ہمارا عقیدہ ہمارے نظریات اور زندگی قرآن وسنت مبارکہ سے مستفاد ہے، ہم پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت ومحبت ہی کو اپنے لئے سرمایۂ حیات اور ذریعۂ نجات سمجھتے ہیں اور آپ ﷺ ہی کے نام پر جینے مرنے؛ بلکہ مر مٹنے کے لئے دل وجان سے کوشاں ہیں، اور ہم اپنے دیگر بھائیوں کو بھی یہی مشورہ دینا چاہتے ہیں کہ خدارا! اپنے اوپر اور ملت پر رحم کریں اور نفرت پھیلانے کے بجائے حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت عام کرنے پر محنت کریں، اسی میں ہم سب کی صلاح اور فلاح مضمر ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں عقل سلیم اور فکر صحیح سے سرفراز فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی ''نعت النبی نمبر'')

اتباعِ سنت

ایک مسلمان کے لئے سب سے بڑی سعادت کی بات یہ ہے کہ اس کی زندگی کے تمام شعبے سرور عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پرنور سنتوں کی روشنی سے منور ہو جائیں، پیغمبر علیہ السلام کا اسوۂ مبارکہ ہی نہ صرف مسلمان؛ بلکہ تمام انسانیت کی کامیابی کی ضمانت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوْ اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْراً.

(الاحزاب: ۲۱)

تم لوگوں کے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے جو اللہ سے اور آخرت کے دن سے ڈرتا ہو اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہو، اللہ کے رسول میں ایک عمدہ نمونہ موجود تھا۔

کوئی شخص اگر اللہ تبارک وتعالیٰ سے محبت کا دعویٰ کرے تو اس وقت تک اس کا دعویٰ معتبر نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی اتباع والی زندگی نہ گزارے، جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ.

(ال عمران: ۳۱)

اے پیغمبر آپ اعلان فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو، تو خدا تعالیٰ تم سے محبت فرمانے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو معاف فرما دیں گے اور اللہ تعالیٰ بڑے غفور ورحیم ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''میرے سب امتی جنت میں جائیں گے سوائے ان لوگوں کے جو منکر ہوں'' ۔عرض کیا گیا کہ منکر کون ہیں؟ تو پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا:

مَنْ اَطَاعَنِیْ دَخَلَ الْجَنَّۃَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ اَبیٰ.

جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی وہ منکر ہے۔

(رواہ البخاری، مشکوٰۃ شریف ۲۷/۲

الغرض ہر انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ رسول کی اطاعت بھی لازم ہے، چناں چہ قرآنِ پاک میں جا بجا جہاں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا تاکیدی حکم دیا گیا، وہیں اللہ کے رسول کی اطاعت بھی ضروری قرار دی گئی۔ چناں چہ ایک جگہ ارشاد ہے:

قُلْ اَطِیْعُوْا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْ فَاِنَّمَا عَلَیْہِ مَا حُمِّلَ وَعَلَیْکُمْ مَا حُمِّلْتُمْ وَاِنْ تُطِیْعُوْہُ تَھْتَدُوْا وَمَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلاَغُ الْمُبِیْنُ. (النور: ٥٤)

اے پیغمبر آپ فرمادیجئے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کا کہا مانو، پھر اگر تم لوگ روگردانی کروگے تو اچھی طرح سمجھ لو کہ رسول کے ذمہ وہی (دعوت وتبلیغ کا کام) ہے جس کا ان پر بار رکھا گیا ہے، اور اگر تم نے ان کی اطاعت کرلی تو راہ یاب ہوجاؤ گے اور بہرصورت رسول کا کام صرف صاف طور پر (اللہ کا پیغام) پہنچادینا ہے۔

اور بھی متعدد آیات میں اسی طرح کا مضمون جا بجا بیان کیا گیا ہے، اور بعض آیات میں اطاعت رسول کی تاکید کے ساتھ ساتھ سنت سے روگردانی پر سخت وعیدیں بھی سنائی گئی ہیں، اور واضح طور پر امت کو یہ جتلا دیا گیا ہے کہ حکم خدا اور حکم رسول کے سامنے آنے کے بعد کسی شخص کے لئے چون وچرا کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ چناں چہ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلاَ مُؤْمِنَۃٍ اِذَا قَضٰی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَمْراً اَنْ یَّکُوْنَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ مِنْ اَمْرِھِمْ، وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلاَلاً مُبِیْناً. (الاحزاب: ٣٦)

اور کسی ایمان دار مرد اور کسی ایمان دار عورت کو اس بات کی گنجائش نہیں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دے دیں، پھر ان مؤمنین کو ان کے اس کام میں کوئی اختیار باقی رہے، اور جو شخص اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے گا وہ صریح گمراہی میں پڑا ہوا ہے۔

مذکورہ آیاتِ مبارکہ سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شریعت کی نظر میں اتباع سنت کی کس قدر اہمیت ہے، اور اس سلسلہ میں کوتاہی کتنی بڑی خسارہ کی بات ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے احادیث شریفہ میں بھی اتباع سنت کی تاکید بہت زیادہ فرمائی ہے۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن پیغمبر علیہ السلام نے ہمارے سامنے ایسا مؤثر وعظ فرمایا جس سے دل کانپ گئے اور آنکھیں نم ہوگئیں، تو ہم نے پیغمبر علیہ السلام سے عرض کیا: ''یارسول اللہ! یہ تو گویا کہ الوداعی وعظ معلوم ہوتا ہے؛ اس لئے ہمیں کوئی وصیت فرمادیجئے''۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أُوْصِيْكُمْ بِتَقْوىٰ اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَاِنْ تَأَمَّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ، وَاِنَّهُ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ فَسَيَرىٰ اِخْتِلَافاً كَثِيْراً، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ مِنْ بَعْدِيْ، عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَاِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ. (رواه ابـوداؤد حديث: ٤٦٧٠، ترمذی: ٢٦٧٦، الترغيب والترهيب ٥٨، المتجر الرابح ٤٩)

میں تم کو اللہ سے ڈرنے اور حکام کی فرمانبرداری کی وصیت کرتا ہوں، اگرچہ تم پر کسی غلام کو امیر بنادیا جائے اور جو آئندہ زندہ رہے گا وہ بہت اختلافات دیکھے گا، لہٰذا تم میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقہ پر قائم رہنا، ان پر دانت گاڑلینا، اور نت نئی باتوں سے بچتے رہنا؛ کیوں کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

اور ایک روایت میں پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

لِكُلِّ عَمَلٍ شِرَّةٌ وَلِكُلِّ شِرَّةٍ فَتْرَةٌ فَمَنْ كَانَ فَتْرَتُهُ اِلىٰ سُنَّتِيْ فَقَدْ اهْتَدىٰ، وَمَنْ كَانَ فَتْرَتُهُ اِلىٰ غَيْرِ ذٰلِكَ فَقَدْ هَلَكَ. (رواه ابن حبان، المتجر الرابح ٥١)

ہر عمل کا ایک نشاط کا وقت ہوتا ہے اور پھر نشاط کے بعد درمیانی وقت آتا ہے، پس جس کا اعتدال کا وقت میری سنت پر گزرے تو وہ راہ یاب ہوگا، اور جس کا یہ وقت سنت کے علاوہ خرچ ہوتو وہ مارا گیا۔

اور خاص طور پر جب ماحول میں بگاڑ بڑھ جائے اور سنت پر عمل دشوار ہو جائے یعنی سنت پر عمل کرنے والے کے لئے معاشرہ میں رہنا دوبھر ہو اور اسے سنت کی وجہ سے ناگوار تبصرے سننے پڑیں، تو ایسے ماحول میں جو شخص سنت پر مضبوطی سے قائم رہے گا اس کے لئے بڑی فضیلت ہے۔ چناں چہ ایک روایت میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

مَنْ تَمَسَّكَ سُنَّتِيْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِيْ فَلَهٗ اَجْرُ شَهِيْدٍ. (رواه الطبراني، المتجر الرابح حديث : ٥٠)

جو شخص میری امت کے بگاڑ کے زمانہ میں میری سنت پر مضبوطی سے قائم رہے اس کو ایک شہید کے برابر ثواب ملے گا۔

اور بیہقی کے حوالہ سے بعض روایات میں سو شہیدوں کے ثواب کی بات بھی کہی گئی ہے۔ (الترغیب والترہیب مکمل ۷۹)

نیز سنت پر عمل کرنے کا ایک بڑا عظیم فائدہ یہ ہے کہ اس کی بدولت جنت میں پیغمبر کی معیت ورفاقت نصیب ہوگی۔ چناں چہ ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے خادم خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: ”بیٹے اگر تم سے یہ ہو سکے تو ضرور کر لینا کہ تمہاری صبح وشام اس حالت میں ہو کہ تمہارے دل میں کسی شخص کی طرف سے کوئی کینہ کپٹ نہ ہو، اور یہ بات میری سنت ہے اور جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی تو وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا“۔ (مشکوۃ شریف ۳۰/۱)

اس لئے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ جہاں تک ہو سکے پیغمبر علیہ السلام کی ہر ہر ادا اور نقل وحرکت کی عظمت دل میں بٹھائے اور اس کی اتباع کی کوشش کرے، سچے عاشق کی پہچان یہی ہے کہ محبوب کی ہر ادا اسے اپنی جان سے زیادہ پیاری ہوتی ہے، اور وہ محبوب کے طریقہ کے بارے میں کوئی نازیبا کلمہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتا، یہی حال ہر مسلمان کا پیغمبر علیہ السلام کی سنتوں کے بارے میں ہونا چاہئے۔ فقہاء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ ایک معمولی سی سنت کا استہزاء اور استخفاف ایمان کے لئے خطرہ کی بات ہے، بریں بنا اگر سنتوں پر عمل کرنے میں کوئی کوتاہی ہو رہی

ہوتو اس محرومی پر جسارت اور جرأت کے بجائے ندامت اور شرمندگی کے جذبات ہر مسلمان میں ہونے چاہئیں؛ تاکہ یہ شرمندگی کسی نہ کسی دن مردہ ضمیر کو جھنجوڑنے کا سبب بن جائے۔

افسوس ہے کہ آج مسلم معاشرہ میں غیر قوموں کا تو ہر طریقہ مقبول اور پسندیدہ بنتا جارہا ہے؛ لیکن ہمارے آقا ومولیٰ، محسن انسانیت، فخر عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک طریقوں کو خود ہم ہی فراموش کرتے چلے جارہے ہیں، اس صورتِ حال پر جس قدر بھی افسوس کیا جائے کم ہے، ابھی بھی وقت ہے ہمیں مشن بنا کر سنتوں کو زندہ کرنے کی مہم چلانی چاہئے؛ تاکہ ہر سطح پر ہمیں کامیابی ملے اور نصرتِ خداوندی کے دروازے کھل جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو احیاءِ سنت کی خدمت میں مرتے دم تک لگے رہنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

(ندائے شاہی جولائی ۲۰۰۸ء)

پیغمبر علیہ السلام کی رفاقت کی تمنا!

قیس ابن ابی مروان کہتے ہیں کہ میں امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: ''میں شہر کوفہ سے آ رہا ہوں، وہاں ایک صاحب ہیں جو زبانی اپنے حافظہ سے قرآنِ کریم کا املا کراتے ہیں''، بس یہ سنتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جلال آ گیا، اور غصہ کے آثار چہرے بشرے سے نمایاں ہو گئے، (اس لئے کہ بظاہر حافظہ سے قرآن لکھوانا احتیاط کے خلاف تھا) اور پوچھا: ''ارے! وہ آدمی کون ہے''؟ میں نے عرض کیا کہ: ''وہ صحابی رسول عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں''۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا نام سن کر فوراً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سارا غصہ کافور ہو گیا، اور فرمانے لگے کہ: ''میری نظر میں قرآنِ کریم کا ان سے بڑا عالم باقی نہیں بچا ہے''، اور پھر اس کی تائید میں ایک واقعہ سنایا کہ: ''پیغمبر علیہ السلام بعض مرتبہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لا کر دیر رات تک دینی و ملی معاملات پر گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ گفتگو میں دیر ہو گئی میں بھی ساتھ میں حاضر تھا، جب حضرت واپسی کے لئے تشریف لے چلے تو ہم دونوں بھی آپ کے ساتھ گھر سے باہر نکلے، دیکھا کہ ایک صاحب مسجد نبوی میں نماز میں قرآنِ کریم پڑھ رہے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر ان کی قراءت سننے لگے، جب ہم نے اندازہ لگا لیا کہ یہ نماز پڑھنے والے شخص عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں تو پیغمبر علیہ السلام نے ان کی قدردانی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: ''جسے یہ بات اچھی لگے کہ وہ اسی طرح تر و تازہ قرآن پڑھے جیسے وہ اللہ کے یہاں سے اترا ہے، تو اسے چاہیئے کہ ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) کی قراءت کی طرح پڑھا کرے''۔ پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیٹھ کر دعا کرنے لگے، تو پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''سَلْ تُعْطَ''، یعنی اللہ سے مانگو عطا کیا جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اسی وقت دل میں سوچ لیا تھا کہ میں پیغمبر علیہ السلام

کے اس بشارت آمیز تبصرہ کی خبر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو ضرور دوں گا، مگر جب میں انہیں بعد میں یہ تفصیل بتانے گیا تو معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ انہیں پہلے ہی اس سے باخبر کر چکے ہیں۔

(شرح مسند ابی حنیفہ للملا علی قاریؒ ۴۰۸)

اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کی سند سے مروی مذکورہ واقعہ میں یہ بھی ہے کہ اس وقت حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ دعا مانگ رہے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ اِیْمَاناً دَائِماً لَا یَزُوْلُ، وَنَعِیْماً لَا یَنْفَدُ، وَمُرَافَقَةَ نَبِیِّكَ فِیْ جَنَّةِ الْخُلْدِ. (مسند ابی حنیفہ ۴۰۷)

اے اللہ! میں آپ سے دائمی ایمان مانگتا ہوں جو کبھی زائل نہ ہو، اور ایسی نعمت (جنت) مانگتا ہوں جو کبھی ختم نہ ہو، اور میں ہمیشہ رہنے والی جنت میں آپ کے پیغمبر علیہ السلام کی رفاقت و معیت کا طلب گار ہوں۔

اس واقعہ سے کئی مفید باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) قرآنِ کریم کو بہترین انداز میں بالخصوص رات میں اور نماز کی حالت میں پڑھنا اللہ تعالیٰ اور پیغمبر علیہ السلام کو نہایت پسند ہے۔ قرآنِ کریم کو اپنی استعداد کے مطابق شاندار لہجہ میں حسنِ ادا کے ساتھ پڑھنے والے کی طرف رحمتِ خداوندی ٹوٹ کر متوجہ ہوتی ہے، متعدد احادیث میں یہ مضمون تفصیل سے وارد ہے۔ اسی بنا پر پیغمبر علیہ السلام کا معمول مبارک تھا کہ بہترین قرآن پڑھنے والوں کی برملا حوصلہ افزائی فرمایا کرتے تھے، اور اگر کوئی صحابی قرآنِ کریم پڑھنے میں مشغول ہوتے تو آپ بنفس نفیس اس کی سماعت فرماتے اور پھر اس پر مناسب حال تبصرہ فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا قرآن سن کر انہیں شاباشی دیتے ہوئے فرمایا:

یَا اَبَا مُوْسیٰ لَقَدْ اُعْطِیْتَ مِزْمَاراً مِنْ مَزَامِیْرِ اٰلِ دَاوٗدَ. (ترمذی شریف ۲۲۵/۲)

اے ابوموسیٰ! تمہیں تو حضرت داوٗد علیہ السلام کے لحنوں میں سے ایک عمدہ لہجہ عطا کیا گیا ہے۔

الغرض اسی معمول مبارک کے موافق پیغمبر علیہ السلام نے حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی شاندار قراءت سن کر ان کی تعریف فرمائی اور امت کو ان سے استفادہ کی تلقین کی۔

(۲) قرآنِ پاک کی تلاوت کے بعد دعاؤں کی قبولیت کی امید بھی زیادہ ہوتی ہے، اسی وجہ سے نبی اکرم ﷺ نے حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی شاندار قراءت کے بعد ارشاد فرمایا: ''اب تم اللہ تعالیٰ سے جو چاہو مانگ لو، وہ یقیناً عطا فرمائیں گے''، اس لئے تلاوت کے بعد خصوصیت سے دعاؤں کا اہتمام کرنا چاہئے۔

(۳) اس وقت حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو دعائیں مانگیں ان سے آپ کی ایمانی پختگی، حسنِ خاتمہ کی رغبت، کمالِ زہد اور پیغمبر علیہ السلام سے سچی محبت کا پتہ چلتا ہے، اور چوں کہ ان دعاؤں کے ساتھ پیغمبر علیہ السلام کی بشارت بھی مل گئی ہے؛ اس لئے ان کی قبولیت میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم بھی ان دعاؤں کا ورد رکھیں اور مقبول و مستجاب اوقات و احوال میں دین و دنیا کے لئے دعائیں مانگا کریں۔

(۴) ان دعاؤں میں پہلی دعا ''دائمی ایمان'' کی دعا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زندگی کے آخری لمحات تک ایمان کا ساتھ نصیب ہو، گویا یہ دعا حکم قرآنی ﴿وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ. ال عمران﴾ (اور مت جان دینا مگر اسلام پر) کی تعمیل ہے۔ اور ایک مسلمان کے لئے سب سے اہم چیز ایمان لازوال ہی ہے، اسی پر دنیا و آخرت میں نجات و عزت کا مدار ہے؛ اس لئے ایمان کی حفاظت کی ہر وقت فکر کرنی ہے، اور اللہ تعالیٰ سے توفیق طلب کرنی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان پر استقامت عطا فرمائیں، آمین۔

(۵) دوسری دعا جنت کی نعمتوں کے طلب کرنے کی ہے جو کبھی بھی ختم نہ ہوں گی، نعمتوں کا دوام صرف جنت ہی کی خصوصیت ہے، ورنہ یہ دنیا فانی ہے اور یہاں کی ہر نعمت و راحت کے لئے بھی فنا لازم ہے۔ صحت و تندرستی ہو، یا جسمانی طاقت و قوت، مال و دولت ہو یا منصب و حکومت، یہ سب آنے جانے والی چیزیں ہیں، جب کہ جنت کی ہر نعمت و راحت دائمی اور لازوال ہے؛ اسی لئے قرآن پاک میں جب جنت اور اس کی نعمتوں کا ذکر آتا ہے تو ساتھ میں اس کے دوام کو بھی بتایا جاتا ہے؛ تاکہ دنیا کی عارضی نعمتوں اور جنت کی نعمتوں میں امتیاز واضح طور پر ہو جائے۔

(۶) اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے تیسری دعا یہ فرمائی کہ: ''جنت میں پیغمبر علیہ السلام کی رفاقت چاہتا ہوں''۔ یہ وہ عظیم خواہش اور تمنا ہے جو ہر سچے مؤمن کے دل میں ہر وقت پوری شدت سے موج زن رہتی ہے، اور حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں تو یہ تمنا ہر تمنا پر غالب رہتی تھی۔ چناں چہ ایک صحابی حضرت ربیعہ ابن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں پیغمبر علیہ السلام کی چوکھٹ پر پڑا رہتا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی موٹی (مثلاً وضو کا پانی، مسواک وغیرہ پیش کرنے کی) خدمت انجام دیتا تھا۔ ایک مرتبہ پیغمبر علیہ السلام نے خوش ہوکر ارشاد فرمایا: سَلْ (ربیعہ! آج جو چاہو مانگ لو) تو میں نے یہ درخواست پیش کی: اَسْاَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ (اے اللہ کے رسول! میں تو بس جنت میں آپ کی رفاقت کا طلب گار ہوں) پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا: اَوَ غَيْرَ ذٰلِكَ (اور کچھ مانگ لو) تو میں نے عرض کیا: هُوَ ذَاكَ (مجھے تو بس یہی چاہیے) اس پر پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: فَاَعِنِّيْ عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ (زیادہ سجدے کرکے اپنی ذات کے بارے میں میری مدد کرنا) یعنی تمہارے نامۂ اعمال میں جس قدر سجدوں کی کثرت ہوگی، تمہاری مراد پوری ہونے میں اتنی ہی آسانی ہوگی۔ (مسلم شریف: ۴۸۹، ابوداؤد شریف: ۱۳۲۰، نسائی شریف: ۱۱۳۴)

تقریباً یہی جذبہ ہر صحابیِ رسول ﷺ کا تھا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک شخص پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: ''اے اللہ کے رسول! آپ مجھے میری جان سے زیادہ عزیز ہیں اور میں آپ سے اپنے گھر والوں اور اولاد سے زیادہ محبت رکھتا ہوں اور میری کیفیت یہ ہے کہ اگر مجھے گھر میں رہتے ہوئے آپ کی یاد آجاتی ہے تو جب تک آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر آپ کی زیارت سے مشرف نہ ہوں مجھے چین ہی نہیں آتا؛ لیکن جب مجھے اپنی اور آپ کی وفات کا خیال آتا ہے تو میں یہ سوچتا ہوں کہ آپ تو آخرت میں جنت میں داخل ہونے کے بعد حضراتِ انبیاء علیہم السلام کے درجوں میں بلند مقام حاصل پر فائز ہوں گے، جب کہ میں اگر جنت میں داخل بھی ہوگیا تو مجھے یہ خطرہ ہے کہ وہاں آپ کی زیارت ہو یا نہ ہو''۔ اس جملہ کے ہر ہر حرف سے اس شخص کے دل میں پیغمبر علیہ السلام کی رچی بسی محبت اور عشق کا پتہ چلتا ہے، اس کی اس بات کو سن کر پیغمبر علیہ السلام نے تو کوئی جواب نہیں دیا؛ لیکن اس کی یہ فریاد بارگاہِ رب

العزت میں قبولیت سے مشرف ہوئی اور اس مناسبت سے پیغمبر ﷺ کی رفاقت کی تمنا رکھنے والے تمام امتیوں کے لئے بشارت بھرا اعلان قرآنِ پاک کی درج ذیل آیت میں کیا گیا۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل ۳۴۱) ارشادِ خداوندی ہوا:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ، وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا. (النساء آیت: ٦٩)

اور جنہوں نے اللہ کی اطاعت کی اور پیغمبر ﷺ کا کہا مانا ان کا حشر (آخرت میں) حضراتِ انبیاء علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور نیک لوگوں کے ساتھ ہوگا، اور وہ لوگ بہترین رفیق ہیں۔

اس بشارت آمیز آیت سے یہ پتہ چلا کہ پیغمبر ﷺ کی رفاقت کے لئے محض تمنا کافی نہیں؛ بلکہ اس کے لئے جو شرائط ہیں انہیں پورا کرنا لازم ہے، جتنا بڑا مقصود ہوتا ہے اتنی ہی اس کے لئے تگ ودو اور محنت کی جاتی ہے، پیغمبر ﷺ کی دائمی رفاقت سے بڑا مقصود ایک صاحبِ ایمان کے لئے اور کیا ہوسکتا ہے؟ اس لئے اگر واقعۃً اس مقصود کی طلب اور تڑپ دل میں ہے تو اس کی شرائط کو پورا کرنا پڑے گا۔

اسی بات کو پیغمبر ﷺ نے ایک حدیث میں اس طرح بیان فرمایا:

كُلُّ اُمَّتِيْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰى قِيْلَ: وَمَنْ اَبٰى؟ قَالَ: مَنْ اَطَاعَنِيْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ اَبٰى. (رواہ البخاری، مشکوٰۃ شریف ۲۷/۱)

میرے تمام امتی جنت میں داخل ہوں گے مگر جو منکر ہو، سوال ہوا کہ انکار سے کیا مراد ہے؟ تو ارشاد فرمایا کہ جو میرا کہا مانے گا وہ جنت میں جائے گا اور جو میرا نافرمان ہوگا وہ منکر ہے۔

اور ایک دوسری روایت میں ارشاد ہوا:

وَمَنْ اَحَبَّ سُنَّتِيْ فَقَدْ اَحَبَّنِيْ وَمَنْ اَحَبَّنِيْ كَانَ مَعِيْ فِي الْجَنَّةِ. (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ شریف ۳۰)

اور جس شخص نے میری سنت سے محبت کی اس نے درحقیقت مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے تعلق رکھا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ رفاقت کی تمنا کے ساتھ اعمال کی درستگی پر توجہ دینا بھی لازم ہے۔

آج کل امت کی عمومی حالت یہ ہے کہ پیغمبر علیہ السلام سے زبانی اظہار محبت تو یقیناً ہے اور ہونا بھی چاہئے، اور یہ اظہار جتنا بھی ہو کم ہے؛ لیکن اس زبانی دعوے کا موازنہ جب زندگی کے اقوال واعمال سے کیا جاتا ہے تو کوئی مطابقت ہی نظر نہیں آتی۔ صورت، سیرت، اخلاق، عبادات، معاملات اور معاشرت میں شریعت اور سنت کی صرف مخالفت ہی نہیں؛ بلکہ نعوذ باللہ بغاوت کے مناظر دیکھنے میں آرہے ہیں، یہ صورتِ حال نہایت تکلیف دہ اور تشویش ناک ہے۔ ہمیں حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگی سے سبق حاصل کرنا چاہئے کہ وہاں دعویٰ اور عمل میں مطابقت تھی جس کی بنا پر وہ ہر موڑ پر باعزت اور فلاح یاب تھے، آج بھی اسلام اور مسلمانوں کو عزت جب ہی مل سکتی ہے جب ہم حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم والے نظریات، جذبات، اعمال اور اخلاق اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین پر استقامت، فکرِ آخرت اور پیغمبر علیہ السلام کی رفاقت جیسی سعادتوں سے بہرہ ور فرمائیں۔ آمین۔

(ندائے شاہی جنوری ۲۰۰۸ء)

اِسلامی تعلیمات

- اسلام؛ دینِ قیم، دینِ فطرت
- عقل مند کون؟
- دعائے موسوی علیہ السلام
- حکمتِ خداوندی
- اسلام! امنِ عالم کا پیامی
- کسبِ معاش میں شرعی حدود کی رعایت
- خواتین اسلام کے لئے مثالی نمونہ

اسلام:

[دینِ قیم - دینِ فطرت]

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ارشاد فرمایا:

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ. (الروم: ۳۰)

آپ اپنا چہرہ سیدھا رکھئے دین پر ایک طرف کا ہوکر، وہی تراش اللہ کی جس پر تراشا لوگوں کو، بدلنا نہیں اللہ کے بنائے ہوئے کو، یہی سیدھا دین ہے؛ لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

انسان کی فطرت کو اگر خارجی اثرات سے محفوظ رکھا جائے تو یہ فطرت خود پکار اٹھتی ہے کہ حق کیا ہے؟ مگر جب ماحول کے اثرات کے دبیز پردوں میں فطرت کو چھپا دیا جاتا ہے تو پھر یہ اپنی اصل استعداد ظاہر نہیں کرپاتی، اسی بناپر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ كَمَا تُنْتِجُ الْبَهِيْمَةُ بَهِيْمَةً جَمْعَاءَ هَلْ تُحِسُّوْنَ فِيْهَا مِنْ جَدْعَاءَ ثُمَّ يَقُوْلُ: [فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ، ذٰلِكَ الدِّيْنُ

ہر بچہ فطرت پر ہی پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین اس کو یہودی، نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں۔ (یعنی جس ماحول میں بچہ پروان چڑھتا ہے وہی رنگ اس پر چڑھ جاتا ہے) جیسے کہ جانور کامل اعضاء والا بچہ جنتا ہے کیا تم اس میں کسی کو کن کٹا پاتے ہو؟ (یعنی پیدائش کے وقت عیب دار نہیں ہوتا؛ بلکہ بعد میں لوگ اسے عیب

الْقَيِّمُ] (مشکوٰۃ شریف مع مرقاۃ المفاتیح: ۱/۲۶۱-۲۶۳)

دار کر دیتے ہیں) پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت ﴿فطرة الله التی الخ﴾ پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے: وہی تراش اللہ کی جس پر تراشا لوگوں کو، اللہ کی بناوٹ میں کوئی تبدیلی نہیں ہے یہی سیدھا راستہ ہے۔

معلوم ہوا کہ اگر فطرت سلیمہ کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے اور خارجی دباؤ اس پر سے ہٹالیا جائے تو انسانی ضمیر خدا کی دی ہوئی عقل سے خود بخود صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اسی کا اثر تھا کہ مشرکین مکہ کٹر قسم کے مشرک ہونے کے باوجود جب کسی سخت مشکل میں پھنس جاتے اور اس سے بچنے کی کوئی راہ نظر نہ آتی تھی تو اس نازک ترین وقت میں ان کی زبان پر کسی اور معبود کا نام نہ آتا؛ بلکہ اس وقت میں وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے۔ یہ ''پکار'' دراصل اسی ''فطرت'' کی پکار ہوتی تھی جسے اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے دل میں ودیعت فرما رکھا ہے؛ لیکن جیسے ہی وہ اس حالت سے نجات پاتے تو پھر خارجی اثرات سے متأثر ہو کر شرک و بت پرستی میں مشغول ہو جایا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو کئی جگہ ارشاد فرمایا، ایک جگہ ارشاد ہوا:

وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ، وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ. (لقمان: ۳۲)

اور جب سر پر آئے ان کے موج جیسے بادل، پکارنے لگیں اللہ کو خالص کر کر اس کے لئے بندگی، پھر جب بچا دیا ان کو خشکی کی طرف تو کوئی ہوتا ہے ان میں بیچ کی چال پر (جو اللہ کا احسان مانے) اور منکر وہی ہوتے ہیں ہماری قدرتوں کے جو قول کے جھوٹے ہیں اور حق کے نہ ماننے والے۔

عہدِ الست

اسی طرح عالم ارواح میں ''عہد الست'' کی شکل میں تمام بنی آدم نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا جو اقرار کیا تھا وہ بھی فطرت کے تقاضہ کے عین مطابق تھا؛ لیکن عالم عنصریات میں آکر بہت سے

انسان اس فطری عہد کو یکسر فراموش کر دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ، اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ؟ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا، اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ، اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ، اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ. (الاعراف: ۱۷۲-۱۷۳)

اور جب نکالا تیرے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد کو، اور اقرار کرایا ان سے ان کی جانوں پر، ''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں''؟ بولے: ہاں ہے، ہم اقرار کرتے ہیں، کبھی کہنے لگو قیامت کے دن کہ ہم کو تو اس کی خبر نہ تھی، یا کہنے لگو کہ شرک نکالا تھا ہمارے باپ دادوں نے ہم سے پہلے، اور ہم ہوئے ان کی اولاد ان کے پیچھے، تو کیا تو ہم کو ہلاک کرتا ہے اس کام پر جو کیا گمراہوں نے۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے دل میں خیر کا تخم بھی رکھا ہے، جس کو اگر مناسب ماحول ملے تو وہ یقیناً بارآور ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا. (الشمس: ۷-۱۰)

اور قسم جی کی اور جیسا کہ اس کو ٹھیک بنایا، پھر سمجھ دی اس کو ڈھٹائی کی اور بچ کر چلنے کی، یقیناً مراد کو پہنچا جس نے نفس کو سنوار لیا، اور نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں ملا چھوڑا۔

شاہ راہِ جنت

اسی نفس کو سنوارنے اور انسانیت کے تزکیہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا، جنھوں نے انسانی فطرت کے موافق انسان کو زندگی گذارنے کا طریقہ بتایا، اسی طریقہ کا نام ''اسلام'' ہے۔ یہی ''شاہِ راہ جنت'' ہے، گویا کہ یہی وہ ''ایکسپریس وے'' ہے جو سیدھا جنت تک پہنچتا ہے، اسی کی دعوت پیغمبر علیہ السلام کے ذریعہ اس طرح پیش کرائی گئی:

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ

آپ فرما دیجئے کہ یہ میرا طریق ہے، میں خدا کی طرف اس طور پر بلاتا ہوں کہ میں دلیل پر قائم

وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. (یوسف: ۱۰۸)	ہوں میں بھی اور میرے ساتھ والے بھی، اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔

اور اس کی مثال بیان کرتے ہوئے نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً صِرَاطاً مُّسْتَقِيْماً وَعَلَى جَنْبَتَيِ الصِّرَاطِ سُوْرَانِ فِيْهِمَا اَبْوَابٌ مُفَتَّحَةٌ وَعَلَى الْاَبْوَابِ سُتُوْرٌ مُرْخَاةٌ وَعَلَى بَابِ الصِّرَاطِ دَاعٍ يَقُوْلُ: يَآاَيُّهَا النَّاسُ ادْخُلُوْا الصِّرَاطَ جَمِيْعاً وَلاَ تُعَوَّجُوْا وَدَاعٍ يَدْعُوْ مِنْ فَوْقِ الصِّرَاطِ، فَاِذَا اَرَادَ الْاِنْسَانُ اَنْ يَّفْتَحَ شَيْئاً مِنْ تِلْكَ الْاَبْوَابِ قَالَ: وَيْحَكَ لاَ تَفْتَحْهُ فَاِنَّكَ اِنْ تَفْتَحْهُ تَلِجْهُ، فَالصِّرَاطُ الْإِسْلَامُ، وَالسُّوْرَانِ حُدُوْدُ اللّٰهِ، وَالْاَبْوَابُ الْمُفَتَّحَةُ مَحَارِمُ اللّٰهِ، وَذٰلِكَ الدَّاعِيْ عَلٰى رَأْسِ الصِّرَاطِ كِتَابُ اللّٰهِ، وَالدَّاعِيْ مِنْ فَوْقِ الصِّرَاطِ وَاعِظُ اللّٰهِ فِيْ قَلْبِ كِلِّ مُسْلِمٍ. (رواہ الامام احمد وغیرہ) تفسیر ابن کثیر مکمل: ۲۹)	اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کی مثال بیان فرمائی ہے کہ وہ ایک سیدھا راستہ ہے جس کے دونوں جانب دو دیواریں ہیں جن میں (جابجا) دروازے کھلے ہوئے ہیں اور دروازوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں، اور اس راستہ کے سرے پر ایک پکارنے والا یہ آواز لگا رہا ہے کہ اے لوگو! راستہ میں داخل ہو جاؤ اور کج روی مت کرو، اور دوسرا پکارنے والا راستہ کے آخری سرے پر کھڑا ہے، پس اگر کوئی شخص (چلتے ہوئے) ان دروازوں میں سے کسی دروازہ کو کھولنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ پکارنے والا کہتا ہے کہ: ''تیرا ناس ہو تو دروازہ مت کھول؛ کیوں کہ اگر تو دروازہ کھول لے گا تو تو اس میں گھس پڑے گا''۔۔۔۔تو راستہ سے مراد دین اسلام ہے، اور دونوں دیواروں سے مراد اللہ کی حدود ہیں، اور ان میں کھلنے والے دروازوں سے مراد اللہ کی حرام کردہ باتیں ہیں، اور راستہ کے شروع میں جو شخص دعوت دے رہا ہے اس سے مراد اللہ کی کتاب

ہے، اور راستہ کے اوپر کی جانب جو داعی ہے وہ اللہ کی طرف سے وہ ناصح ضمیر ہے جو ہر مسلمان کے دل میں پایا جاتا ہے۔

شرح صدر کی ضرورت

شیطان کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ وہ انسانی ضمیر کو اس طرح بے حس بنادے کہ اسے حق ناحق کی تمیز نہ رہے، یہی وہ زہرناک حربہ ہے جسے استعمال کر کے طاغوتی قوتیں ہر زمانہ میں راہِ حق کو قبول کرنے میں رکاوٹ بنتی رہی ہیں؛ اس لئے ضرورت ہے کہ آدمی اپنے ضمیر کو زندہ رکھے اور اس کی آواز پر لبیک کہے، بالخصوص دین کے معاملہ میں کامل شرح صدر کی ضرورت ہے، جب تک شرح صدر نہ ہوگا اور یہ یقین نہ ہوگا کہ شریعت ہی واجب الاتباع ہے، اس وقت تک آدمی گمراہی سے محفوظ نہیں رہ سکتا، اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہل ایمان سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ. (البقرۃ: ۲۰۸)	اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو اور فاسد خیالات میں پڑ کر شیطان کے قدم بقدم مت چلو، واقعی وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

شیطان کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ آدمی دین کے بارے میں شکوک میں مبتلا ہو جائے، اور دین پر عمل کرنے کی بشاشت اس کے دل سے نکل جائے اور اطمینانِ قلبی سے وہ محروم ہو جائے، چناں چہ آج پورے عالم میں یہ طاغوتی تحریک شدت سے جاری ہے، خاص کر جدید تعلیم یافتہ حلقوں میں بے عملی اور بدعملی کے ساتھ شرعی احکامات سے بددلی بڑھتی جارہی ہے، اور نہایت جسارت کے ساتھ ہتک آمیز انداز میں دینی مسائل واحکام کا مذاق اڑانا معمول بن گیا ہے، حالاں کہ یہ بڑی بے توفیقی، محرومی اور جہالت کی بات ہے؛ کیوں کہ اسلام سے بے اطمینانی کی بنیاد کسی معقول دلیل پر نہیں ہے؛ بلکہ محض ہٹ دھرمی یا کم علمی ہی اس کی وجہ ہے، اور جب بھی انسان انصاف سے غور کرے گا اور حق کو قبول کرنے کا جذبہ رکھے گا تو یقیناً اسے معلوم ہوگا کہ اسلام

کی تعلیمات ہی انسانیت کے لئے نجات دہندہ بن سکتی ہیں۔

دینِ فطرت

اس لئے کہ اسلام دین فطرت ہے، اس کے احکامات اور قوانین مخلوق کے بنائے ہوئے نہیں؛ بلکہ خالق فطرت ''خلاّق دو جہاں'' کے وضع کردہ ہیں۔ انسان جو بھی قانون بناتا ہے وہ اپنے اردگرد کے ماحول اور محدود زندگی کے تجربات ومشاہدات کی روشنی میں بناتا ہے، اسی لئے ماحول میں تبدیلی یا تقاضوں کے بدلنے کی وجہ سے اس قانون میں ترمیم ناگزیر ہوجاتی ہے، اس کے برخلاف اللہ ''علیم وخبیر'' جو کائنات کے اسرار ورموز اور اگلے پچھلے تقاضوں اور ضرورتوں سے پوری طرح واقف ہے وہ قانون سازی میں اپنے وسیع الشان علم کو پیش نظر رکھتا ہے، جو کسی بھی زمانہ میں ترمیم کے قابل نہیں ہوتے، سطحی نظر سے سوچنے والے اپنے ناقص علم کی بنا پر اسے مصلحت کے خلاف سمجھتے ہیں؛ لیکن حقیقت سامنے آنے پر ہر شخص یہ کہنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ واقعۃً اسلام کی تعلیم ہی فطرت کے مطابق ہے۔

مثال کے طور پر عورتوں کے پردہ وغیرہ سے متعلق احکامات سطحی نظر میں بہت سخت اور خلافِ مصلحت معلوم ہوتے ہیں؛ لیکن جب انصاف کی نظر سے اور تجربات کی روشنی میں جائزہ لیا جاتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ احکامات کتنے مفید اور کس طرح انسانی زندگی کے امن وسکون کے ضامن ہیں؟ اس لئے کہ دنیا دیکھ رہی ہے کہ جنسی انارکی اور اباحیت پسندی اور آوارہ گردی وعیاشی کا کتنا خراب اثر انسانی معاشرہ پر پڑ رہا ہے، اور خاندانی تقدس کس طرح پامال ہورہا ہے۔ یہ سب فطری تقاضوں سے بغاوت کا خوف ناک انجام ہے۔

ایک آسان مثال

اس کو ایک آسان مثال سے یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی جسم کے کچھ اعضاء باہر رکھے ہیں اور کچھ اعضاء اندر رکھے ہیں، مثلاً کان ناک، ہاتھ پیر باہر ہیں، جب کہ دل، گردہ، پھیپڑا اور معدہ وغیرہ اندر ہیں، ان دونوں طرح کے اعضاء کا اپنی اپنی جگہ رہتے ہوئے کام

کرنا جسمانی صحت کی دلیل ہے، اب اگر کوئی شخص یہ تحریک چلانے لگے کہ دل دماغ وغیرہ کے ساتھ سالوں سے بڑا ظلم ہو رہا ہے کہ انہیں آج تک باہر کی ہوا نہیں کھلائی گئی اور کتنے پردوں میں انہیں بند کرکے رکھا جا رہا ہے، اس کے برخلاف آنکھ کان ناک اور ہاتھ پیر سالوں سے کھلی فضاء میں رہ رہے ہیں، اس لئے اس ظلم کو ختم کرنے کے لئے اب دل کو باہر اور آنکھ کو اندر کردیا جائے، اور پھیپھڑے کو باہر نکال کر اس کی جگہ کان رکھ دئے جائیں اور معدہ کو باہر کرکے اس کی جگہ ناک سمادی جائے وغیرہ، تو ظاہر ہے کہ اس تجویز پر عمل سے جسم کی تباہی یقینی ہے؛ اس لئے کہ یہ جسم کی فطری ساخت کے قطعاً خلاف ہے جسے کوئی عقل مند ہرگز قبول نہیں کرسکتا۔ بعینہٖ یہی حال اسلام کی فطری تعلیمات کا ہے کہ اس نے گھر سے باہر کی ذمہ داری مرد کی رکھی ہے اور گھر کے اندر کی ذمہ داری صنفی ساخت کے اعتبار سے عورت کی رکھی ہے، اب اگر ان ذمہ داریوں میں ادل بدل کیا جائے گا تو اس کا انجام سوائے تباہی کے کچھ نہیں نکل سکتا۔ اسی پر تمام ہی اسلامی ہدایات کو قیاس کرنے کی ضرورت ہے۔

مثال کے طور پر فیملی پلاننگ کے سلسلہ میں اسلامی ہدایات پر اعتراضات کئے جاتے ہیں اور اسے ایک اہم ''ایشو'' بنا کر پیش کیا جاتا ہے؛ لیکن جب ہم گہرائی سے دنیا کے حالات اور انسانی آبادی کے فطری تقاضوں کا جائزہ لیتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ طویل المدتی نفع نقصان کے اعتبار سے فیملی پلاننگ کا نعرہ کتنا نقصان دہ اور تباہ کن ہے؟ کیوں کہ ہر عقل والا یہ جانتا ہے کہ ترقی کا اصل مدار افرادی قوت پر ہے، مشنریاں اور آلات واسباب افراد کے معاون تو بن سکتے ہیں؛ لیکن اصل نہیں بن سکتے، جب افراد ہی نہ رہیں گے تو مشنریاں اکیلے کیا کام آئیں گی؟ یہی وجہ ہے کہ بہت سے ایسے ممالک جہاں نصف صدی قبل آبادی کی روک تھام کے لئے جبراً فیملی پلاننگ کرائی گئی تھی آج انعام اور وظائف دے کر افزائش نسل کرانے پر مجبور ہیں۔ گذشتہ سال احقر ایک اقتصادی موضوع پر منعقد ہونے والی کانفرنس میں شریک ہوا، تو وہاں ایک جرمن ماہر اقتصادیات نے رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہا کہ: ''چائنا اور ہندوستان کی اقتصادی ترقی کا جب موازنہ کیا جاتا ہے

تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ آئندہ پچاس سالوں میں ہندوستان بے مثال ترقی کرے گا، تا آں کہ چائنا کو بھی پیچھے چھوڑ جائے گا، اس کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ چائنا کی اکثر آبادی ساٹھ سال کی عمروں سے متجاوز ہو چکی ہے، اور اسے آئندہ سالوں میں افرادی قوت کی کمی کا شکار ہونا پڑے گا جب کہ ہندوستان کی اکثر آبادی نو جوانوں پر مشتمل ہے اور یہاں آبادی کا نمو بھی چائنا کے مقابلہ میں کسی حد تک معمول پر ہے''، اس لئے فیملی پلاننگ کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے محض دو چار دس سال نہیں؛ بلکہ آئندہ صدیوں تک کا انجام دیکھنے کی ضرورت پڑتی ہے

یہی حال دیگر احکامات اور معاشرتی ہدایات کا ہے کہ انہیں سطحی نظر میں کتنا ہی غیر موزوں کیوں نہ سمجھا جائے مگر واقعہ اور حقیقت کی کسوٹی پر جب بھی انہیں پرکھا جائے گا تو اسلامی ہدایات کی عالم گیر افادیت عیاں ہو جائے گی۔

اسی طرح اسلام نے جن امور کو ممنوع قرار دیا ہے مثلاً قتل، زنا اور دیگر محرمات، ان باتوں کو ہر عقل والا خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو، برا سمجھتا ہے، اور ہر انسانی معاشرہ میں ان برائیوں پر روک لگانے کی تدبیریں کی جاتی رہی ہیں اور آج بھی کی جاتی ہیں، اور اسلام نے بھی ایسی برائیوں پر روک لگانے کے لئے ایک مستقل نظام انسانیت کو عطا کیا ہے، اور تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ انسانوں کی بنائی ہوئی خود ساختہ تدبیریں برائیوں کو روکنے میں ناکام ہیں، جب کہ اسلام کی مقرر کردہ تدبیریں پہلے بھی کامیاب رہیں، آج بھی کامیاب ہیں اور قیامت تک کامیاب رہیں گی؛ اس لئے کہ وہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں، اسلام کا واضح موقف یہ ہے کہ برائیوں پر بند لگانے کے لئے اولاً ان سوراخوں کو بند کرنا ضروری ہے جہاں سے برائی در آتی ہے، اور ان اسباب وعوامل پر روک لگانے کی ضرورت ہے جو برائی کی اشاعت کا سبب بنتے ہیں؛ کیوں کہ ان اسباب پر بندش لگائے بغیر محض شور مچانے یا ڈھیلی ڈھالی سزا دینے سے برائیوں پر نہ بند لگا ہے اور نہ بند لگ سکتا ہے، اسی بنا پر اسلام نے قتل، زنا، چوری، ڈکیتی اور شراب خوری پر ایسی عبرت ناک سزائیں تجویز کی ہیں جن کے تصور ہی سے دل کانپ جاتے ہیں، ساتھ میں ایک اہم بات یہ ہے کہ اسلامی

حکومت میں سزاؤں کے ثبوت شرعی کے بعد حدود اللہ میں کسی بڑے سے بڑے شخص کو بھی (خواہ وہ امیر المؤمنین ہی کیوں نہ ہو) سفارش یا معافی کا حق نہیں ہوتا، اور سزا بھی برسر عام دی جاتی ہے؛ کیوں کہ ان سزاؤں کا مقصد کسی ایک فرد کو سزا دینا نہیں؛ بلکہ معاشرہ کو برائیوں سے روکنا ہے۔

فلاح؛ دین میں مضمر ہے

الغرض دین کے جس حکم پر بھی ہم غور کریں گے تو یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ہماری فلاح دین ہی پر عمل کرنے میں مضمر ہے، اس کے علاوہ کوئی بھی حکم یا ہدایت انسانیت کے لئے فوز وفلاح کا سبب نہیں بن سکتی؛ اس لئے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ دین پر پوری طرح شرح صدر رکھے، اور کامل بشاشت کے ساتھ دین پر عمل کرے اور ذرہ برابر شکوک وشبہات کو قریب نہ پھٹکنے دے، اور دینی معاملات میں عقل کو دخیل نہ کرے؛ بلکہ ہر ہر قدم پر سمع وطاعت اور تسلیم وانقیاد کا مظاہرہ کرے جبھی آدمی گمراہی سے بچ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهُ لِلاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِنْ رَّبِّهٖ فَوَيْلٌ لِلْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ فِىْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ. (الزمر: ۲۲)

سو جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے قبول کرنے کے لئے کھول دیا اور وہ اپنے پرودگار کے عطا کئے نور پر ہے، سو جن لوگوں کے دل خدا کے ذکر سے متأثر نہیں ہوتے ان کے لئے بڑی خرابی ہے، یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

اس لئے بہرصورت دین پر استقامت کے ساتھ ساتھ شرح صدر کی کوشش کرنی چاہئے اور اسلام جیسی عظیم نعمت پر دل ودماغ ہمیشہ شکر سے معمور رہنے چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس نعمت کی قدر دانی کی تازندگی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

(ندائے شاہی مئی ۲۰۰۸ء)

عقل مند کون؟

اللہ تعالیٰ نے انسان کو تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ فضیلت اور شرافت عطا فرمائی ہے۔ چناں چہ ارشاد خداوندی ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا. (بنی اسرائیل ۷۰)	اور ہم نے عزت دی آدم کی اولاد کو اور سواری دی ان کو جنگل اور دریا میں اور روزی دی ہم نے ان کو ستھری چیزوں سے، اور بڑھا دیا ان کو بہتوں سے جن کو پیدا کیا ہم نے بڑائی دے کر۔

انسان کی شرافت کی اصل بنیاد اس کی طاقت وقوت نہیں؛ کیوں کہ بہت سے جانور انسان سے زیادہ طاقت رکھتے ہیں، مگر ان کو انسان کے مقابلہ میں فضیلت وشرافت حاصل نہیں ہے؛ انسان ان سے طاقت میں کمزور ہونے کے باوجود انہیں مسخر کر کے اپنے تابع بنالیتا ہے اور ان سے بجبر واکراہ اپنے کام لیتا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ انسان کی فضیلت کی بنیاد محض جسمانی طاقت وقوت نہیں؛ بلکہ اس کی وہ ''وافر عقلی صلاحیت'' ہے جس کی بناء پر وہ دوسری مخلوقات سے ممتاز قرار پاتا ہے۔ آج دنیا میں جو بھی رونقیں نظر آرہی ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو عطا کردہ اسی عظیم نعمت ''کمال عقل'' کی کارستانیاں ہیں، خواہ معاملہ لباس کا ہو یا ماکولات ومشروبات کا، یا رہائش اور ذرائع نقل وحمل کا، انسان اپنی عقل سے کام لے کر ان معاملات میں اتنا ترقی یافتہ ہو چکا ہے کہ دیگر جانوروں سے اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

مثلاً اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے اعتبار سے جانور کو کھالوں وغیرہ کی شکل میں مستقل پیدائشی لباس دے دئے ہیں جنہیں سردی، گرمی اور برسات کسی بھی حالت میں بدلنے کی ضرورت

نہیں پڑتی؛ بلکہ جو خدائی لباس بدن پر چڑھ گیا وہ جزوی تبدیلی کے ساتھ مرتے دم تک بدن پر چڑھا رہتا ہے، مگر انسان کا معاملہ یہ ہے کہ وہ سردی کا لباس الگ بناتا ہے اور گرمی کا الگ، گھر میں پہننے کا الگ اور تقریبات اور تیوہاروں کا الگ، کام کاج کے وقت کا الگ اور آرام کے وقت کا الگ؛ اور ایک طرح کے لباس سے جی نہیں بھرتا؛ بلکہ اسے ہر دن نئے فیشن اور ڈیزائن کی تلاش رہتی ہے، انسان کو یہ تمیز اس کی عقل کے بدولت ہی ہے اگر عقل پاس نہ رہے تو پھر انسان بھی جانوروں کی صف میں آ کھڑا ہوتا ہے اور بے لباسی پر بھی اسے کوئی احساس نہیں ہوتا۔ یہی حال کھانے پینے کی چیزوں کا ہے، دیگر جانوروں کو جب بھوک لگتی ہے تو وہ کوئی بھی گھاس یا چری، اور یہ نہ ملے تو ''بھس'' ہی سے اپنا پیٹ بھر لیتے ہیں۔ انہیں زیادہ تر ذائقہ سے نہیں؛ بلکہ پیٹ بھرنے سے مطلب ہوتا ہے؛ لیکن حضرتِ انسان کا حال یہ ہے کہ جب تک نمک مرچ مسالہ نہ ملے اور اچھی طرح غذا کو پکایا نہ جائے ان کے گلے کے نیچے ایک لقمہ بھی اترنا مشکل ہوتا ہے حتیٰ کہ اگر معمولی سی چٹنی بھی بنائی جاتی ہے تو اسے بھی مختلف چیزیں ملا کر ذائقہ دار بنانے کی کوشش کی جاتی ہے، اس قوت ذائقہ کا تعلق بھی عقل سے ہے اگر خدانہ کرے عقل میں خلل آجائے تو پھر کھٹے میٹھے اور کڑوے یا ذائقہ دار کا کچھ پتہ نہیں رہتا۔ اسی پر اور باتوں کو بھی قیاس کر لیا جائے، جیسے انسان رہائش کے لئے طرح طرح کے گھر بناتا ہے اور ان میں آرام کے مختلف اسباب فراہم کرتا ہے گرمی سردی سے بچاؤ کا نظم کرتا ہے، آرائش اور زیبائش پر اپنی صلاحیتیں صرف کرتا ہے؛ جب کہ دیگر جانوروں کو ان باتوں کی کچھ سدھ نہیں ہوتی، اسی طرح سواریوں کا معاملہ ہے کہ انسان نے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لئے کیسی کیسی عجیب اور تیز رفتار سواریاں بنائی ہیں، لاکھوں کروڑوں انسان اور بے حساب سامانِ تجارت ان سواریوں کے ذریعہ ہمہ وقت نقل وحرکت میں رہتا ہے۔ یہی حال بول چال اور گفتگو میں ہے کہ انسان نہ جانے کتنی زبانیں بولتا ہے اور ہر زبان دوسری زبان سے اس قدر جدا گانہ ہوتی ہے کہ اجنبی انسان اسے قطعاً سمجھ نہیں پاتا جب کہ جانوروں کی سب زبانیں انٹرنیشنل ہیں، ہندوستانی گائے جیسے آواز نکالتی ہے امریکن گائے کا بھی بالکل وہی انداز ہوتا ہے، وغیرہ۔ اسی طرح کبوتر کہیں کا بھی ہو اس کی ''غٹرغوں'' یکساں ہی ہوگی اس میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ مگر انسان

کو جو ''بیان'' کی دولت ملی ہے اس میں کوئی اور جانور شریک نہیں، اس قوت بیان کا سرچشمہ بھی عقل ہی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

تو پتہ چلا کہ انسان کی انسانیت کا مدار اس کی ''عقلی صلاحیت'' پر ہے، جو انسان عقل کے تقاضوں کو پورا کرے وہ انسانیت کے تقاضوں کو پورا کرنے والا ہے اور جو انسان عقل کے تقاضوں کو پورا نہ کرے وہ اپنی انسانیت کو تار تار کرنے والا ہے۔

عقل دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''دنیا میں جو چیزیں انسان کو عطا کی گئی ہیں ان میں سب سے افضل ''عقل'' ہے اور آخرت میں عطا کردہ نعمتوں میں سب سے افضل اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضامندی ہے''۔ (کتاب العقل لابن ابی الدنیا ۱۷)

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ: ''انسان کا دین اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی عقل تام نہ ہوجائے''۔

نیز آپ ہی سے مروی ہے کہ ''جب اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا فرمایا تو اس کو حکم دیا کہ آگے بڑھ پھر حکم دیا کہ لوٹ آ، پھر اس سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ: میں نے تجھ سے زیادہ اپنی پسندیدہ کوئی مخلوق پیدا نہیں کی، میری عبادت تیرے ذریعہ ہی کی جاتی ہے اور تیرے ہی ذریعہ میرے بندوں کو میری معرفت نصیب ہوتی ہے اور تیرے ہی ذریعہ میں لیتا ہوں اور تیرے ہی بدولت میں عطا کرتا ہوں''۔ (کتاب العقل حاشیہ ۱۶)

ہمام بن یحییٰ کہتے ہیں کہ: ''ہم نے حضرت قتادہ سے پوچھا کہ کون آدمی سب سے زیادہ قابل رشک ہے؟ آپ نے فرمایا کہ: ''وہ شخص جو سب سے زیادہ عقل اور سمجھ بوجھ رکھتا ہو''۔ (کتاب العقل ۱۸)

حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ حکیم لقمانؒ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''بیٹے! اچھی طرح جان لو کہ دنیا اور آخرت میں سرداری اور عزت وشرافت کی انتہاء ''بہترین عقل'' ہے، جب آدمی کو عقل کی عمدگی عطا ہوتی ہے تو وہ اس کے عیوب پر پردہ ڈال دیتی ہے اور اس کی

برائیوں کو بھی اچھا بنا کر پیش کرتی ہے‘‘۔ (کتاب العقل ۲۲)

لہٰذا ضروری ہے کہ انسان اس عظیم نعمت کی قدر کرے اور اسے صحیح محل میں استعمال کی فکر کرے۔

شواہد قدرت میں غور وفکر

جس انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل سے نوازا ہے اس کا اولین فریضہ یہ ہے کہ وہ اس عقل کے ذریعہ شواہد قدرت میں غور کیا کرے کہ یہ آسمان اور زمین، چاند اور سورج، رات اور دن کی آمد ورفت وغیرہ کا مضبوط ترین نظام یوں ہی قائم نہیں ہوگیا؛ بلکہ ان مخلوقات کا بنانے والا اور اس زبردست نظام کو چلانے والا کوئی ضرور ہے۔ اور یہ کہ وہ بلا شرکت غیرے اقتدار اور اختیارات کا مالک ہے، ورنہ یہ نظام ہرگز اتنی خوبی سے قائم نہیں رہ سکتا تھا؛ لہٰذا وہ قادر بھی ہے اور واحد اور اکیلا بھی ہے، جس کے ارادہ میں کوئی دخل نہیں دے سکتا اور جس پر کسی کا دباؤ نہیں چل سکتا۔ وہ اپنی مرضی کا خود مالک ہے اور اس نے یہ نظام خواہ مخواہ بے کار قائم نہیں کیا ہے؛ بلکہ اس کی کچھ نہ کچھ حکمت ضرور ہے۔ جو شخص بھی ماحول سے ہٹ کر انصاف کے ساتھ اپنی عقل سے کام لے گا وہ ضرور مذکورہ نتیجہ تک پہنچ جائے گا۔ یہی وہ فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو پیدا فرمایا ہے، اسی کا ذکر کرتے ہوئے قرآنِ کریم میں فرمایا گیا:

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفاً، فِطْرَةَ اللّٰـهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا، لَاتَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰـكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَايَعْلَمُوْنَ. (الروم: ۳۰)

سو تو سیدھا رکھ اپنا منہ دین پر ایک طرف کا ہو کر، وہی تراش اللہ کی جس پر تراشا لوگوں کو، اللہ کی بنائی ہوئی چیز میں تبدیلی نہیں ہوسکتی یہی ہے دین سیدھا مگر اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر انسان کو ایسی عقلی صلاحیت عطا فرمائی ہے کہ وہ ذرا بھی غور کرے تو عقیدۂ وحدانیت تک بآسانی رسائی حاصل کرسکتا ہے۔ قرآنِ کریم میں جا بجا ترغیب دی

گئی ہے کہ انسان قدرتِ خداوندی میں غور کر کے اپنی اصلی فطرت کی طرف لوٹ آئے، ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالاَرْضِ وَاخْتِلافِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ لاٰیَاتٍ لِّاُولِیْ الْاَلْبَابِ، اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰماً وَّقُعُوْداً وَّعَلیٰ جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ، رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً، سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ. (ال عمران ۱۹۰-۱۹۱)

بے شک آسمان اور زمین کا بنانا اور رات اور دن کا آنا جانا، اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کو، وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے، اور فکر کرتے ہیں آسمان اور زمین کی پیدائش میں، کہتے ہیں اے ہمارے رب ! آپ نے یہ بے کار نہیں بنایا آپ سب عیبوں سے پاک ہیں، سو ہم کو بچائیے دوزخ کے عذاب سے۔

یہ وہ آیتیں ہیں جو پیغمبر علیہ السلام اکثر رات میں تہجد کے وقت اٹھ کر تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

(بخاری شریف: ۳۰/۱)

عقیدۂ شرک عقل کے خلاف ہے

اس کے برخلاف جو انسان اللہ تعالیٰ کے وجود کو نہ مانے یا اس کے ساتھ کسی کو اور کسی بھی درجہ میں شریک اور ساجھی قرار دے وہ خود اپنی عقل کے خلاف رائے اپنانے والا ہے؛ کیوں کہ یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ بغیر بنائے کوئی چیز بن جائے اور یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ ایک نظام بیک وقت دو متوازی طاقتوں کے ذریعہ بخیر وخوبی چل جائے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَوْ کَانَ فِیْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا. (الانبیاء ۲۲)

اگر ہوتے ان دونوں میں اور حاکم اللہ کے سوا تو دونوں خراب ہوجاتے۔

اس کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

’’اس کو یوں سمجھو کہ عبادت نام ہے کامل تذلل کا، اور کامل تذلل صرف اسی ذات کے سامنے اختیار کیا جاسکتا ہے جو اپنی ذات وصفات میں ہر طرح کامل ہو اسی کو ہم ’’اللہ‘‘ یا ’’خدا‘‘ کہتے ہیں۔ ضروری ہے کہ خدا کی ذات ہر قسم کے عیوب ونقائص سے پاک ہو، نہ وہ کسی حیثیت سے ناقص ہو نہ بیکار، نہ عاجز ہو نہ مغلوب، نہ کسی دوسرے سے دبے نہ کوئی اس کے کام میں روک ٹوک کرسکے۔ اب اگر فرض کیجئے آسمان وزمین میں دو خدا ہوں، تو اگر دونوں اسی شان کے ہوں گے، اس وقت دیکھنا یہ ہے کہ عالم کی تخلیق اور علویات وسفلیات کی تدبیر دونوں کے کلی اتفاق سے ہوتی ہے یا گاہ بگاہ باہم اختلاف بھی ہو جاتا ہے۔ اتفاق کی صورت میں دو احتمال ہیں: یا تو اکیلے ایک سے کام نہیں چل سکتا تھا؛ اس لئے دونوں نے مل کر انتظام کیا تو معلوم ہوا کہ دونوں میں سے ایک بھی کامل قدرت والا نہیں، اور اگر تنہا ایک سارے عالم کا کام کامل طور پر سرانجام دے سکتا تھا تو دوسرا بیکار ٹھہرا الخ۔ اور اگر اختلاف کی صورت فرض کریں تو لامحالہ مقابلہ میں ایک مغلوب ہوکر اپنے ارادہ اور تجویز کو چھوڑ بیٹھے گا تو وہ خدا نہ رہا، اور یا دونوں بالکل مساوی ومتوازی طاقت سے ایک دوسرے کے خلاف اپنے ارادہ اور تجویز کو عمل میں لانا چاہیں گے تو اول تو (معاذ اللہ) خداؤں کی اس رسہ کشی میں سرے سے کوئی چیز موجود ہی نہ ہو سکے گی، اور موجود چیز پر زور آزمائی ہونے لگی، تو اس کش مکش میں ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو جائے گی۔ یہاں سے یہ نتیجہ نکلا کہ اگر آسمان وزمین میں دو خدا ہوتے تو آسمان وزمین کا یہ نظام کبھی کا درہم برہم ہو جاتا، ورنہ ایک خدا کا بیکار یا ناقص وعاجز ہونا لازم آتا جو خلاف مفروض ہے‘‘۔ (فوائد عثانی بر ترجمہ شیخ الہندؒ ۴۳۱)

اسی بات کو قرآنِ کریم میں دوسری جگہ اس طرح بیان کیا گیا:

مَـا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذاً لَذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَـعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ، سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ. (المؤمنون ۹۱)	اللہ نے کوئی بیٹا نہیں بنایا، اور نہ اس کے ساتھ کسی کا حکم چلے، یوں ہوتا تو لے جاتا ہر حکم والا اپنی بنائی چیز کو، اور چڑھائی کرتا ایک پر ایک، اللہ نرالا ہے ان کی بتلائی باتوں سے۔

تو پتہ چلا کہ اللہ کی ذات وصفات میں کسی دوسرے کو شریک ماننا پرلے درجہ کی جہالت اور

حماقت ہے، کوئی بھی عقل مند شخص اسے قبول نہیں کر سکتا، حتی کہ قرآنِ کریم نے یہاں تک فرمادیا کہ اللہ پر ایمان نہ لانے والے اور شرک و بت پرستی وغیرہ پر جمنے والے لوگ دائرۂ انسانیت ہی سے خارج اور جانوروں اور چوپایوں کی صف میں کھڑے کئے جانے کے لائق ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْراً مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَايُبْصِرُوْنَ بِهَا. وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَايَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ.

اور ہم نے پیدا کئے دوزخ کے واسطے بہت سے جن اور آدمی، ان کے دل ہیں کہ ان سے سمجھتے نہیں، اور آنکھیں ہیں کہ ان سے دیکھتے نہیں، اور کان ہیں کہ ان سے سنتے نہیں، وہ ایسے ہیں جیسے چوپائے؛ بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ، وہی لوگ ہیں غافل۔

(الاعراف ١٧٩)

دوسری جگہ فرمایا:

اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَايُؤْمِنُوْنَ. (الانفال ٥٥)

اللہ کے یہاں سب جانداروں میں بدتر وہ ہیں جو منکر ہوئے پھر ایمان نہیں لائے۔

شرک کا گناہ کیوں معاف نہیں؟

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر گناہ معاف کردے گا مگر شرک کا گناہ معاف نہیں ہوگا۔ ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَايَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالاً بَعِيْداً. (النساء ١١٦)

بے شک اللہ نہیں بخشتا جو اس کا شریک کرے کسی کو اور بخشتا ہے اس کے سوا جس کو چاہے، اور جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا وہ بہک کر دور جا پڑا۔

یعنی جو شخص شرک کی حالت میں دنیا سے گیا اس کا دائمی ٹھکانا جہنم ہی ہوگا، اس کی وجہ یہی

ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عقل سے نواز کر اتنی صلاحیت تو ہر عقل مند کو پہلے ہی سے عطا کر دی ہے کہ وہ ذراسی توجہ سے شرک کے گھناؤنے عقیدہ سے بچ سکتا ہے، اس نعمت عظمیٰ کے ہونے کے باوجود اگر کوئی شخص شرک سے نہ بچے تو ظاہر ہے کہ اس سے بڑا احسان فراموش اور غافل اور کون ہوسکتا ہے؟

شریعت کی پابندی عین مقتضاء عقل ہے

جب یہ بات طے ہوگئی کہ وجود خداوندی اور وحدانیت پر ایمان لائے بغیر عقل کے تقاضے پر عمل نہیں ہوسکتا تو پھر اب یہ بھی لازم ہوگا کہ زندگی گذارنے کے اس طریقہ کی تلاش کی جائے جو پرودگار عالم کی خوشنودی کے حصول کا ذریعہ اور اس کی ناراضگی سے بچاؤ کا سبب ہو، اسی ذریعہ اور سبب کا نام ''شریعت'' ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے مخصوص بندوں (انبیاء علیہم السلام) کے واسطے سے اپنے بندوں تک پہنچایا ہے، اور اس سلسلہ کی آخری کڑی شریعت محمدی ہے، جسے خاتم النبیین سید الانبیاء والمرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے لے کر دنیا میں تشریف لائے۔ اب جو شخص اللہ پر ایمان لائے گا اور پیغمبر علیہ السلام کی نبوت ورسالت کا اقرار کرے گا اللہ کی نظر میں بس وہی عقل مند کہلائے گا۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى، فَبَشِّرْ عِبَادِ. اَلَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ هَدَاهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ. (الزمر ۱۷-۱۸)

اور جو لوگ بچے شیطانوں سے اور رجوع ہوئے اللہ کی طرف ان کے لئے خوش خبری ہے، سو تو خوشی میرے بندوں کو سنا دے، جو سنتے ہیں بات پھر چلتے ہیں اس پر جو اس میں نیک ہے، وہی ہیں جن کو اللہ نے راستہ دیا اور وہی ہیں عقل والے۔

شریعت سے روگردانی سب سے بڑی بے وقوفی ہے

اس کے برخلاف جو شخص شریعت کے مطابق عقیدہ اور عمل نہ اپنائے اسے چاہے دنیا کتنا ہی

دانشمند اور عقل مند سمجھے وہ آخری درجہ کا احمق اور بے وقوف ہے، منافقین اپنے آپ کو عقل مند اور ایمان لانے والے صحابہ کو بے وقوف سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی اس خام خیالی کو دفع فرماتے ہوئے برملا اعلان کیا کہ اہل ایمان بے وقوف نہیں؛ بلکہ خود یہ منافقین بے وقوف ہیں، مگر انہیں اپنی حماقت کا احساس تک نہیں ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَا اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْا اَنُؤْمِنُ كَمَا اٰمَنَ السُّفَهَاءُ اَلَا اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلٰكِنْ لَا يَعْلَمُوْنَ. (البقرة: ۱۳)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ جس طرح ایمان لائے سب لوگ، تو کہتے ہیں کہ کیا ایمان لائیں جس طرح ایمان لائے بے وقوف، جان لو وہی ہیں بے وقوف؛ لیکن نہیں جانتے۔

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں:

''یعنی بے وقوف حقیقت میں منافقین ہی ہیں کہ مصالح واغراض دنیوی پا در ہوا کی وجہ سے آخرت کا خیال نہ کیا، فانی کو لینا اور باقی کو چھوڑ دینا کس قدر حماقت ہے۔ اور مخلوقات سے ڈرنا کہ جن سے ہزار طرح اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں اور علام الغیوب سے نہ ڈرنا کہ جہاں کسی طرح کوئی امر پیش ہی نہ کیا جا سکے کتنی جہالت ہے''۔ (ترجمہ شیخ الہند ۵)

سب سے بڑی عقل مندی تقویٰ اور فکر آخرت ہے

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ.

(ابن ماجة ۴۲۶۰، ترمذی شریف ۲۴۶، الترغیب والترهیب ۵۰۴۲)

سب سے عقل مند شخص وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے اور مرنے کے بعد والی زندگی کے لئے یہاں کام کرے، اور ناتواں اور بے وقوف شخص وہ ہے جو اپنے کو اپنی خواہشات کے تابع بنا لے اور (بلا کچھ کئے) اللہ تعالیٰ سے امید رکھے۔

لوگ سمجھتے ہیں کہ عقل مندی اس کا نام ہے کہ آدمی مال ودولت کے انبار جمع کر لے یا جوڑ

توڑ کر کے سیاسی مناصب اور عہدے حاصل کر لے، یا اپنے حسن انتظام سے لوگوں کو حیرت زدہ کر دے۔ مگر اللہ تعالیٰ اور پیغمبر علیہ السلام کی نظر میں یہ سب چیزیں عقل مندی کا معیار ہر گز نہیں ہیں؛ بلکہ اس کا معیار صرف یہ ہے کہ انسان اپنے رب حقیقی کو راضی کرنے والا بن جائے اور اس کی ناراضگی والے اعمال سے اپنے کو بچالے۔ خلیفۂ اول سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت کے منصب پر فائز ہونے کے بعد سب سے پہلے جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں ایک جملہ یہ بھی تھا جو سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ آپ نے فرمایا :

اِنَّ اَکْیَسَ الْکَیْسِ التَّقْویٰ وَاَحْمَقَ الْحُمُقِ الْفُجُوْرُ. (موسوعة اٰثار الصحابه ۱/۳۵)	بلاشبہ بڑی دانش مندی تقوی اور پرہیزگاری ہے اور سب سے بڑی بے وقوفی فسق وفجور اور گناہوں کا ارتکاب ہے۔

حکیم لقمان رضی اللہ عنہ کا مقولہ مشہور ہے آپ نے فرمایا:

اِنَّمَا الْعَاقِلُ مَنْ یَخَافُ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ. (کتاب العقل: ۳۶)	عقل مند شخص وہی ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے۔

حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں: ’’عقل مند شخص وہ نہیں ہے جو اچھائی اور بھلائی کا محض علم رکھے؛ بلکہ دراصل عقل مند شخص وہ ہے جو بھلائی کو پہچان کر اس پر عمل کرے اور برائی کو جان کر اس سے اجتناب کرے‘‘۔ (کتاب العقل ۲۸)

ابراہیم ابن اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے ورد بن محمد بن نصرویہ سے پوچھا کہ ’’عقل مندی کیا ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ عقل مندی یہ ہے کہ تمہاری بردباری تمہاری جاہلانہ باتوں اور خواہشات پر غالب رہے‘‘۔ (کتاب العقل ۲۲)

اس لئے انسان کو چاہئے کہ وہ صحیح معنی میں دانش مند بننے کے لئے زندگی کے قیمتی لمحات کو کام میں لگائے اور انہیں واہی تباہی کاموں اور معاصی ومنکرات میں صرف کر کے حماقت کا مرتکب نہ ہو۔ افسوس ہے کہ آج انسان اپنی دانش مندی اور دانش وری کا دعویٰ تو بہت کرتا ہے؛ لیکن کمال عقل کے تقاضوں کو پورا کرنے میں حد درجہ سستی اور کوتاہی سے کام لیتا ہے، جس کا اثر یہ ہے کہ

انسان تو موجود ہیں مگر ان میں انسانیت دم توڑتی جارہی ہے اور انسانیت کی فطری صفات سے انسان دور ہوتا جارہا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اپنا محاسبہ کریں اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتِ عقل کی قدردانی کریں؛ تاکہ ہماری انسانیت داغ دار نہ ہو۔

دس باتیں: کمال عقل کی نشانی

حضرت وہب بن منبہ ارشاد فرماتے ہیں کہ: عقل سے افضل کسی چیز کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی عبادت متصور نہیں ہے (یعنی عاقل شخص ہی صحیح معنی میں عبادت کرسکتا ہے) اور انسان کی عقل اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس میں درج ذیل دس صفات نہ پائی جائیں:

(١) اس کی طرف سے تکبر سے حفاظت ہو۔

(٢) اس سے خیر اور بھلائی کی امید رکھی جائے۔

(٣) بقدر ضرورت روزی پر وہ قناعت کرنے والا ہو۔

(۴) ضرورت سے زائد مال کو خرچ کرنے والا ہو۔

(۵) بڑائی کے مقابلہ میں انکساری اسے زیادہ پسند ہو۔

(٦) عزت کے مقابلہ میں ذلت و مسکنت اسے زیادہ محبوب ہو۔

(٧) زندگی بھر وہ علم کے طلب کرنے سے نہ اکتائے۔

(٨) خیر کے طلب گاروں سے کبھی ناگواری محسوس نہ کرے۔

(٩) دوسرے کی طرف سے تھوڑی بھلائی کو بھی بہت زیادہ سمجھے اور اپنی طرف سے کی گئی زیادہ بھلائی کو بھی کم سے کمتر سمجھے۔

(١٠) اور آخری ایک ایسی صفت ہے جو عاقل کے سب امور کی جان کی حیثیت رکھتی ہے اسی کے ذریعہ سے وہ سربلندی حاصل کرتا ہے اور اسی کی بدولت اس کا نام روشن ہوتا ہے۔ اور دنیا اور آخرت میں اس کے درجات بلند ہوتے ہیں، پوچھا گیا کہ وہ آخری صفت کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ وہ یہ ہے کہ آدمی اپنے علاوہ دیگر لوگوں کو دو طبقوں میں خیال کرے، کچھ اپنے سے افضل اور

کچھ اپنے سے کمتر۔ پھر جب کوئی اس سے برتر شخص سامنے سے گذرے تو اس کے سامنے نرمی سے پیش آئے اور تمنا کرے کہ اللہ تعالیٰ اسے انہی کے ساتھ ملحق کردے۔ اور جب کسی ایسے شخص پر نظر پڑے جو اس کی نظر میں کمتر تھا تو یہ سوچے کہ ممکن ہے کہ یہ نجات پا جائے اور میں ہلاک ہو جاؤں، اور ہوسکتا ہے کہ اس کا باطنی معاملہ جو ہمارے سامنے ظاہر نہیں ہے وہ اس سے بہتر ہو اور اپنا ظاہر دیکھ کر یہ سوچے کہ ممکن ہے کہ یہ میرے لئے خیر نہ ہو۔ تو جو شخص اس طرح کا نظریہ رکھے گا تو اس کی عقل کامل قرار پائے گی اور وہ اہل زمانہ کی سرداری کرے گا۔ اور وہی اللہ کی رحمت اور اس کی جنت کی طرف تیز ترین رفتار کے ساتھ جانے والوں میں شامل ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ (کتاب العقل ۱۸)

ان سب باتوں کا خلاصہ یہ ہوا کہ کمال عقل کی سب سے بڑی نشانی تواضع اور حق وانصاف کی بات کو قبول کر لینا ہے۔ یہ تواضع اللہ کے ساتھ بھی ہو، پیغمبر علیہ السلام کے لئے بھی ہو، جس کا واجبی تقاضا اطاعت خدا اور اطاعت رسول ہی ہے۔ علاوہ ازیں کمال عقل کے لئے عام لوگوں کے ساتھ نرمی اور تواضع کرنا بھی لازم ہے۔ متواضع آدمی ہی لوگوں کے دلوں میں جگہ بنا سکتا ہے، ورنہ ذرا سی بڑائی اور شیخی کا اظہار تمام کری کرائی محنت پر پانی پھیر دیتا ہے۔ بالخصوص جو شخص اس وہم میں مبتلا ہو کہ عقل تو بس میرے ہی پاس ہے، بقیہ تو سب لوگ احمق ہیں تو یہ اس کے سب سے بڑے جاہل اور احمق ہونے کی دلیل ہوتی ہے۔ بعض حکماء کا قول نقل کیا گیا ہے کہ: ''جو شخص یہ گمان کرے کہ وہی عقل مند ہے بقیہ سب بے وقوف ہیں تو یوں سمجھو کہ اس کی جہالت اپنی انتہاء کو پہنچ گئی ہے''۔ (کتاب العقل ۳۰)

بہرحال ہمیں نعمت عقل کی کی قدر کرنی چاہئے اور اپنی زندگی میانہ روی، اعتدال اور شریعت کی مکمل پابندی کے ساتھ گذارنی چاہئے؛ تا کہ ہم دنیا اور آخرت میں سرخ رو ہوسکیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں خیر کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی جون ۲۰۰۶ء)

دعائے موسیٰ علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں انبیائے سابقین علیہم السلام کے واقعات ومکالمات جا بجا ذکر فرمائے ہیں، ان میں سے ہر واقعہ اور مکالمہ اپنے اندر بے شمار عبرتیں اور نصیحتیں مخفی رکھتا ہے۔ اسی ضمن میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ طٰہٰ میں سیدنا حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کا تفصیل سے ذکر فرمایا ہے کہ وہ ''مدین'' سے واپسی میں آگ لینے طور پہاڑ کی طرف گئے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے وہیں ''وادیٔ طُویٰ'' میں ان کو نبوت ورسالت سے سرفراز فرمایا، اور ساتھ میں دو نشانیاں بھی عطا فرمائیں: ایک تو یہ کہ لاٹھی کو زمین پر ڈالا تو وہ اژدہے میں تبدیل ہوگئی، اور دوسرے یہ کہ آپ نے ہاتھ کو بغل سے نکالا تو وہ چمکتا ہوا نکلا۔ یہ دونوں نشانیاں دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ فرعون بہت بغاوت پر اترا ہوا ہے اور اس نے سرکشی کی حد ہی کردی ہے اس لئے تم اس کے پاس جاؤ، حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت تنہا اور اکیلے تھے، اور پھر یہ کہ جن حالات میں مصر سے نکلے تھے وہ حالات بھی بڑے خطرناک تھے کہ آپ کے دست مبارک سے غیر ارادی طور پر فرعون کی قوم کے ایک آدمی کا قتل ہوگیا تھا اور قصاص کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تلاش تھی، تو اب جب کہ فرعون اسی کرّ وفر کے ساتھ حکومت پر متمکن ہے، اس کے پاس جائیں گے تو پتہ نہیں وہ کیا کرے؟ یہ خطرہ درپیش تھا، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا حکم ملنے کے بعد سراپا عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی شروع کردی؛

شرح صدر کی دعا

اور عرض کیا: ﴿رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ﴾ یعنی الٰہ العالمین جس کام کے لئے آپ نے

مجھے منتخب فرمایا ہے اس کے لئے میرا سینہ منشرح فرما دیجئے، اگرچہ پیغمبر ہونے کے اعتبار سے آپ کا سینۂ اقدس پہلے ہی سے منشرح تھا، لیکن آپ نے عبدیت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے شرح صدر میں مزید اضافہ کی درخواست کی۔ (تفسیر کبیر ۳۹/۱۱)

یہ شرح صدر کسی بھی کام کو انجام دینے کے لئے بنیادی اہمیت رکھتا ہے، اگر آدمی کی طبعیت کسی کام کو کرنے پر پوری طرح مطمئن نہیں ہے تو چاہے بہت آسان ہی کام کیوں نہ ہو؟ آدمی اسے انجام دینے میں لیت ولعل سے کام لیتا ہے، اور اگر طبعیت مطمئن ہو جائے تو پھر یہی آدمی جو دیکھنے میں کمزور اور ناتواں معلوم ہوتا ہے اتنے بڑے بڑے کام کر ڈالتا ہے کہ خود اسے حیرانی ہوتی ہے کہ میں نے یہ کیسے کیا؟ بہرحال دین پر شرح صدر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی دولت ہے۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اس کو متعدد جگہ بطور احسان ذکر فرمایا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے:

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ، وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقاً حَرَجاً كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ.
(الانعام: ۱۲۶)

سو جس کو اللہ چاہتا ہے کہ ہدایت کرے تو کھول دیتا ہے اس کے سینہ کو اسلام قبول کرنے کے لئے، اور جس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے اس کے سینہ کو بے انتہا تنگ کر دیتا ہے، گویا کہ وہ زور سے چڑھتا ہے آسمان پر۔

اور دوسری جگہ فرمایا:

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ، فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ، اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ. (الزمر: ۲۲)

بھلا جس کا سینہ کھول دیا اللہ نے دین اسلام کے واسطے سو وہ روشنی میں ہے اپنے رب کی طرف سے، سو خرابی ہے ان کو جن کے دل سخت ہیں اللہ کی یاد سے، اور وہ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

معلوم ہوا کہ اطمینان قلبی اور شرح صدر عظیم ترین نعمت ہے، بعض روایات میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ ”شرح صدر“ کی حقیقت کیا ہے؟ تو پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ”وہ ایک

روشنی ہے جو دل میں ڈالی جاتی ہے''، پھر عرض کیا گیا کہ اس کی نشانی کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''اس کی تین علامتیں ہیں: (۱) دنیا داری سے اجتناب (۲) آخرت کی طرف رجوع (۳) اور موت سے پہلے موت کی تیاری''۔ (تفسیر کبیر ۱۱/۴۱)

الغرض جسے ایمان پر شرح صدر نصیب ہوتا ہے اس کی عزیمت کا کوئی ٹھکانا نہیں رہتا، پھر شریعت کے بارے میں وہ کسی لالچ یا دھمکی سے مرعوب نہیں ہوتا، اور دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت اس کی نظر میں ہیچ ہوجاتی ہے۔ چناں چہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جادوگروں سے مقابلہ ہوا اور جادوگر اپنی تمام ہمہ دانی کے باوجود مقابلہ میں ہار گئے، تو انہیں ایسا ایمانی نور اور اطمینان قلبی میسر ہوا کہ وہ فرعون کی ہزار دھمکیوں کے باوجود ذرہ برابر بھی ٹس سے مس نہیں ہوئے، اور انہوں نے برملا کہہ دیا:

فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ، اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا. (طٰہٰ: ۷۲)
سو تو کر گزر جو تجھ کو کرنا ہے، تو یہی کرے گا اس دنیا کی زندگی میں۔

ہمارے آقا و مولیٰ فخر دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کامل مکمل شرح صدر سے نوازا تھا، چناں چہ اس نعمت کو بطور احسان شمار کرایا گیا اور ارشاد ہوا:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ. کیا ہم نے نہیں کھول دیا تیرا سینہ؟

(الانشراح: ۱)

اسی شرح صدر کا اثر تھا کہ رنج کی حالت ہو یا خوشی کی، ہر حالت میں آپ دنیا والوں سے بے پرواہ ہوکر اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ احکامات کی تعمیل وتنفیذ میں ہمہ تن مشغول رہتے تھے، اور آپ کے بلند پایہ عزم کو کوئی ہلانے کی ہمت نہ رکھتا تھا۔ اسی عزیمت کی بدولت بڑے بڑے معرکے آپ نے سر کئے اور کامیابیوں نے آپ کے قدم چومے۔ پھر یہی شرح صدر خلفائے عظام اور اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں منتقل ہوا جس کی ایک کھلی ہوئی مثال یہ ہے کہ:

عزم صدیقی رضی اللہ عنہ کا اثر

جناب رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد عرب کے بعض علاقوں میں ارتداد کی وبا پھیل گئی،

اور کچھ لوگ تو بالکل صراحتاً مرتد ہوگئے، اور ایک جماعت یہ کہنے لگی کہ ٹھیک ہے نماز روزہ کی جہاں تک بات ہے، کرتے رہیں گے، لیکن ہم پیغمبر علیہ السلام کے زمانہ میں حکومت کو جو زکوٰۃ ادا کیا کرتے تھے اب وہ نہیں دیں گے، اب زکوٰۃ ہم اپنے پاس رکھیں گے اور حکومت کو ایک پیسہ بھی نہیں دیں گے، اس صورت حال پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں آپس میں مشورہ ہوا کہ کیا کرنا چاہئے؟ تو بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم؛ بلکہ اکثر کی رائے یہ تھی کہ ان لوگوں سے جنگ نہ کی جائے؛ بلکہ پہلے ان سے نپٹا جائے جو کھلے طور پر کافر ہوگئے ہیں، یہ کم سے کم نماز روزہ کو تو مان رہے ہیں، لہٰذا ان کو ساتھ رکھ کر کے بقیہ لوگوں سے لڑا جائے، لیکن سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو خلیفہ اول ہیں، انہوں نے یہ اعلان فرمایا کہ: ’’جو آدمی نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا، اور ایک رسّی بھی جو پیغمبر علیہ السلام کے زمانہ میں زکوٰۃ میں دیتا تھا اور آج نہیں دے گا تو میں اس سے بھی جہاد کروں گا‘‘۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے بھی شروع میں یہی تھی کہ ابھی ان لوگوں سے جہاد نہ کیا جائے؛ بلکہ ان کو ساتھ لے کر دوسروں سے لڑا جائے، انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جا کر یہ کہا کہ آپ ذرا نرمی سے کام لیجیے، جو لوگ زکوٰۃ نہیں دے رہے ہیں نہ دیں ان سے درگزر کیجیے، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ: ’’عمر! زمانہ جاہلیت میں تو بڑے زور آور تھے اب اسلام میں نرمی دکھلا رہے ہو، سن لو اب وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے، اور دین مکمل ہو چکا ہے، دین میں کوئی ایک شعبہ گھٹ جائے اور ابوبکر زندہ رہے، یہ نہیں ہوسکتا‘‘۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بس مجھے یقین ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں شرح صدر فرما دیا ہے، لہٰذا یہی حق ہے۔ (مستفاد: مسلم شریف ۱/۳۷، مشکوٰۃ شریف ۲/۵۵۶، تاریخ الخلفاء مترجم ۹۲، ۹۳)

چناں چہ اس نازک موڑ پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس پُر عزم فیصلہ نے تاریخ کا دھارا موڑ دیا اور چند ہی دنوں میں کفر وارتداد کے بادل قطعاً چھٹ گئے۔ واقعی اگر ایسا عزم ہو کہ کوئی ساتھ دے یا نہ دے، کوئی آئے یا نہ آئے، اللہ کے اوپر بھروسہ کر کے قدم آگے بڑھا دے، تو ایسے کاموں میں کامیابی اور اللہ کی نصرت قدم چومتی ہے، اور اگر تردد دل میں رہے کہ کروں یا نہ کروں، آگے بڑھے اور پھر پیچھے ہٹے، تو اس طرح کوئی کام نہ دنیا کا ہوسکتا ہے اور نہ ہی دین کا ہوسکتا ہے۔

بہت سے لوگ دنیا میں بھی اسی تردد میں زندگی گزارتے ہیں، کہ آج کوئی کام کیا اور اس میں کوئی نقصان ہو گیا، پھر دوسرا شروع کر دیا، دوسرا شروع کیا تھا کچھ گڑبڑ ہو گئی پھر تیسرا شروع کر دیا، کسی کام پر جمتے نہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ مسلسل پریشان رہتے ہیں، اور اگر آدمی ایک کام پر جم جائے کہ بس اس میں مجھ سے جو ہو گا وہی کروں گا تو پھر اللہ تعالیٰ اس میں راستے کھول دیتے ہیں۔

الغرض سب سے پہلی دعا سیدنا حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ فرمائی کہ الٰہ العالمین آپ کا حکم سر آنکھوں پر؛ لیکن اب درخواست یہ ہے کہ میرا سینہ اس پر کھولے رکھئے؛ تاکہ میں کامل طور پر آپ کے مشن کی تعمیل و تکمیل کر سکوں۔

آسانی کی درخواست

اس کے بعد دوسری دعا فرمائی: ﴿وَيَسِّرْ لِيْ اَمْرِيْ﴾ یعنی میرا معاملہ اور میرا جو مشن ہے اور مجھے جس ڈیوٹی پر لگایا جا رہا ہے وہ میرے لئے آسان فرما دیجئے، کیوں کہ شرح صدر ہو جائے اور آدمی آگے بڑھ چلے؛ لیکن راہ میں رکاوٹیں ہوں مشکلات پیش آئیں، تو ظاہر ہے کہ یہ معاملہ آدمی کے لئے تنگی کا باعث بنتا ہے، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے درخواست کی کہ الٰہ العالمین میرے لئے معاملہ آسان فرما دیجئے۔ اس میں ایک تعلیم یہ بھی دی گئی کہ آدمی کتنا ہی باصلاحیت کیوں نہ ہو، اسے کبھی بھی اپنی استعداد پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے؛ بلکہ ہمیشہ اپنی کمزوری پر نظر رہے اور اللہ تعالیٰ سے آسانی اور عافیت کی درخواست کرتا رہے؛ کیوں کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے یسر کا فیصلہ اور اسبابِ کار کی فراہمی نہ ہو، آدمی اپنے مقصود و مطلوب تک ہرگز رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔

زبان کی اہمیت

تیسری دعا یہ فرمائی: ﴿وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ، يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ﴾ کہ یہ دعوتِ دین کا کام ہے اور اس کے لئے زبان کی بڑی اہمیت ہے، بہترین انداز میں بات کہی جائے، مؤثر انداز میں کہی جائے، فصیح انداز میں کہی جائے تو اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کے ساتھ ﴿عَلَّمَهُ الْبَيَانَ﴾ (اس کو قوتِ بیان سکھلائی) کو ذکر کیا کیوں کہ عقل و زبان یہی وہ دو ممتاز

صفات ہیں جن سے انسان دیگر حیوانات سے ممتاز ہوتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ: ''اگر آدمی کے پاس زبان نہ ہوتو وہ یا تو بے فائدہ جانور ہے یا تراشا ہوا بت'' (تفسیر کبیر ١١/٤٧) مزید یہ کہ یہی زبان دنیا میں علمی فیضان کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی زبان کی گرہ کھولے جانے کی درخواست کی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں تھوڑی سی لکنت تھی، اور اس کی وجہ مفسرین نے یہ لکھی ہے کہ بچپن میں ایک مرتبہ جب آپ فرعون کے محل میں پرورش پا رہے تھے تو فرعون کے دربار میں پہنچ گئے، اور بھرے دربار میں فرعون کی ڈاڑھی پکڑ کر چپت لگا دیا، بچے ایسا کیا ہی کرتے ہیں، انہیں تو تمیز نہیں کہ کون بڑا کون چھوٹا؟ تو جو درباری تھے انہوں نے کہا کہ دیکھا اس نے ابھی سے پر نکالنے شروع کردئے، سارے دربار میں آپ کو ذلیل کر دیا، فرعون کو جلال آ گیا، اور حکم دے دیا کہ اسے قتل کرو، اور اندر آ کر بیوی سے کہا کہ یہ تمہاری وجہ سے یہاں رہ رہا ہے، اس نے مجھے آج ایسا بے عزت کردیا اب اس کو چھوڑوں گا نہیں، تو بیوی (حضرت آسیہؓ) نے فرمایا کہ جلد بازی کیوں کرتے ہیں؟ یہ تو بچہ ہے بے چارہ ناسمجھ ہے، جان بوجھ کر اس نے ایسا نہیں کیا ہوگا، اور ابھی پتہ چل جائے گا کہ یہ ناسمجھ ہے یا سمجھ دار؟ تو ایک طشت میں دہکتے ہوئے انگارے منگائے اور دوسرے طشت میں چمکتے ہوئے ہیرے جواہرات منگوائے اور دونوں کو سامنے کردیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے کہنے پر انگارا اٹھایا، کیوں کہ اس وقت حکمت یہی تھی کہ یہ ثابت کیا جائے کہ ناسمجھی میں یہ عمل ہوا ہے، اور جلدی سے اٹھا کر منہ میں رکھ لیا جیسا کہ بچوں کی عادت ہوتی ہے، تو خود انگارہ منہ میں رکھنے کی وجہ سے زبان کے اندر لکنت سی پیدا ہوگئی تھی۔ (احکام القرآن قرطبی ٦/١١٢)

بریں بنا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی کہ جس مشن پر آپ ہمیں بھیجنے والے ہیں، اس میں زبان کی ضرورت پڑے گی، لہٰذا میری زبان میں جو گرہ ہے وہ کھل جائے، اور اس طرح سے کھلے کہ لوگ میری بات اچھی طرح سے سمجھ لیں۔

بہتر معاون کی ضرورت

اور چوتھے نمبر پر فرمایا: ﴿وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْراً مِّنْ اَھْلِیْ، ھٰرُوْنَ اَخِیْ، اشْدُدْ بِهٖ اَزْرِیْ،

وَاشْرِکْهُ فِیْ اَمْرِیْ، کَیْ نُسَبِّحَکَ کَثِیْراً وَّنَذْکُرَکَ کَثِیْراً، اِنَّکَ کُنْتَ بِنَا بَصِیْراً﴾ عرض کیا کہ الٰہ العالمین! میں اکیلا ہوں، میرے کسی رشتہ دار، عزیز قریبی کو میرا معاون اور ساتھی بنا دیجئے، اور وہ میرے بھائی ''ہارون'' اگر بن جائیں تو بڑا اچھا رہے گا، یعنی جس کام پر مجھے بھیجا جا رہا ہے، اس میں میرے بھائی کو بھی شریک کرلیا جائے، اور انہیں بھی نبی بنا کر میری پشت مضبوط کردی جائے؛ تا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید اور اللہ کا ذکر مضبوطی کے ساتھ، جوش وخروش کے ساتھ، ولولہ اور حوصلہ کے ساتھ کرتے رہیں، اور آپ تو ہمارے حالات سے واقف ہیں ہی۔

واضح رہنا چاہئے کہ دنیا میں کوئی کام بغیر بہترین معاونین کے انجام نہیں دیا جاسکتا۔ جس طرح وزیروں کے بغیر حکومت نہیں چل سکتی اسی طرح بہترین، مخلص اور جانباز ساتھیوں کے بغیر کوئی مشن پورا نہیں ہوسکتا، ہمیشہ اچھے ادارے اچھے افراد سے تعمیر پاتے ہیں، یا بالفاظ دیگر اچھے افراد مل کر ہی اچھا ادارہ تشکیل کرتے ہیں، اگر افراد معتمد علیہ اور مخلص نہ ہوں تو محض مادی اسباب اور بلند وبالا عمارتوں سے ادارے چل نہیں سکتے، نیز دنیا میں دینی تحریکات ہوں یا دنیوی سرگرمیاں، سب میں کامیابی کی ضمانت مخلص مشیر کار ہی ہوتے ہیں۔ نوشیرواں بادشاہ کا مقولہ مشہور ہے کہ: ''بہترین تلوار دھار لگانے سے، بہترین گھوڑا کوڑے سے، اور دانا ترین بادشاہ وزیر سے کبھی مستغنی نہیں رہ سکتا''۔ (تفسیر کبیر ۱۱؍۵۰) اور پیغمبر علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ جب کسی حاکم اور بادشاہ کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسے ایسا نیک وزیر عطا فرماتے ہیں جو بھولنے پر اسے یاد دلاتا ہے، بھلائی کے کام پر اس کا معاون بنتا ہے، اور برائی کے ارادے سے اسے باز رکھتا ہے''۔ (تفسیر کبیر ۱۱؍۵۰) اس روایت سے مخلص مشیر کی نشانیاں بھی واضح ہوگئیں کہ وہ دیانت وامانت کے ساتھ صحیح مشورہ دیتا ہے اور عام درباریوں کی طرح جی حضوری اور چاپلوسی نہیں کرتا۔ خلاصہ یہ کہ اچھے اور مخلص معاون کسی بھی تحریک کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کو مختصر ترین مدت میں تاریخ کی سب سے بڑی کامیابی جو ملی اس میں بظاہر اسباب اس بات کو بھی دخل تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی رفاقت ومعیت کے لئے جن مقدس افراد (صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو منتخب فرمایا وہ سارے عالم میں اخلاص، وفاداری اور جذبہ قربانی میں ممتاز تھے، جن کی جاں نثاری

کے نتیجہ میں دیکھتے ہی دیکھتے ایک بدترین بگڑے ہوئے معاشرہ میں حیرت انگیز انقلاب آ گیا۔اسی طرح سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ''حواریین'' کی شکل میں مخلص معاونین عطا ہوئے وغیرہ۔ بریں بنا سیدنا حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی یہ درخواست بالکل مناسب حال تھی کہ انہیں جس مشن پر بھیجا جارہا ہے اس کے لئے ایک معتمد ترین معاون عطا کیا جائے جس کی وفاداری میں ذرہ برابر بھی شک نہ ہو، اور چوں کہ آپ کی نظر میں آپ کے برادر اکبر حضرت ہارون علیہ السلام اس کام کے لئے سب سے زیادہ موزوں تھے؛ اس لئے ان کے حق میں سفارش کی اور وزیر کے ساتھ ساتھ انہیں رسول بنانے کی بھی درخواست فرمائی، اس سے معلوم ہوا کہ اپنے اعزاء میں اگر کوئی باصلاحیت اور معتمد ہو تو اس سے کام لینا اور اسے ذمہ داری میں شریک کرنا کوئی معیوب نہیں ہے، البتہ اگر نا اہلیت کے باوجود رشتہ داری کو وجہ ترجیح بنایا جائے، تو یقیناً یہ اعتراض کی بات ہوگی۔

دعائیں قبول ہوگئیں

بہرحال اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سب درخواستیں قبول فرمائیں اور بشارت دی: ﴿قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَکَ یٰا مُوْسیٰ﴾ یعنی شرح صدر، معاملات میں آسانی، زبان کی درستگی کے ساتھ ہارون علیہ السلام کو رسول اور وزیر بنادیا گیا۔ اب جب یہ دونوں نفوس قدسیہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے مشن پر نکلے ہیں تو کامیابی ہر مرحلہ پر ان کے قدم چومتی رہی، فرعون کے دربار میں کلمہ حق پوری جرأت وہمیت سے بلند کیا، جادوگر مقابلہ میں بری طرح ہارے، فرعون لاؤ لشکر سمیت دریا میں غرق ہوا، بنی اسرائیل کو صدیوں کی غلامی سے نجات ملی، وغیرہ۔

مختصر یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مذکورہ بالا پیغمبرانہ دعائیں سبھی اہل ایمان کے لئے مشعل راہ ہیں، معنی کے استحضار کے ساتھ ان کا برابر ورد رکھنا چاہئے اور انہی کی روشنی میں دینی خدمات انجام دینی چاہئیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کے حق میں ان دعاؤں کو قبول فرمائیں۔ آمین۔

(ندائے شاہی نومبر ۲۰۰۷ء)

حکمتِ خداوندی

حضرت موسیٰ وخضر علیہما السلام کے واقعہ کے تناظر میں

دنیا کے اندر انفرادی واجتماعی زندگی میں روزمرہ ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں جو انسان کے وہم وخیال میں بھی نہیں ہوتے، اور بسا اوقات کسی اچانک حادثہ پر طبعیت بے چین ہو اٹھتی ہےاور طرح طرح کے خیالات ذہن ودماغ میں گردش کرنے لگتے ہیں، کبھی ایسی اندوہ ناک صورت پیش آتی ہے کہ آدمی حیران رہ جاتا ہےاور عقل کی کسوٹی پر وہ حالت کسی طرح پوری نہیں اترتی، اور بعض کچے ذہن کے لوگ نعوذ باللہ ذاتِ خداوندی کے بارے میں نامناسب انداز فکر میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔

قرآن مشعلِ راہ

قرآنِ پاک جو رہتی دنیا تک کے لئے انسانیت کے واسطے مشعل راہ ہےاس نے جہاں اور باتوں کی تلقین وتاکید کی ہے وہیں جابجا اس نے یہ واضح کیا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس پوری کائنات کے خالق ومالک اور مربی ہیں، ان کو علم ازلی کلی طور پر حاصل ہےاور کائنات کا کوئی ذرہ اور پتہ بھی اس حاکم مطلق کے حکم واجازت کے بغیر ہل نہیں سکتا، خیر وشر سب صرف اسی ایک مالک الملک کے قبضہ وقدرت میں ہیں، اور ان سب کامل ومکمل اختیارات کے ساتھ ساتھ وہ زبردست حکمت والے بھی ہیں، ان کا کوئی بھی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا، بے شک بعض مرتبہ ہماری عقل ناقص محدود علم ہونے کی بنا پر کسی واقعہ پر چیں بجبیں ہواٹھتی ہے؛ لیکن اگر حقیقت سے پردہ اٹھادیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کو آشکارا کردیا جائے تو وہی بات جس پر عقل معترض تھی عین دانش مندی بن جائے، اور

انسان یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے کہ اس وقت اس سے بہتر اور نفع بخش فیصلہ کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

اسی مضمون کو مزید واضح کرنے اور دل نشین کرنے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ کریم میں سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ کو نہایت عمدہ پیرایہ میں بیان فرمایا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ:

سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک مرتبہ اپنی قوم میں خطاب فرما رہے تھے، ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے سوال کیا کہ اس وقت روئے زمین پر سب سے بڑا عالم کون ہے؟ چوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی تھے اور نبی کو سب سے زیادہ علم اللہ کی طرف سے عطا ہوتا ہے؛ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرما دیا کہ: ''میں سب سے بڑا عالم ہوں''۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات کچھ اچھی نہیں لگی، اگر چہ آپ ان میں سب سے بڑے عالم تھے اس میں کوئی شک نہیں؛ لیکن آپ کا برملا یہ کہنا کہ ''میں سب سے بڑا عالم ہوں'' اللہ کو پسند نہیں آیا، اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند آتی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام یوں فرماتے کہ اللہ ہی کو معلوم ہے کہ کون بڑا عالم ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی بھیجی کہ اسی روئے زمین پر ہمارا ایک بندہ مجمع البحرین (دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ) پر ایسا ہے جس کو تم سے زیادہ علم ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس تنبیہ کا احساس ہوا، اور یہ شوق پیدا ہوا کہ جن صاحب کو مجھ سے زیادہ علم عطا ہوا ہے میری ان سے ملاقات اور زیارت ہو جائے اور کچھ ہم بھی ان سے استفادہ کر لیں۔

طلب علم کا شوق

چناں چہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ الٰہ العالمین ان کی خدمت میں کیسے حاضری ہو؟ کچھ پتہ بتلایا جائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اچھا ٹھیک ہے، مجمع البحرین جہاں دو ندیاں جا کر ملتی ہیں اس جانب تم سفر کرو، اور اپنے تھیلے کے اندر مچھلی رکھ لینا، جہاں وہ مچھلی تھیلے سے نکل کر زندہ ہو کر بھاگ جائے، بس وہیں پر وہ ہمارا بندہ رہتا ہے اس سے ملاقات ہو جائے گی، چناں چہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ایک خادم خاص حضرت یوشع بن نون علیہ السلام (جو بعد میں پیغمبر بھی ہوئے) کو ساتھ لیا، اور تھیلے کے اندر ایک بھنی ہوئی مچھلی رکھ لی، اور اپنے ساتھی سے کہا کہ مجمع البحرین کی طرف چلنا ہے، اور

جب تک میری مراد پوری نہیں ہوجائے گی میں سفر ہی میں رہوں گا چاہے سالوں گذر جائیں، ان کے دل میں اللہ تعالیٰ نے علم کے حصول کا ایسا جذبہ پیدا کردیا، اب چلتے چلتے ایک جگہ رکے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تھکاوٹ کی وجہ سے نیند آ گئی، اچانک ان کے ساتھی حضرت یوشع علیہ السلام نے دیکھا کہ اس تھیلے میں حرکت پیدا ہوئی، اور وہ بھنی ہوئی مچھلی جس میں سے اب تک کھاتے آ رہے تھے وہ زندہ ہوگئی اور تھیلے سے نکل کر دریا میں چلی گئی، اور جہاں جہاں جاتی رہی وہاں سرنگ بنتی رہی، پانی اِدھر کا اِدھر اُدھر کا اُدھر عجیب انداز میں رک گیا اور روشن دان سا بن گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام چوں کہ آرام کررہے تھے، حضرت یوشع علیہ السلام نے سوچا کہ حضرت تھکے ہوئے ہیں، اس لئے ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ کو بیدار نہیں کیا، اور یہ سوچا کہ جب حضرت بیدار ہوں گے تو پیش آمدہ قصہ انہیں بتادیں گے، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوگئے تو جانے کی جلدی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بتلانا یاد نہیں رہا، تا آں کہ چلتے چلتے ایک دن ایک رات گذر گئی، چوبیس گھنٹے چلنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ: ''بھائی کچھ توشہ لاؤ چلتے چلتے تھک گئے، بھوک لگنے لگی'' اب حضرت یوشع علیہ السلام کو یاد آیا، اور عرض کیا: فرمایا کہ حضرت! جہاں پر ہم ٹھہرے تھے وہاں وہ مچھلی عجیب انداز سے نکل کر چلی گئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''ارے! وہیں تو ہم کو جانا تھا، تم نے بتلایا کیوں نہیں؟ وہی تو ہماری منزل تھی''، عرض کیا کہ شیطان نے بھلادیا، پھر الٹے پاؤں نقوش قدم تلاش کرتے ہوئے واپس لوٹے، جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ وہاں ایک چٹان ہے اور اس کے قریب بیچ دریا میں ایک صاحب چادر اوڑھے ہوئے لیٹے ہوئے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہاں جا کر سلام کیا، تو انہوں نے فرمایا کہ یہاں سلام کیسے؟ اس ویرانے میں نہ آدم نہ آدم زاد، یہاں سلام کہاں سے؟ کہا کہ میں موسیٰ ہوں، کہا کہ بنی اسرائیل والے موسیٰ؟ کہا: ہاں بنی اسرائیل والے موسیٰ ہیں، کہا کہ تم یہاں کیسے؟ تو درخواست پیش کی کہ حضرت آپ کی خدمت میں اس لئے حاضری ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو علم عطا فرمایا ہے اس میں سے کچھ ہم کو بھی عطا فرمائیے؛ تا کہ ہم بھی اس سے فیض یاب ہوجائیں، اس پر حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''حضرت! بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ آپ کو علم دیا ہے جو

مجھ کو نہیں دیا، اور کچھ مجھ کو دیا ہے جو آپ کو نہیں دیا، اور آپ ہمارے ساتھ رہیں گے تو آپ برداشت اور تحمل نہیں کر پائیں گے''، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ نہیں ہم آپ کی شرط کے مطابق پوری کوشش کریں گے، آپ ہمیں اپنی شاگردی میں قبول کر لیجیے، حضرت خضر علیہ السلام نے اخیر میں یہ فرمایا کہ: ''چل سکتے ہیں؛ لیکن خبردار کچھ پوچھنا نہیں اس کی پابندی ہے اور جب تک میں خود نہ بتلاؤں آپ کی زبان سے کوئی بات نہیں نکلنی چاہئے''، کہا کہ ٹھیک ہے وعدہ ہو گیا۔

مظاہر قدرت کا نظارہ

اب چل دئے اور چلتے چلتے ایک جگہ پہنچے، راستہ میں دریا پڑتا تھا اس کو پار کرنا تھا، تو ایک کشتی میں بیٹھ گئے اور کشتی اچھی خاصی تھی، کشتی والے پہلے سے حضرت خضر علیہ السلام کے جانکار تھے؛ لہٰذا انہوں نے مفت میں بٹھا لیا، ادھر جب کشتی چل پڑی تو حضرت خضر علیہ السلام نے کلہاڑی سے اس کا ایک تختہ توڑ ڈالا، اب حضرت موسیٰ علیہ السلام تو نبی تشریعی تھے، جن کی شریعت میں کسی کی احسان فراموشی اور ظلم بڑا گناہ تھا، وہ خاموش کیسے رہ سکتے تھے؟ چناں چہ بے اختیار فرمایا کہ آپ نے تو بڑی ہی عجیب بات کی کہ ان لوگوں نے تو آپ کے ساتھ احسان کیا کہ مفت میں کشتی میں بٹھایا اور آپ نے تختہ توڑ دیا، کیا آپ لوگوں کو غرق کر دینا چاہتے ہیں؟ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ نہیں چل سکتے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو احساس ہوا اور فرمایا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی اب آئندہ نہیں کروں گا۔

خیر وعدہ ہوا، پھر آگے چلے، چلتے چلتے ایک جگہ پہنچے تو دیکھا کہ وہاں کچھ بچے کھیل رہے ہیں، تو حضرت خضر علیہ السلام نے آگے بڑھ کر ایک چھوٹے نابالغ بچے کی گردن مروڑ کر اس کو مار ڈالا، اب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پھر نہیں رہا گیا اور کہا آپ نے بیچارے کو خواہ مخواہ پٹخ دیا، بالکل ہی ایسی بات کر دی جو عقل میں نہیں آتی، عجیب بات ہے، تو حضرت خضر علیہ السلام پھر مسکرائے اور کہا کہ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ نہیں رہ سکتے، پھر وعدہ کیا اور کہا کہ اچھا اگر اب میں نے کچھ کہا تو آپ کا اور ہمارا راستہ الگ الگ ہے۔

پھر چل دیئے، چلتے چلتے ایک آبادی پر پہنچے، وہاں پہنچ کر لوگوں سے کہا کہ ہم لوگ مسافر ہیں کھانے کی ضرورت ہے ہماری مہمانی کرو، لیکن وہ اتنے کمینے لوگ تھے انہوں نے صاف منع کر دیا کہ یہاں کوئی مہمانی نہیں ہوگی۔ پھر اسی آبادی میں گذرتے ہوئے دیکھا کہ ایک دیوار بالکل گرنے کے قریب ہورہی ہے، تو حضرت خضر علیہ السلام نے اسے ٹھیک کر دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ خوب رہی انہوں نے تو ہماری مہمانی بھی گوارا نہیں کی اور آپ نے مفت میں ان کی دیوار ٹھیک کردی، کچھ پیسے ہی لے لیتے تو کچھ کام بن جاتا، تو حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ بس اب تمہارا اور ہمارا راستہ الگ ہے۔ ﴿هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ﴾ اس کے بعد حضرت خضر علیہ السلام نے تینوں باتوں کی جو حقیقت تھی اس کو بیان فرمایا :

حکمتوں سے پردہ اٹھا

فرمایا: کہ یہ کشتی جہاں سے گذرتی ہے وہاں ایک ظالم بادشاہ ہے جو ہر اچھی کشتی کو غصب کر لیتا، اور یہ کشتی غریب بچوں کی ہے، اگر یہ اس ظالم کے پاس سے صحیح سالم گذر جاتی تو وہ اس کو غصب کر لیتا اور ان کی روزی روٹی ماری جاتی، اسی سے ان کا سارا گھرانہ چلتا ہے؛ لہٰذا میں نے اس کا تختہ نکال کر اس کو عیب دار بنادیا؛ تاکہ ظالم اس کو نہ لے سکے، بعد میں یہ اپنا تختہ ٹھیک کرلیں گے، کشتی تو سلامت رہے گی، یہ اس میں راز تھا، تو گویا کہ توڑنے کے اندر ان کی خیر خواہی تھی، اور نہ توڑنے کے اندر ان کی خیر خواہی نہیں تھی، یہ بات آپ کے تو سمجھ میں نہیں آئی مگر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو بتلائی، اور میں نے اپنے حکم سے نہیں؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ کام کیا ہے۔

پھر فرمایا: کہ وہ بچہ جس کو قتل کر دیا تھا، اس کے والدین بہت نیک تھے، اور اس بچہ کی طبعیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات رکھی تھی کہ اگر یہ بڑا ہو جاتا تو کافر ہوتا اور اپنے والدین کا نافرمان بنتا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے والدین پر رحم کرتے ہوئے نابالغی کی حالت ہی میں اس کو اپنے پاس بلالیا؛ تاکہ والدین کسی فتنہ اور آزمائش میں مبتلا نہ ہوں، اور اس بچہ کے بدلہ میں

ان والدین کو دوسری اولاد عطا فرمائی لڑکے یا لڑکی کی شکل میں، جوان کی آنکھوں کے لئے دل کا سرور بن سکے، تو اس بچہ کو میں نے اپنے حکم سے قتل نہیں کیا؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہی اس بات کی متقاضی تھی کہ اس کو زندہ نہ چھوڑا جائے۔

تیسرے نمبر پر حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: کہ وہ دیوار جسے میں نے ٹھیک کیا تھا، اس کے نیچے یتیموں کا خزانہ ہے اور یہ کمینوں کی بستی ہے، اگر یہ دیوار گر جاتی اور خزانہ ظاہر ہو جاتا تو یہ کمینے لوگ اس کو لوٹ کھاتے، اس لئے وہ دیوار میں نے درست کر دی؛ تاکہ یتیموں کا خزانہ محفوظ رہے، اور جب وہ بڑے ہو جائیں اپنے پیروں پر کھڑے ہو جائیں تو اس کو نکال کر اس سے فائدہ اٹھائیں؛ لہٰذا اس کے اندر بھی جو میں نے کیا وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کے حکم سے کیا ہے۔ یہ علم آپ کو عطا نہیں ہوا اس لئے آپ اس پر صبر نہیں کر سکے؛ لیکن مجھے اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا ہے، اس لئے میرے دل کے اندر اس بارے میں کوئی اعتراض نہیں۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ کو بیان کر کے فرمایا کرتے تھے کاش کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کچھ صبر کر لیتے تو نہ جانے کن کن باتوں سے پردہ اٹھ جاتا؟ یعنی حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ تشریف لے جاتے ہوئے خاموش رہتے جب تک وہ خود نہ بیان کرتے تو کتنے واقعات ہمارے سامنے آجاتے۔ (مستفاد: سورۂ کہف آیت: ۶۰ تا ۸۲، بخاری شریف کتاب التفسیر ۲/۶۸۷-۶۸۹ حدیث: ۴۷۲۵-۴۷۲۶ وغیرہ، مسلم شریف حدیث: ۲۳۸۰ فضائل الخضر علیہ السلام)

اس سے اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کا اندازہ ہوتا ہے، اگر حضرت خضر علیہ السلام کی جانب سے ان باتوں کی وضاحت نہ ہوتی تو ہم یہی سمجھتے رہتے کہ بہت برا کیا کہ کشتی کو توڑ ڈالی، اس بچہ کو مار ڈالا، وہ دیوار ٹھیک کر دی؛ لیکن جب حقیقت حال معلوم ہوئی تو پتہ چلا کہ بالکل ٹھیک کیا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ کی حکمت بڑی عجیب ہے، اس لئے انسان کو ہر حال میں راضی بقضاء رہنا چاہئے کہ اللہ نے جو کیا وہی بہتر ہے، ہماری عقلیں اس تک نہیں پہنچ پا رہی ہیں؛ لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت اس بات کی متقاضی ہے کہ یہی ہونا چاہئے تھا۔

علم خداوندی کی وسعت

بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ جب یہ لوگ کشتی میں جارہے تھے تو ایک پرندہ آیا، اور اس نے دریا میں ایک چونچ ماری اور ایک قطرہ پانی پینے کے لئے لیا، تو حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''موسیٰ! جانتے ہو اس پرندہ نے دریا سے ایک قطرہ پانی لیا ہے، یہ ہمارا تمہارا ساری دنیا کا علم ہے، اور یہ سمندر گویا کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہے''۔ (بخاری شریف تفسیر سورۂ کہف ۲/۶۸۸) یعنی ہمیں جو علم ملا ہے وہ گویا قطرہ سے بھی کم ہے، اور اللہ تعالیٰ کا علم اتنا عظیم ووسیع ہے کہ ہر چیز کو محیط ہے، وہ اگلی اور پچھلی تمام باتوں کو جاننے والا ہے، ہماری عقلیں اس کا تصور کرہی نہیں سکتیں، اس لئے اس کا ہر کام اپنی حکمت کے مطابق بالکل ٹھیک ہے، اس واقعہ میں تو بطور تذکیر چند نمونے دکھلائے گئے ہیں ورنہ ساری دنیا میں کیا ہو رہا ہے اور اللہ کا تکوینی نظام کیسے چل رہا ہے؟ آدمی کی عقلیں اس کا تصور کرنے سے عاجز ہیں۔ یہ آدمی اپنے کو بڑا جانکار سمجھتا ہے، اپنے علم کے اوپر بڑا ناز اور غرور ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ بتلانا چاہتے ہیں کہ تیرے علم میں کچھ نہیں رکھا، تجھ کو جو ملا ہے وہ ایک قطرہ کا بھی لاکھواں حصہ ہے، تمہارے پاس کچھ علم نہیں ہے؛ بلکہ اصل علم تو اللہ کے پاس ہے، جو تکوینیات کا مالک ہے، جو سارے عالم کو اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق چلا رہا ہے۔

اسرار تکوینیہ

حضرت خضر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جو علم عطا کیا وہ تکوینیات کا علم ہے، یہ صحیح ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام افضل ہیں؛ کیوں کہ تشریعی علم زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ تشریع کا مطلب یہ ہے کہ بندوں کو بتلایا جائے کہ یہ کام اللہ کو راضی کرنے کا سبب ہے اور یہ ناراضگی کا سبب ہے، اور اکثر انبیاء علیہم السلام کو یہی (تشریعی) علم دے کر دنیا میں بھیجا گیا، اور تکوینیات کا علم اللہ تعالیٰ نے زیادہ تر فرشتوں کے سپرد کر رکھا ہے۔ فرشتوں کی ڈیوٹی لگائی جاتی ہے کہ نظام کائنات؛ امر خداوندی کیسے بجالانا ہے؛ البتہ انبیاء علیہم السلام میں حضرت خضر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مصلحت اور حکمت سے منتخب فرمایا کہ ان کو تکوینیات کے ایسے راز بتلا دئے گئے جو عام انبیاء علیہم السلام کو بھی معلوم نہیں۔ اور اسی وجہ سے

حضراتِ علماء کرام میں یہ بحث اٹھائی گئی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام آج بھی زندہ موجود ہیں یا نہیں؟ ایک جماعت کہتی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام زندہ موجود ہیں، ایک جماعت کہتی ہے کہ وہ وفات پا چکے ہیں، ایک جماعت کہتی ہے کہ یہ ایک عہدہ ہے، اور ہر زمانہ کا خضر الگ ہوتا ہے۔ اور بعض بزرگوں کے مکاشفات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کی تو وفات ہوچکی؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ قدرت دی ہے کہ وہ تکلیف میں مبتلا اور پریشان شخص کی مدد کے لئے کسی بھی جگہ کسی بھی آدمی کی شکل میں آ سکتے ہیں، ہوسکتا ہے کہ ایسا بھی ہو؛ لیکن یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے کہ جس کے اوپر ایمان کا مدار ہو، جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے پوشیدہ رکھا ہے اس میں ہم تگ ودو کریں یہ ہمارا نہ مقام ہے اور نہ منصب اور نہ ہی اس کی کوئی خاص ضرورت ہے۔ (تفصیل دیکھیں: معارف القرآن ۵/۶۱۳-۶۲۶ وغیرہ)

بہرحال اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو ذکر فرمایا؛ کیوں کہ اس میں بڑی عبرت اور نصیحت ہے ، جیسا کہ عرض کیا گیا کہ بہت سے واقعات دنیا میں پیش آتے ہیں، آدمی یہ سمجھتا ہے کہ بہت برا ہوا ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا یہ ہماری توقع کے بالکل خلاف ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ اپنی حکمتوں کو بہتر جانتے ہیں، اور وہ اپنی حکمت کو جب تک خود یا کسی ذریعہ سے نہ بتلائیں، اس وقت تک کوئی اس کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتا، جیسا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے جب تک نہیں بتلایا اس وقت تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معلوم نہیں ہوا۔

بریں بنا موجودہ دور میں جب کہ ہر چہار جانب حیرت انگیز واقعات پیش آتے رہتے ہیں اور بالخصوص عالم اسلام آج جن حالات سے دوچار ہے ان پر تبصرہ سے قبل اللہ تعالیٰ کی حکمتوں پر کامل ایمان ویقین ضرور ہونا چاہئے، عافیت کا راستہ یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان ویقین عطا فرمائیں، اپنی مرضیات پر چلائیں، نامرضیات سے بچائیں۔ آمین۔ **وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔**

(ندائے شاہی دسمبر ۲۰۰۷ء)

اِسلام! اَمنِ عالم کا پیامی

اسلام ایک خالص امن پسند مذہب ہے۔اس سے یہ تصور ہی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ خواہ مخواہ کسی انسان کو قتل کرنے یا ستانے کا حکم دے، اس کی تعلیمات تو سراسر رحم دلی، خیر خواہی اور امن پسندی پر مبنی ہیں، جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلرَّاحِمُوْنَ یَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ (تَبَارَكَ وَتَعَالٰی) اِرْحَمُوْا اَهْلَ الْاَرْضِ یَرْحَمُكُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ.

مہربانوں پر خدائے مہربان مہربانی کرتا ہے۔تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔

(ابوداؤد شریف ۲/۶۷۵)

حتی کہ اسلام میں جانوروں تک کو ستانے سے منع کیا گیا ہے لہٰذا کسی انسان کو بلا وجہ محض اس کے غیر مسلم ہونیکی بنا پر فنا کے گھاٹ اتار دینے کا مطلق حکم اسلام میں متصور ہی نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ دنیا میں فتنہ، فساد اور خوں ریزی کو ہرگز پسند نہیں فرماتے، چناں چہ ایک آیت میں دہشت گردی مچانے والوں کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَیُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَایُحِبُّ الْفَسَادَ.

(البقرة ۲۰۵)

اور جب وہ آپ کی مجلس سے پیٹھ پھیرتا ہے تو اس تگ ودو میں رہتا ہے کہ شہر میں کوئی فساد مچادے اور تباہ کردے کھیتیاں اور جانیں، اور اللہ تعالیٰ فساد کو نا پسند کرتا ہے۔

اس آیت میں جن لوگوں کی مذمت کی گئی ہے ان میں وہ سب لوگ شامل ہیں جو بلا وجہ عالم میں جانی و مالی تباہی کے منصوبے بناتے ہیں اور انہیں بروئے کار لاکر انسانیت کا خون کرتے ہیں۔

ظلم کی ممانعت

اسلام بنیادی طور پر ظلم کا مخالف ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ اسلام کا وجود ہی دنیا سے ظلم کو مٹانے کے لئے ہوا ہے، اسلام کی فطرت یہ ہے کہ وہ ظلم کو برداشت نہیں کرسکتا، پورا اسلامی نظام ہر سطح پر ظلم کو ختم کرنے کے لئے مستعد رہتا ہے، اسلام کا اصول ہے: لاضرر ولاضرار (یعنی نہ نقصان اٹھاؤ اور نہ نقصان پہنچاؤ) یہی اصول اسلام کی ہر تعلیم میں روشن نظر آتا ہے، اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ آدمی جہاں تک بھی ہوسکے اپنی قوت اور اثرات کا استعمال کرکے مظلوم کی حمایت کرے اور ظالم کا ہاتھ پکڑ لے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، تو ایک شخص نے حیرت سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مظلوم ہونے کی حالت میں تو اس کی مدد کروں گا لیکن اگر وہ ظالم ہے تو اس کی مدد کیسے کروں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ظالم بھائی کی مدد اس طرح ہوگی کہ تم اس کو ظلم سے روک دو، (تاکہ وہ آخرت کے عذاب سے بچ جائے)۔ (متفق علیہ، مشکوۃ شریف ۲/۴۲۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''ظلم کرنا آخرت میں اندھیریوں کا باعث ہوگا''۔ (مشکوۃ شریف ۲/۴۳۴)

ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''مظلوم کی بددعا سے بچتے رہو؛ کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنا حق مانگتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی حق دار کو اس کا حق دینے سے محروم نہیں کرتا''۔ (مشکوۃ شریف ۲/۴۳۶)

ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ بھی اس پر رحم نہیں کرتا ہے''۔ (مشکوۃ شریف ۲/۴۲۱)

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''خلق خدا اللہ کی عیال ہے؛ لہٰذا اللہ کی نظر میں سب سے پسندیدہ شخص وہ ہے جو خلق خدا پر رحم واحسان کرنے والا ہو''۔ (مشکوۃ شریف ۲/۴۲۵)

ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ’’جو شخص کسی مصیبت زدہ کی مدد کردے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے تہتر مغفرت کا انتظام فرماتا ہے، جن میں سے صرف ایک مغفرت اس کے تمام معاملات سدھارنے کے لئے کافی ہے اور بقیہ بہتّر مغفرتیں آخرت میں اس کے لئے رفع درجات کا ذریعہ بنیں گی‘‘۔ (مشکوۃ شریف ۲/۴۲۵)

ان ہدایات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام کی نظر میں رحم دلی کی کیا اہمیت ہے؟ اور وہ دنیا میں ظلم کا کتنا بڑا مخالف ہے؟ آج جو لوگ مذہب اسلام کو ظلم و ناانصافی کا محور قرار دیتے ہیں وہ در اصل خود وحشیانہ مظالم کے مرتکب ہیں۔ اور اپنے سیاہ کارناموں پر پردہ ڈالنے کے لئے وہ اسلام جیسے عظیم پاسدارِ انسانیت مذہب پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کررہے ہیں۔ اسلام بلا کسی امتیاز کے کسی بھی فرد، شخص یا جماعت پر ظلم کرنے سے قطعاً انکار کرتا ہے۔

اسلام میں جہاد کا تصور

اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ ظلم وعدوان اور قتل وغارت گری کا نام ہرگز جہاد نہیں بلکہ ’’روئے زمین سے ظلم وناانصافی ختم کرکے خالق ارض وسماء رب العالمین کے حکم کو جاری کرنے کے لئے جدوجہد کرنے کا نام جہاد ہے‘‘۔ (تکملہ فتح الملہم ۳/۴) اور جہاد کرنے کی ذمہ داری اسلامی اصول کے اعتبار سے فرد پر نہیں ہے؛ بلکہ حکومت پر ہے، لہٰذا حکومت کے بغیر اگر چند افراد جہاد کے نام پر کارروائیاں کرنے لگیں تو اسے اصطلاحی جہاد نہیں کہا جاسکتا۔ اسلام میں جب بھی جہاد کیا جاتا ہے تو اس کے پیچھے صرف اور صرف ظلم کا خاتمہ اور اعلاء کلمۃ اللہ کا مقصد کارفرما ہوتا ہے۔ محض خونریزی اور ملک گیری کے لئے قتل وقتال کو شریعت کی اصطلاح میں جہاد نہیں کہا جاتا۔ شریعت اسلامی نے اپنے ماننے والوں کو جہاد کا حکم دے کر در اصل ان کے تحفظ کا واقعی انتظام فراہم کیا ہے۔ اگر جہاد کا حکم اسلام میں نہ ہوتا تو دیگر قومیں نہ جانے کب کی مسلمانوں کو نوالۂ تر بنا چکی ہوتیں۔ اور اسلام کا تشخص فنا ہوجاتا، اس حکم کی تاثیر یہ ہے کہ آج بھی جبکہ بڑی تعداد میں مسلم حکومتیں اس فریضہ سے غافل ہیں جہاد کا نام سن کر وقت کے فرعونوں کی روح فنا ہوجاتی ہے۔ اور محض جہاد کے تصور ہی سے

دشمنوں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

حالات کے اعتبار سے جہاد کے احکام میں فرق

اسلامی تاریخ اور احکام کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حالات اور تقاضوں کے اعتبار سے جہاد کے احکامات میں فرق ہے اور ان سب حالات کے نظائر دورِ نبوت اور دورِ صحابہ میں پائے جاتے ہیں، لہٰذا دنیا میں جہاں بھی جس طرح کے حالات پیش آئیں گے ان کا خیر القرون کے حالات سے موازنہ کر کے حکم متعین کیا جائے گا۔ اسلام میں مسلمانوں کو یہ حکم مطلقاً نہیں دیا گیا کہ جس کافر کو جہاں پائیں قتل کر ڈالیں بلکہ ان کو اصول وقانون کا پابند بنایا گیا ہے اس سے تجاوز کرنا کسی شخص کیلئے جائز نہیں ہے اگر کوئی بے اصولی کرے گا تو سخت سزا کا مستحق ہوگا، چناں چہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ’’جو شخص کسی ذمی (یعنی اسلامی حکومت میں امن لے کر رہنے والے غیر مسلم شہری) کو خواہ مخواہ قتل کر دے تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ پائے گا، اگر چہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے آنے لگتی ہے‘‘۔ (مشکوٰۃ شریف/۲۹۹) لہٰذا جہاد اور غیر مسلموں کے حقوق کے بارے میں حکم عدولی کی کسی کو اجازت نہیں ہے۔

جنگ میں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی ممانعت

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے جنگ وجدال کی نوبت آئے بھی تو جنگی جنون میں انسان اتنا مدہوش نہ ہوجائے کہ جو بھی اس کے سامنے آئے اسے اندھادھند جارحیت کا نشانہ بناتا چلا جائے؛ بلکہ جنگ کی حالت میں بھی اس بات کا ہوش رکھنا لازم ہے کہ مقابلہ میں کون سامنے ہے؟ جو لوگ مقابلہ میں نہ ہوں یا کمزور اور بے قصور ہوں؛ جیسے عورتیں، بچے، بوڑھے، اور دنیا ومافیہا سے بے خبر ہوکر یکسوئی کے ساتھ عبادت کرنے والے لوگ، تو ان سے کچھ تعرض نہ کیا جائے۔ ایسے بے قصوروں کو بلاوجہ قتل کر دینا اسلام میں سنگین جرم ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی غزوہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مردہ عورت کی لاش دیکھی جسے قتل کر دیا گیا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔ (مسلم شریف ۲/۸۴، مصنف ابن ابی شیبہ ۶/۴۸۶)

اور ایک روایت میں ہے کہ خلیفۂ اول امیر المؤمنین سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک جہادی لشکر کو روانہ کرتے وقت اس کے کمانڈر کو درج ذیل دس ہدایتیں ارشاد فرمائیں: (۱) کسی بچہ کو قتل مت کرنا (۲) کسی عورت پر ہاتھ مت اٹھانا (۳) کسی ضعیف بوڑھے کو مت مارنا (۴) کوئی پھل دار درخت مت کاٹنا (۵) کسی بکری اور اونٹنی وغیرہ کو خواہ مخواہ ذبح مت کرنا، ہاں اگر کھانے کی ضرورت ہو تو حرج نہیں (۷) کسی باغ کو نہ جلانا (۸) کسی باغیچہ میں پانی چھوڑ کر اسے تباہ مت کرنا (۹) بزدلی مت کرنا (۱۰) غنیمت کے مال میں خیانت مت کرنا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۶/ ۴۸۷)

نیز حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لشکر روانہ کرتے وقت یہ تاکید فرماتے تھے کہ جو راہب اپنی کٹیوں (اور آشرموں) میں عبادت میں مشغول ہیں ان کو قتل مت کرنا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۶/ ۴۸۸)

ان تفصیلات سے معلوم ہوا کہ اسلام کسی بھی مرحلہ میں بے قصوروں کے ساتھ زیادتی کو پسند نہیں کرتا۔ اور اس بارے میں اسلامی تعلیمات فطری طور پر انسانیت کی بقا اور تحفظ کی ضمانت ہیں۔

غیر مسلموں کے ساتھ معاملات

عام طور پر یہ پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ اسلام غیر مسلموں کے ساتھ رواداری کا قائل نہیں حالاں کہ یہ بات سو فیصد غلط ہے، اسلام نے اس بارے میں واضح معیار متعین کرتے ہوئے یہ تفصیل کی ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم مسلمانوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے، ان کے خلاف دشمنی کا اظہار نہ کرے، ان کو ستانے کے منصوبے نہ بنائے، اور ان کے دینی معاملات میں دخل اندازی نہ کرے، تو شرعاً ایسے غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک پسندیدہ اور قابل تعریف ہے۔ چناں چہ ارشاد خداوندی ہے:

لَا یَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَیْهِمْ، اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ (الممتحنة: ۸)	اللہ تعالی تم کو ان لوگوں کیساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے، اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، اللہ تعالی انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں،

اسی طرح قرآن وحدیث میں غیر مسلم پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے؛
البتہ یہ ضرور ہے کہ مسلمان کو یہ حکم نہیں ہے کہ وہ خاموش ظلم سہتا رہے اور اپنے دین وایمان اور جان ومال کا دفاع نہ کرے، اسلام ایسی ذلت کی زندگی کو ہرگز گوارا نہیں کرتا، لہٰذا اگر کوئی فرد، قوم یا جماعت مسلمانوں کو مظالم کا تختۂ مشق بنائے گی یا کسی قوم کی طرف سے تشدد کا خطرہ ہوگا تو مسلمانوں کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے پیشگی دفاع اور تحفظ کے لئے جو بھی صورت ممکن ہو اسے اپنانے سے دریغ نہ کریں، اور ایسے ظالم کفار سے کسی طرح کا تعلق نہ رکھیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا:

اِنَّمَا یَنْہٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ قٰتَلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَاَخْرَجُوْکُمْ مِنْ دِیَارِکُمْ وَظٰھَرُوْا عَلٰی اِخْرَاجِکُمْ اَنْ تَوَلَّوْھُمْ، وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ.

صرف ان لوگوں سے ساتھ دوستی کرنے سے اللہ منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑتے ہوں، اور اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہو، اور تمہارے نکالنے میں مدد کی ہو، اور جو شخص ایسوں سے دوستی کریگا سو وہ لوگ گنہگار ہونگے۔

(الممتحنہ ۹۰)

اس واضح آیت سے معلوم ہوگیا کہ اسلام میں ہر کافر کے ساتھ یکساں معاملہ کا حکم نہیں ہے بلکہ حالات دیکھ کر احکامات کا تعین ہوگا۔ اگر امن وامان اور انصاف کے حالات ہیں تو خواہ مخواہ لڑنے کی کوئی وجہ نہیں، اور اگر ظلم وتعدی اور ایذارسانی کے حالات ہیں تو پھر ان حالات کا مقابلہ کرنا اور ایسے ظالموں کی خبر لینا نہ صرف مذہب بلکہ عقل وانصاف کی رو سے بھی ضروری اور فرض ہوجاتا ہے۔ کوئی بھی عقل منداس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا۔

دہشت گردی کے خاتمہ کے لئے کن باتوں کی ضرورت ہے؟

آج کل عام طور پر اسلام دشمن طاقتیں اور حکومتیں مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دینے کی ناپاک کوششیں کررہی ہیں، اور اس جھوٹ کو اس کثرت سے بولا جارہا ہے کہ بہت سے خالی الذہن لوگ اس سے متأثر ہوکر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف منفی جذبات ذہن میں قائم کرلیتے ہیں۔

ہمارے ہندوستانی مسلمان بھی اس پروپیگنڈہ کی زد میں ہیں، اورانہیں جا بجا اس طرح کے تبصروں کا نشانہ بننا پڑتا ہے۔ دوسری طرف ہماری موجودہ حکومت اوراعلیٰ ذمہ داران یہ باور کرنا چاہتے ہیں کہ دہشت گردی کا کسی خاص مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے، چناں چہ اپنے بیانات میں وہ اس بات کو خاص طور پر دہراتے رہتے ہیں۔ ابھی ۲۰/اگست ۲۰۰۶ءکوعلماء کی نمائندہ کانفرنس میں وزیراعظم ہند مسٹرمنموہن سنگھ نے برملا اس بات کا اعلان کیا کہ مسلمان اس ملک کا اہم ستون ہے اور جس ملک کی پندرہ کروڑ آبادی چین سے نہ رہے وہ ملک کبھی بھی ترقی یافتہ نہیں بن سکتا، یہ زبانی اعلانات اور بیانات اپنی جگہ؛ لیکن اس کے ساتھ ساتھ حکومت ہند اگر واقعۃً مسلمانوں کو اعتماد میں لینا چاہتی ہے تو اسے عملی طور پر بھی ایسی باتوں سے محتاط رہنا ہوگا جن سے مسلمانوں کی دل شکنی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر:

(۱) مسلمان جس طرح ہندوستانی شہری ہونے کی بناء پر اپنے وطن سے اٹوٹ محبت کرتے ہیں اسی طرح اسلامی رشتہ سے دنیا بھر کے تمام مسلمانوں سے ان کو دلی تعلق ہے، اور عالم میں جہاں بھی کسی مسلمان کے ساتھ ناانصافی ہوتی ہے تو فطری طور پر ہندوستانی مسلمانوں کا دل بھی بے قرار ہوجاتا ہے۔ اور یہ بات ساری دنیا جانتی ہے کہ اسرائیل، مشرق وسطیٰ کے ایک حصہ پر ناجائز طور پر قابض ہوکر گذشتہ نصف صدی سے مسلسل فلسطینی مسلمانوں کا خون بہارہا ہے، اور ابھی لبنان میں ایک مہینہ تک اس کی وحشیانہ خونی کارروائیوں سے پوری انسانیت کراہ اٹھی، ایسے دہشت گرد ملک کے ساتھ جب حکومت ہند دوستی کی پینگیں بڑھاتی ہے تو اس سے ہندوستانی مسلمانوں کو اپنی حکومت کے متعلق بے اعتمادی کا احساس ضرور ہوتا ہے۔ اس لئے وزیراعظم اوران کی حکومت اگر مسلمانوں کے بارے میں واقعۃً مخلص ہے تو اسے دہشت گرد ممالک سے رشتے استوار کر کے مسلمانوں کے زخموں پر نمک پاشی نہیں کرنی چاہئے اور اسے بڑی طاقتوں کا دم چھلہ بننے کے بجائے دنیا میں جہاں بھی کوئی ظلم ہو تو ناوابستہ تحریک کے ایک سرگرم رکن ہونے کی حیثیت سے اپنی ذمہ داری نبھانی چاہئے۔

(۲) اسی طرح سرکاری ایجنسیوں کی طرف سے ملک کے کسی بھی حصہ میں مسلمانوں کے

ساتھ ہراساں کرنے کی جو کوششیں کی جاتی ہیں، ان کے بارے میں صرف معذرت یا مذمت کافی نہیں؛ بلکہ قصوروار افسران کے خلاف تادیبی کارروائی ضروری ہے۔

(۳) نیز جو ذرائع ابلاغ ایسا مواد موقع بموقع چھاپتے ہیں جس سے مسلمانوں پر بے بنیاد الزام لگتے ہیں، اور پریس کی آزادی کے نام پر انھیں انگیز کیا جاتا ہے، یہ طریقہ نہایت نامناسب اور شر انگیز ہے۔ آزادی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس بہانے سے قوموں کے درمیان نفرت کے بیج بوئے جائیں اور بے قصور لوگوں کو شکوک وشبہات کے دائرہ میں لایا جائے، اس لئے حکومت کو اس کے متعلق حدود اور ضابطے بنانے چاہئیں اور خلاف ورزی کرنے پر سخت سزا تجویز کرنی چاہئے۔ اس کے بغیر حکومت کا مسلمانوں کے دکھ درد میں شرکت اور ان کے ازالہ کے لئے فکر مند ہونے کا دعویٰ سچا قرار نہیں دیا جاسکتا۔

(ندائے شاہی ستمبر ۲۰۰۶)

کسبِ معاش میں شرعی حدود کی رعایت

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد:

دنیا دارالاسباب ہے، یہاں زندگی گزارنے کے لئے اسبابِ معیشت اور سامانِ ضرورت حاصل کرنا لازم ہے، اسی وجہ سے قرآن پاک میں مال ودولت کو ''مدار زندگی'' قرار دیا گیا ہے، ارشاد خداوندی ہے:

وَلَاتُؤْتُوْا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ اللَّاتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰماً. (النساء: ۵)

اور مت دو بے عقلوں کو اپنے وہ مال جن کو اللہ تعالیٰ تمہارے گذران کا سبب بنایا ہے۔

ظاہر ہے کہ جو چیز ''مدار زندگی'' ہو اسے اسلام جیسا دین فطرت کیسے نظر انداز کرسکتا ہے، اسی لئے اسلام نے جہاں ایک طرف اس ''مدار زندگی'' کو ''مقصود زندگی'' بنانے سے منع کیا ہے اور آخرت فراموشی کے ساتھ دنیا میں اشتغال کو ناپسند کیا ہے، وہیں رہبانیت (یعنی دنیوی اسباب سے کنارہ کشی) کو بھی ممنوع قرار دیا ہے اور اس معاملہ میں درمیانی راستہ اپناتے ہوئے برائے ضرورت اور بقدر ضرورت دنیوی اسباب اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ سے یہ دعا مانگنا ثابت ہے:

اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لِيْ دِيْنِيَ الَّذِيْ هُوَ عِصْمَةُ اَمْرِيْ وَاَصْلِحْ لِيْ دُنْيَایَ الَّتِيْ فِيْهَا مَعَاشِيْ وَاَصْلِحْ لِيْ اٰخِرَتِيْ الَّتِيْ فِيْهَا مَعَادِيْ. (مسلم شریف: ۲۷۲۰، اصلاح المال ۵۱)

اے اللہ! میرے دین کی درستگی فرما جو مرے لئے محفوظ پناہ ہے، اور میری دنیا کی اصلاح فرما جس میں میری زندگی گذرنی ہے، اور میری آخرت کی بھی اصلاح فرما جہاں مجھے لوٹ کر جانا ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: طَلَبُ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ. (الترغيب والترهيب: ۲٦٧٦، شعب الإيمان: ۸۷٤۱، كشف الخفاء ۱۰۲/۲) یعنی حلال کمانا فرض پر فرض ہے۔

نبی اکرم علیہ السلام کا یہ بھی ارشاد ہے کہ: ''جو شخص دوسروں کے سامنے سوال کرنے سے بچنے، اپنے بال بچوں پر خرچ کرنے اور پڑوسیوں پر مہربانی کرنے کے لئے حلال کمائی کا طلب گار ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں اس حال میں حاضر ہوگا کہ اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا ہوگا (اس کے برخلاف) جو شخص فخر ومباہات اور نام وری اور دوسروں پر برتری کے مقصد سے دنیا کمائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں اس حال میں حاضر ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غصہ ہوں گے''۔ (شعب الایمان ۲۹۸/۷)

ابوعبداللہ بصریؒ کہتے ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ: ''جو شخص حلال کمائی میں تگ ودو کی وجہ سے تھک ہار کر سوئے تو وہ اس حال میں رات گذارتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوتے ہیں''۔ (اصلاح المال ۷۲)

نعیم بن عبدالرحمٰنؒ کہتے ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ: ''روزی کے دس حصوں میں سے نو حصے تجارت میں ہیں''۔ (اصلاح المال ۷۳)

پیغمبر علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ: ''حلال کمانا جہاد ہے اور اللہ تعالیٰ کاری گر بندہ کو پسند فرماتے ہیں''۔ (اصلاح المال ۷۱)

ابورزمہؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص یہ کہتا ہے کہ اگر لوگ یکسو ہوکر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوجائیں تو اللہ تعالیٰ غیب سے ان کے لئے روزی کا انتظام فرمائیں گے، تو اس شخص کا یہ کہنا کیسا ہے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ''یہ بات قابل عمل نہیں ہے، بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو معاش میں مبتلا فرمایا چنانچہ ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ. (المزمل: ۳۰)﴾ (اور کتنے اور لوگ پھرتے ہیں زمین میں اللہ کے فضل کو ڈھونڈتے ہوئے) اور خود

نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں بہت سے لوگ مال دار تھے، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا اپنا باغ تھا اور فلاں فلاں کے باغات تھے، دوسری طرف بہت سے مہاجر اور انصار صحابہ رضی اللہ عنہم ایسے تھے، جن کے پاس زیادہ مال نہ تھا؛ لیکن نبی اکرم ﷺ نے مال داروں پر یہ کہہ کر تنگی نہیں فرمائی کہ وہ ایک دن کا خرچ نکال کر بقیہ مال صدقہ کر دیں؛ البتہ آپ موقع بموقع ان کو ثواب کے مواقع پر آگے بڑھ کر خرچ کرنے کی ترغیب ضرور دیتے تھے''۔ (شعب الایمان ۲/۹۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مذکورہ اثر سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اسلام کی نظر میں اسبابِ معیشت کا بالکلیہ ترک پسندیدہ نہیں ہے؛ بلکہ کسی حد تک ان کا اختیار کرنا مطلوب ہے۔

مال؛ بہترین معاون ہے

نیز یہ بھی حقیقت ہے کہ بہت سے مواقع پر مال و دولت انسان کی عزت کو بچانے، لوگوں کے ساتھ صلہ رحمی کا فرض انجام دینے اور بہت سے دینی مقاصد کی تکمیل میں بہترین مددگار کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے :

نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلْمَرْءِ الصَّالِحِ. (مسند أحمد ٤/١٩٧، شعب الإيمان ٢/١٩، اصلاح المال ٤٣)

اچھا مال نیک شخص کے لئے بہترین مددگار ہے۔

اور ایک دوسری حدیث میں ہے:

إِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلُوْةٌ فَمَنْ أَخَذَهُ بِحَقِّهِ وَوَضَعَهُ فِيْ حَقِّهِ فَنِعْمَ الْمَعُوْنَةُ هُوَ. (شعب الإيمان ٢/٩١، مسند احمد ٣/٤٣٤، اصلاح المال حديث : ٣)

بے شک یہ مال ہرا بھرا اور میٹھا ہے پس جو شخص اس کو اس کے حق کے ساتھ (حلال طریقہ پر) حاصل کرے اور مستحق مصارف میں اسے صرف کرے تو یہ اس کے لئے بہترین مددگار ہے۔

نیز ایک روایت میں پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

لَابَأْسَ بِالْغِنیٰ لِمَنِ اتَّقَی اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ. (سنن ابن ماجه : ۲۱۴۱، أحمد ۳۷۲/۵، اصلاح المال: ٤٤)

اللہ سے ڈرنے والے کے لئے مال داری میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور ایک روایت میں آپ کا یہ ارشاد بھی نقل کیا گیا ہے :

لَيْسَ بِخَيْرِكُمْ مَنْ تَرَكَ دُنْيَاهُ لِاٰخِرَتِهٖ وَلَا اٰخِرَتَهٗ لِدُنْيَاهُ حَتّٰى يُصِيْبَ مِنْهُمَا جَمِيْعاً فَإِنَّ الدُّنْيَا بَلَاغٌ اِلَى الْاٰخِرَةِ وَلَاتَكُوْنُوْا كَلًّا عَلَى النَّاسِ. (رواه ابن عساكر عن انسؓ، كشف الخفاء : ۱۵۲/۲)

تم میں وہ آدمی بہتر نہیں ہے جو اپنی آخرت کے لئے اپنی دنیا کو اور دنیا کے لئے آخرت کو چھوڑ دے؛ بلکہ (بہتر وہ ہے جو) دونوں سے اپنا حصہ حاصل کرے؛ اس لئے کہ دنیا آخرت تک پہنچانے کا ذریعہ ہے اور تم لوگوں پر بوجھ مت بنو (یعنی اپنی ضروریات میں خود کفیل بنو دوسروں کے سہارے نہ رہو)

معاذ بن عفراءؒ کہتے ہیں کہ حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے ایک شخص کو دنیا کو برا بھلا کہتے ہوئے سنا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ: ''یہ دنیا سچوں کے لئے سچائی کا گھر ہے اور سمجھ داروں کے لئے عافیت کا گھر ہے اور جو اس دنیا سے توشہ اختیار کرے اس کے لئے مال داری کا گھر ہے، یہ اللہ کے پسندیدہ بندوں کی سجدہ گاہ اور اللہ کی وحی کے نزول کی جگہ، فرشتوں کی جائے نماز اور اللہ کے اولیاء کی جائے تجارت ہے، جہاں رہ کر انہوں نے رحمت خداوندی کو کمایا اور یہیں رہ کر جنت کو نفع میں حاصل کیا''۔ (اصلاح المال ۵۰)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: ''یہ مال کیا ہی خوب ہے جس کے ذریعہ میں صلہ رحمی کرتا ہوں اور اپنے پروردگار کا تقرب حاصل کرتا ہوں''۔ (اصلاح المال ۴۶)

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''مال کے اندر بہت سی خوبیاں پائی جاتی ہیں مثلاً کارِ خیر میں مدد کرنا، صلہ رحمی کرنا، اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا، خوش اخلاقی اختیار کرنا اور اسی کے ساتھ ساتھ اس میں دنیوی شرافت اور لذات کا حصول بھی ہے''۔ (اصلاح المال ۴۷)

ابو صالح اسدیؒ کہتے ہیں کہ: ''میں نے دنیا و آخرت کی تمام بھلائی تقویٰ اور مال داری میں پائی جب کہ دنیا و آخرت کے تمام شرور محتاجگی اور فسق و فجور میں پائے جاتے ہیں''۔ (اصلاح المال ۴۱)

حضرت سفیانِ ثوریؒ کے ہاتھ میں اشرفیاں دیکھی گئیں تو کچھ لوگوں کو بڑا تعجب ہوا (کہ یہ بزرگ بھی دنیا دار معلوم ہوتے ہیں) یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ ''اگر یہ اشرفیاں ہمارے پاس نہ ہوتیں تو امراء اور حکام ہمیں اپنا دستی رومال بنا لیتے'' (یعنی ان کی نظر میں ہماری کوئی عزت نہ ہوتی)

(اصلاح المال ۴۱)

حضرت سفیانِ ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے ہی منقول ہے وہ فرمایا کرتے تھے کہ: ''مال اس زمانہ میں مؤمن کا ہتھیار ہے'' (جس کے ذریعہ وہ اپنی عزت اور نفس کی حفاظت کرتا ہے)۔

(اصلاح المال ۴۲)

مقدام بن معدی کربؒ فرماتے ہیں کہ: ''عنقریب ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں دینار و درہم (روپئے پیسے) کے علاوہ کوئی چیز بھی نفع نہ دے گی''۔ (اصلاح المال ۴۳)

ایک شخص نے حسن بن یحییؒ سے حبشہ کے علاقہ میں ملاقات کی جہاں وہ مال تجارت لے کر پہنچے ہوئے تھے، تو اس شخص نے ان سے پوچھا کہ آپ یہاں کیسے آئے؟ تو حسن بن یحییٰ نے بتلایا کہ میں تجارت کی غرض سے آیا ہوں، یہ سن کر وہ آدمی بولا کہ آپ کی یہ ساری تگ و دو دنیا طلبی اور حرص کی بنیاد پر ہے؟ تو حسن بن یحییٰ نے جواب دیا کہ ''یہ بات نہیں ہے؛ بلکہ مجھے جس چیز نے اس اقدام پر مجبور کیا وہ یہ ہے کہ میں تم جیسے لوگوں کے سامنے ضرورت ظاہر کرنے کو ناپسند سمجھتا ہوں'' (گویا استغناء اور خودداری نے مجھے تجارت کا مشغلہ اپنانے پر مجبور کیا) (اصلاح المال: ۲۳۷)

حضرت سعید بن المسیبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے، اپنی ذمہ داریوں کو بجالانے اور خلق خدا سے مستغنی رہنے کے واسطے مال سے محبت نہ رکھے اس میں کوئی خیر نہیں ہے (یعنی مذکورہ نیک مقاصد سے مال طلب کرنا یقیناً پسندیدہ ہے) (شعب الایمان ۹۲/۲)

ہیثم بن جمیلؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے پوچھا کہ: کیا مجھے تجارت

کے لئے سمندری سفر کرنا چاہئے؟ تو حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے جواب دیا کہ ''سمندری اور خشکی ہر طرح کا سفر کرنا چاہئے اور عوام الناس سے مستغنی رہ کر زندگی گذارنی چاہئے''۔ (اصلاح المال ۷۶-۷۷)

ان آثار و اقوال سے معلوم ہوا کہ اگر نیت بخیر ہو تو اصلاح معاش کی فکر کرنے اور اس کے لئے حسن تدبیر اپنانے میں حرج نہیں ہے، تاکہ یہ مال نہ صرف یہ کہ زندگی میں کام آئے بلکہ بعد میں وارثین بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ نبی اکرم ﷺ کا مشہور ارشاد ہے:

إِنَّكَ اَنْ تَـذَرَ وَرَثَتَكَ اَغْـنِيَـاءَ خَيْرٌ مِـنْ اَنْ تَـذَرَهُـمْ عَــالَةً يَتَـكَفَّفُوْنَ النَّاسَ. (بخاری شریف:۱۲۹۵، مسلم: ۱۶۲۸، اصلاح المال ۱۱۷)

تم اپنے وارثین کو دوسروں سے بے نیاز چھوڑ کر جاؤ یہ اس بات سے بہتر ہے کہ انہیں بھیک مانگتا ہوا فقیر چھوڑو۔

سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے فرمایا کرتے تھے کہ: ''جو مال اللہ تعالیٰ نے تمہیں بطور رزق عطا فرمایا ہے اس کو درست رکھا کرو (یعنی اس کی حفاظت اور اسے بڑھانے کا انتظام کرو) اس لئے کہ جو مال کم ہو مگر سلیقہ کے ساتھ ہو وہ اس زیادہ مال سے بہتر ہے جو پھوہڑ پن کے ساتھ ہو''۔ (اصلاح المال ۵۸)

شرعی حدود کی رعایت ناگزیر

تاہم اسلام اپنے ماننے والوں کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ وہ کسی بھی معاملہ میں پیش قدمی کرنے سے پہلے اپنے خالق و مالک کی مرضی اور منشاء کو معلوم کر کے اس کا لحاظ رکھنے کی کوشش کریں، اور کسی بھی وقت دنیوی مصروفیات میں اس طرح منہمک نہ ہوں کہ اپنے خالق کی یاد کو بھلا بیٹھیں۔

چنانچہ مال کو حاصل کرنے کے بارے میں بھی مسلمان کو کھلی آزادی نہیں دی گئی ہے بلکہ اس بارے میں شریعت اسلامی میں کچھ شرائط متعین کی گئی ہیں جن کا خیال رکھنا ہر شخص پر لازم ہے، اور جو شخص ان کا خیال کئے بغیر مال کو حاصل کرے گا اس کے لئے یہ مال نعمت نہیں بلکہ بدترین وبال جان بن جائے گا۔ چناں چہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فَمَنْ يَأْخُذُ مَالاً بِحَقِّهٖ يُبَارَكُ لَهٗ فِيْهِ وَمَنْ يَّأْخُذُ مَالاً بِغَيْرِ حَقِّهٖ فَمَثَلُهٗ مَثَلُ الَّذِيْ يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ.

(مسلم شريف حديث: ١٠٥٢، ابن ماجه حديث: ٣٩٩٥، اصلاح المال لابن أبي الدنيا حديث: ١٣)

سو جو شخص مال کو استحقاق کے ساتھ حاصل کرے تو اس کے لئے اس میں برکت کی جاتی ہے اس کے برخلاف جو شخص ناحق طریقہ پر مال کمائے اس کی مثال اس شخص کے مانند ہے جو کھاتا رہے مگر اس کا پیٹ نہ بھرے۔

الغرض مال کی ایسی ہوس کہ حلال حرام کی تمیز ختم ہوجائے اور آدمی شریعت اور آخرت کی باز پرس سے بے پرواہ ہوکر دنیا کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے ایسی مالداری قابل صد مذمت اور شدید فتنہ ہے جس پر قرآن وحدیث میں سخت وعیدیں وارد ہیں۔

کون سے مال دار قابل تعریف ہیں؟

اور شریعت کی نظر میں قابل تعریف وہی سرمایہ دار ہیں جو دنیوی کاروبار میں لگنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے احکامات کی تعمیل سے غافل نہیں رہتے، ارشاد خداوندی ہے :

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ. (المؤمنون: ٣٧)

وہ لوگ نہیں غافل ہوتے سودا کرنے میں اور نہ بیچنے میں اللہ کی یاد سے، اور نماز قائم رکھنے سے اور زکوۃ دینے سے۔

اور پیغمبر علیہ السلام نے سچائی اور امانت داری کے ساتھ تجارت کرنے والوں کو ان الفاظ میں بشارت سنائی :

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِيْنُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ.

(الترمذي عن أبي سعيدؓ: ١٢٠٩، الترغيب والترهيب: ٢٧٦٧)

سچا اور امانت دار تاجر قیامت میں انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا :

أَيُّهَا النَّاسُ ! اِتَّقُوْا اللّٰهَ وَاَجْمِلُوْا فِيْ الطَّلَبِ فَإِنَّ نَفْساً لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰى تَسْتَوْفِىَ رِزْقَهَا وَاِنْ اَبْطَأَ عَنْهَا فَاتَّقُوْا اللّٰهَ وَاَجْمِلُوْا فِى الطَّلَبِ، خُذُوْا مَاحَلَّ وَدَعُوْا مَا حَرُمَ . (سنن ابن ماجه: ٢١٤٤)

اے لوگو ! اللہ سے ڈرو اور رزق کی طلب میں عمدگی اختیار کرو، اس لئے کہ آدمی اس وقت تک وفات نہیں پاسکتا جب تک کہ اپنے حصہ کی روزی نہ پالے، اگرچہ اس میں کچھ تاخیر ہی کیوں نہ ہو، اس لئے اللہ سے ڈرتے رہو اور روزی کی تلاش میں حسن تدبیر اختیار کرو اور جو صورت حلال ہوا سے لے لو اور حرام کو چھوڑ دو۔

معلوم ہوا کہ ہمیں دنیا طلبی میں ہر موڑ پر شرعی حدود کی پابندی کرنی چاہئے، اور ہر اس ذریعہ سے اجتناب کرنا چاہئے جس پر شریعت میں پابندی لگائی گئی ہے۔

سود کی ممانعت

اسلامی شریعت میں مال کمانے کے بعض ذرائع کو ممنوع قرار دیا گیا ہے اور تجربہ اور مشاہدہ سے یہ بات ثابت ہے کہ عالم کا امن وامان اور معاشرہ کی صلاح وفلاح اسی ممانعت پر عمل کرنے میں مضمر ہے۔ اور جس معاشرہ میں شرعی ممانعت کی پرواہ نہیں رکھی جاتی وہ معاشرہ خودغرضی اور مفاد پرستی کا نمونہ بن جاتا ہے، جیسا کہ آج پوری دنیا کا حال ہے کہ آدمی مال و دولت کے حصول میں بالکل آزاد ہو چکا ہے اور ہر شخص اپنے مفاد کی تکمیل کے لیے کچھ بھی کر گذرنے کے لیے تیار ہے، اور دوسرے کی خیر خواہی کا جذبہ مفقود ہوتا جارہا ہے۔

ان حرام ذرائع میں سب سے بدترین ذریعہ ''سود'' ہے۔ قرآن کریم میں نہ صرف یہ کہ سودی لین دین سے منع کیا گیا ہے؛ بلکہ سودی کاروبار میں لگے رہنے والوں سے اعلان جنگ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَابَقِىَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم مؤمن ہو، پھر اگر

مُؤْمِنِيْنَ، فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ. (البقرہ ۲۷۸- ۲۷۹)

نہیں چھوڑتے تو اللہ سے اور اس کے رسول سے لڑنے کو تیار ہو جاؤ۔

قرآنِ کریم میں اس طرح کی سخت وعید کسی اور عمل پر وارد نہیں ہے، اس سے سودی آمدنی کے منحوس ہونے کا بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ نیز احادیث شریفہ میں بھی کثرت کے ساتھ سود کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔

(۱) حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دِرْهَمُ رِبوٰا يَاكُلُه الرَّجُلُ وَهُوَ يَعْلَمُ اَشَدُّ مِنْ سِتَّةٍ وَثَلٰثِيْنَ زَنْيَةً. (مسند أحمد ۲۲۵/۵، الترغیب ۲۸۷۷، مظاھرحق ۲۵/۳)

سود کا ایک درہم جسے آدمی جان بوجھ کر کھائے اس کا وبال اور گناہ ۳۶ مرتبہ بدکاری کرنے سے بڑھا ہوا ہے۔

(۲) سیدنا حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم آكِلَ الرِّبوٰا وَمُوكِلَه وَكَاتِبَهُ وَ شَاهِدَيْهِ وَقَالَ: هُمْ سَوَاءٌ. (رواہ مسلم ۲۷/۲، مظاھرحق ۲۳/۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے، کھلانے والے، سودی معاملہ کو لکھنے والے اور اس کی گواہی دینے والوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ یہ سب (گناہ میں) برابر ہیں۔

(۳) سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں:

الرِّبوٰا سَبْعُوْنَ حُوْباً اَيْسَرُهَا اَنْ يَنكِحَ الرَّجُلُ اُمَّه. (الترغیب والترھیب: ۲۸۸۱)

سود کے ستر درجات ہیں جن میں سب سے ہلکا درجہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص اپنی ماں سے (نعوذ باللہ) منہ کالا کرے۔

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

فَاتَيْتُ عَلٰى قَوْمٍ بُطُوْنُهُمْ

(معراج کی رات میں) میرا گذر ایسی جماعت

كَالبُيُوتِ فِيهَا الحَيَّاتُ تُرَى مِنْ خَارِجِ بُطُونِهِم فَقُلتُ مَن هٰؤلاءِ يَا جِبرِيلُ؟ قَالَ هٰؤُلاءِ اَكَلَةُ الرِّبٰوا. (رواه أحمد۲/۳۵۳، الترغيب و الترهيب : ۲۸۸۵)

پر ہوا جن کے پیٹ کمروں کے مانند تھے جن میں سانپ (لوٹ رہے) تھے جو باہر سے نظر آ رہے تھے، میں نے پوچھا کہ اے جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ سود کھانے والے لوگ ہیں۔

(۵) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إذَا ظَهَرَ الزِّنَا وَالرِّبَا فِي قَريَةٍ فَقَدْ اَحَلُّوا بِأنْفُسِهِم عَذَابَ اللّٰهِ. (رواه ابو يعلى ۴۹۸۱، الترغيب و الترهيب ۲۸۸۳)

جب کسی بستی میں بدکاری اور سود خوری عام ہو جائے تو وہاں کے باشندے اپنے کو اللہ کے عذاب کا مستحق بنا لیتے ہیں۔

اسی طرح کی اور روایات بھی ذخیرۂ احادیث میں موجود ہیں جن کو پڑھ کر کسی بھی صاحب ایمان کو ہرگز ہرگز یہ جرأت نہ ہونی چاہیے کہ وہ اپنی آمدنی میں سود کا ایک لقمہ بھی شامل کرے۔ لیکن بُرا ہو مال کی ہوس اور دولت کی حرص کا کہ آج ہم اسلام کا دعویٰ کرنے کے باوجود سودی کاروبار سے بچنے کا اہتمام نہیں کرتے اور مال کی کثرت کے شدید شوق میں حلال وحرام کی تمیز ختم کر دیتے ہیں۔ حالانکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

الرِّبَا وَإنْ كَثُرَ فَإنَّ عَاقِبَتَه إلٰى قُلٍّ. (رواه الحاكم عن عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ ۲/۳۷، الترغيب و الترهيب ص: ۴۲۰)

سود کا مال اگرچہ بہت ہو جائے مگر اس کا انجام کمی ہی کمی ہے۔

تجربہ بھی یہی بتاتا ہے کہ حرام مال جیسے آتا ہے ویسے ہی بے فائدہ جگہوں پر خرچ ہو کر چلا بھی جاتا ہے۔ اور بسا اوقات اپنے ساتھ دوسرے حلال مال کی برکت بھی ختم کر دیتا ہے۔ اس لیے اللہ سے ڈرنے کا حق اسی وقت ادا ہو سکتا ہے جب کہ ہم اپنی معیشت اور کاروبار کو سود کی نجاستوں سے حتی الامکان پاک کر لیں اور حرام ذرائع سے بچ کر اپنا ٹھکانا جنت میں بنا لیں۔

سود کی حرمت پچھلی شریعتوں میں

یہاں یہ بات خاص طور پر پیش نظر رہنی چاہے کہ سودی لین دین کی حرمت صرف اسلام ہی میں نہیں ہے؛ بلکہ پچھلے مذاہب سماویہ وغیر سماویہ کا نظریہ بھی اس بارے میں وہی تھا جو اسلام پیش کرتا ہے۔

چناں چہ یہودیت میں سود قطعاً حرام تھا، اصحاح ۲۲ سفر مزامیر میں لکھا ہے: ''ایمان والا شخص سود پر (مال) نہیں دیتا''۔ اور توریت میں ہے: ''جب تمہارا بھائی محتاج ہو تو اس کو سود پر (مال) نہ دو''۔

اس کے بعد یہودی احبار و رہبان نے اپنی مادیت پرستی کی روایت برقرار رکھتے ہوئے اس حرمت مطلقہ کو اس معنی پر محمول کرلیا کہ یہود کا آپس میں تو سودی لین دین ممنوع ہے؛ البتہ غیر یہودیوں سے سود لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، چناں چہ آج تک وہ اس تحریف پر عمل پیرا ہیں، قرآنِ کریم نے ان کی اس تحریف وتلبیس کو ان الفاظ میں واشگاف فرمایا ہے :

وَاَکْلِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَکْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَاَعْتَدْنَا لِلْکَافِرِیْنَ مِنْهُمْ عَذَاباً اَلِیْماً. (النساء: ۱۶۱)

اور ان کی سود خوری سے بھی حالاں کہ اس سے ان کو ممانعت کردی گئی تھی اور اس سے بھی کہ وہ ناحق لوگوں کے مال کھاتے تھے اور ان میں سے ظالموں کے لئے ہم نے عذابِ الیم تیار کر رکھا ہے۔

اسی طرح دین عیسائیت میں بھی سود ناجائز تھا، ''انجیل لوقا'' میں ہے:

''جب تم ایسے لوگوں کو قرض دے رہے ہو جن سے تم پوری پوری مکافات اور ادائیگی کی امید رکھتے ہو تو پھر مزید زیادتی تمہارے لئے کیسے مناسب ہے؟ البتہ تمہیں نیک کام کرنے چاہئیں اور یہ سوچ کر قرض دینا چاہئے کہ اس کا نفع تمہیں واپس نہ ملے گا تو اس وقت تمہیں بہت ثواب ملے گا''۔ (انجیل لوقا آیت: ٦، الاقتصاد الاسلامی ۱/۲۸۵)

اس کے بعد بتدریج عیسائی معاشرہ میں سود کی اجازت دی جانے لگی، تا آں کہ بالکلیہ چھوٹ دے دی گئی اور بالآخر کلیسائی نظام نے بھی اس تحریف پر اپنی مہر ثبت کرکے اس جرم کو پھلنے

اور پھولنے کا موقع فراہم کردیا۔

نیز ہندو مذہب میں بھی سودی لین دین ایک نا قابل معافی جرم ہے،''اچاریہ منوجی ادھیائے'' اپنی سمرتی میں لکھتے ہیں: ''بیاج لینے والا جو برہمن ہے اس کو شودر کی طرح جاننا چاہئے''۔(منوجی سمرتی منتر۱۰۲،مطبع نول کشور از اسلام کے معاشی نظرئے،محمد یوسف الدین ۴۰۲)

علاوہ ازیں پچھلے دانشوروں اور رہنمایانِ قوم سے بھی سود کے بارے میں سخت تنقیدیں مروی ہیں،''افلاطون'' کہتا ہے:

''کسی آدمی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کو سودی قرض دے''۔(الاقتصاد الاسلامی ۲۸۳/۱)

''ارسطو'' اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے :

''سود غیر فطری کمائی ہے کیوں کہ نقد سے نقد نہیں پیدا ہوتا''۔(نداءالاسلام محمود صواف ۱۰۲)

مشہور اشتراکی رہنما''کارل مرکس'' کہتا ہے:''سود خوار ایک بڑا بھاری دیو اور شیطان ہے وہ ایک بھیڑیا صفت انسان ہے جو ہر بستی کو برباد کر کے رکھ دیتا ہے، جب ہم چوروں، ڈاکوؤں اور نقب زنوں کی گردن مارتے ہیں تو پھر ایسے ہی تمام سود خوار بھی قابل گردن زدنی ہیں''۔(دی کیپیٹل کارل مارکس ۶۵۲/۲،نقل از اسلام کے معاشی نظرئے محمد یوسف الدین ۴۱۴/۲)

مشہور انگریز مفکر''لارڈ لینز'' لکھتا ہے:''دنیا کی تمام تکلیفیں یہاں تک کہ بے روزگاری بھی صرف سودخوری کا نتیجہ ہے''۔(اسلام کے معاشی نظرئے ۴۲۱/۲)

ان حوالوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سود کی حرمت کوئی نیا نظریہ نہیں ہے، جسے اسلام نے رائج کیا ہو؛ بلکہ یہ چیز ہی ایسی غیر فطری اور عقل انسانی سے بعید ہے کہ کوئی بھی عاقل شخص اس کے جواز کا قائل نہیں ہوسکتا، حتی کہ مؤرخین لکھتے ہیں کہ:عرب کے ایام جاہلیت میں بھی جب کہ کوئی دین وشریعت ان کے پاس نہ تھی وہ لوگ سود کی آمدنی کو اچھا نہ سمجھتے تھے،اسی لئے بیت اللہ شریف کی تعمیر جدید کے لئے جو چندہ اکٹھا کیا گیا وہ اس طرح کی آمدنیوں سے خالی تھا اور اسی شرط کی وجہ سے چندہ میں کمی رہ گئی تھی اور حطیم کا حصہ بیت اللہ کی عمارت سے خارج کرنا پڑا تھا۔

سود کے چند مفاسد

سود کے نقصانات اوراس کے ناجائز ہونے کے اسباب اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کا احاطہ کرنا ایک مستقل کتاب کا متقاضی ہے، یہاں چند ایسے مفاسد ذکر کئے جاتے ہیں جو عقل و تجربہ کی روشنی میں سود کی حرمت کے لئے کافی ہیں:

(۱) جو فائدہ بذریعہ سود ایک شخص کو ملتا ہے اس سے قوم کے کسی دوسرے فرد کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا، برخلاف تجارت وغیرہ کے، کہ اس کی آمدنی اس بنا پر جائز ومفید ہوتی ہے کہ وہ ایک مصنوع یا مستعمل چیز کی کے عوض حاصل کی جاتی ہے، جس سے مشتری اور قوم کے دوسرے افراد نفع اٹھاتے ہیں جب کہ سود کی آمدنی خالی عن العوض ہوتی ہے۔

(۲) جو سود سرمایہ دار کو ملتا ہے وہ ضرورت مند قرض لینے والے کے سود سے دیا جاتا ہے جو سراسر ظلم اور ناانصافی ہے (آج کل کے بنکوں کا طریقہ یہی ہے)

(۳) سود سے جو مال بڑھتا ہے اس سے قوم کے سرمایہ میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا، کیوں کہ اصل سرمایہ جوں کا توں رہتا ہے، بس ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوجاتا ہے، برخلاف تجارت وصنعت کے کہ اس میں شئی مبیع اور مصنوع کی زیادتی ہوتی ہے۔

(۴) سود کی کثرت معاشرہ کو کام چور بنادیتی ہے جس سے تعطل اور نت نئی برائیوں کا شیوع ہوتا ہے۔

(۵) سود سے امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتا چلا جاتا ہے، جس سے معاشرہ کا توازن برقرار نہ رہ کر طبقاتی کش مکش شروع ہوجاتی ہے۔

(۶) سود کے رواج سے آپسی بھائی چارگی اور امداد وتعاون کے راستے مسدود ہوجاتے ہیں۔

(۷) سود سے کینہ، حسد، بغض وعداوت اور قتل وقتال جیسے امراض جڑ پکڑ لیتے ہیں۔

جوا اور سٹہ

شریعت میں آمدنی کے جن ذرائع کی سختی سے ممانعت آئی ہے ان میں جوا اور سٹّہ بھی شامل

ہے۔ قرآن کریم نے سورۂ مائدہ میں جوے اور شراب کو ایک ساتھ ذکر کر کے انھیں گندگی اور غلاظت قرار دیا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے :

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. (المائدہ: ۹۰)

اے ایمان والو! یہ شراب، بت اور پانسے سب شیطان کے گندے کام ہیں، سو ان سے بچتے رہو تا کہ تم نجات پاؤ۔

اور جناب رسول اللہ ﷺ نے چوسر (جو سٹہ میں کھیلا جاتا ہے) کے بارے میں فرمایا:

مَنْ لَعِبَ بِالنَّرْدَ شِيْرِ فَكَاَنَّمَا صَبَغَ يَدَهٗ فِيْ لَحْمِ خِنْزِيْرٍ وَدَمِهٖ. (مسلم شریف ۲/۲٤۰)

جس نے چوسر کھیلا گویا کہ اس نے اپنا ہاتھ خنزیر کے گوشت اور اس کے خون میں سان لیا۔

دیکھئے سٹہ کھیلنے کو آنحضرت ﷺ نے کس قدر گھناؤنے عمل سے مشابہ قرار دیا ہے جس کا کوئی مسلمان تصور بھی نہیں کر سکتا۔

سٹہ بازی کے دینی و دنیوی مفاسد بالکل ظاہر اور روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ علامہ آلوسیؒ روح المعانی میں لکھتے ہیں:

وَمِنْ مَفَاسِدِ الْمَيْسِرِ أَنَّ فِيْهِ اَكْلَ الْاَمْوَالِ بِالْبَاطِلِ وَاَنَّه يَدعُوْ كَثِيْراً مِنَ الْمُقَامِرِيْنَ إِلَى السَّرْقَةِ وَتَلْفِ النَّفْسِ وإِضَاعَةِ الْعِيَالِ وَارْتِكَابِ الْاُمُوْرِ الْقَبِيْحَةِ وَالرَّذَائِلِ الشَّنِيعَةِ وَالْعَدَاوَةِ الْكَامِنَةِ وَالظَّاهِرَةِ،

اور جوئے کے مفاسد میں سے یہ ہیں۔ (۱) لوگوں کا مال ناجائز طریقہ پر کھانا (۲) اکثر جواریوں کا چوری کرنا (۳) قتل کرنا (۴) بچوں اور گھر والوں کا خیال نہ کرنا (۵) گندے اور بدترین جرائم کا ارتکاب کرنا (۶) ظاہری اور پوشیدہ دشمنی کرنا۔ اور یہ بالکل تجربہ کی باتیں

وَهٰذَا اَمْرٌ مُشاهَدٌ لَایُنْکِرُہ اِلَّا مَنْ اَعْمَاہُ اللّٰہُ تَعَالٰی وَاَصَمَّہٗ. (روح المعانی ۲/۱۱۵)

ہیں۔ ان کا کوئی شخص انکارنہیں کرسکتا۔ الاّ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو سننے اور دیکھنے کی صلاحیت سے محروم کردیا ہو۔

تجربہ سے یہ بات واضح ہے کہ جس معاشرہ میں سٹّہ بازوں کی کثرت ہوتی ہے وہ معاشرہ جرائم اوراعمال بد کی آماجگاہ بن جاتا ہے اس لیے کہ مفت میں حرام خوری کی جب عادت پڑ جاتی ہے تو محنت مزدوری کر کے کمانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ لاکھوں خاندان اس نحوست میں گرفتار ہوکر تباہی اور بربادی کے غارمیں جاچکے ہیں۔ اوردونوں جہاں کی رسوائی مول لے چکے ہیں۔

لاٹری وغیرہ

اس دورمیں جوئے اور سٹّے کی بہت سی شکلیں رائج ہیں، اوروہ سب حرام ہیں، ان میں ایک ''لاٹری'' کی لعنت بھی ہے جس کے ذریعہ بڑے خوبصورت انداز میں پوری قوم کا خون چوسا جارہا ہے۔ ذراغورفرمائیں! لاٹری کی ایک کمپنی یومیہ مثلاً تین لاکھ کے ٹکٹ فروخت کرتی ہے، اوران میں سے ایک لاکھ روپے انعام میں دے دیتی ہے، تو یہ دولاکھ روپے جولاٹری کی کمپنی کو ملے، یہ کس کا سرمایہ ہے؟ بے چارے غریب رِکشا پولروں اور مزدوروں کا، جن کے خون پسینے کی کمائی سرمایہ داروں اورحکومت کے خزانوں میں سمٹ کر چلی جاتی ہے اور محض ایک موہوم نفع کے لالچ میں یہ سادہ لوح عوام اپنی محنت کی کمائی خوشی خوشی خون چوسنے والوں کے حوالے کردیتے ہیں۔ ہمارے سامنے ایسی کئی مثالیں ہیں کہ لاٹری کے نرغے میں آکر کتنے لوگوں نے اپنے گھر کے برتن، بیوی کے زیورات، حتیٰ کہ کپڑے اورمکانات تک بیچ دیئے یا گروی رکھوادیئے، اوروہ دیکھتے ہی دیکھتے کنگال ہوگئے۔

اسی طرح آج محلّہ محلّہ اسکیموں کے نام پر سرمایہ کاری کی جارہی ہے۔ ان میں بھی جوئے کی صورتیں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً جس کا نام پہلی قسط اداکرتے ہی نکل آئے وہ بہت کم قیمت میں کسی مشینری وغیرہ یا ایک بڑی رقم کا مالک بن جاتا ہے اور بقیہ لوگوں کو اپنی جمع کردہ پوری رقم نہیں مل

پاتی وغیرہ۔ نیز معمّہ بازی، پتنگ بازی، کبوتر بازی، شطرنج، کیرم بورڈ، جن میں ہار جیت پر فریقین کی طرف سے لین دین کی شرط ہوتی ہے، یہ سب شکلیں حرام ہیں۔حتی کہ علماء نے لکھا ہے کہ بچے جو گولیاں اور گٹکے کھیلتے ہیں اور اس پر دوسرے سے تاوان لیتے ہیں، یہ سب جوا اور سٹّہ ہے، جو اسلام میں حرام ہے۔

شیئر بازار میں سرمایہ کاری

آج کل عالمی معیشت میں شیرز کے خرید وفروخت کا کاروبار روز بروز بڑھتا جا رہا ہے، جب ہم شرعی نقطۂ نظر سے اس کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ آج کل اقتصادی مارکیٹ میں سود اور قمار ریشہ ریشہ میں داخل ہو چکے ہیں، اس لئے اسٹاک ایکسچینج کی دنیا میں زیادہ تر کاروبار سٹہ بازی پر مشتمل ہوتا ہے، اور فرضی کمپنیوں کے فرضی شیئر، اور شیرز کی قیمتوں میں مصنوعی اتار چڑھاؤ کے ذریعہ سرمایہ کی الٹ پھیر زور شور سے جاری رہتی ہے، اس طرح کے سٹے بازی کی اسلامی شریعت میں دور دور تک گنجائش نہیں ہے، اور سٹے والے شیرز کا کاروبار کسی بھی طرح اسلامی اصولوں پر منطبق نہیں ہوسکتا، تاہم سٹے بازی سے ہٹ کر شیرز کاروبار کی کچھ شکلیں نکل سکتی ہیں، جن کے متعلق علماء محققین کی اصولی طور پر دو رائیں پائی جاتی ہیں :

(۱) بعض محقق مفتیان وعلماء کی رائے یہ ہے کہ شیئرز کا کاروبار شرعی نقطۂ نظر سے دراصل ''اجارہ'' کا کاروبار ہے، یعنی تمام شیرز ہولڈر (خریداران حصص) شریک فی الاموال ہیں اور کمپنی کے ڈائرکٹران کے اجیر ہیں، اور چونکہ یہ ڈائرکٹر من مانی طور پر کمپنی کی آمدنی اپنے ذاتی مصارف میں صرف کرتے ہیں اس لئے ان کی اجرت کی کوئی حد مقرر نہیں ہوتی، لہٰذا اس جہالت کی وجہ سے سرے سے یہ پورا معاملہ ہی ناجائز ہے اور کمپنی اگرچہ حلال مصنوعات بناتی ہو پھر بھی اجارہ فاسدہ ہونے کی وجہ سے اس میں کسی صورت بھی سردست جواز کی گنجائش نہیں ہے، اور اگر اجارہ کے فساد کو اور سودی لین دین کے امکان کو ختم کر کے شیئرز کی کوئی صورت نکالی جائے تو اس کی گنجائش ہوسکتی ہے۔ (تفصیل دیکھیں: فقہی مضامین ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب مفتی جامعہ مدینہ لاہور: ۴۰۱-۴۱۱)

(۲) اس کے برخلاف زیادہ تر علماء ومفتیان کی رائے یہ ہے کہ شیرز کا کاروبار شرعاً شرکت اور مضاربت کے دائرے میں آتا ہے، اوراس میں جواز کی چار شرطیں ہیں :

(۱) کمپنی کا اصل کاروبار حلال ہو۔

(۲) اس کمپنی کے کچھ منجمد اثاثے وجود میں آچکے ہوں یعنی رقم صرف نقد کی شکل میں نہ ہو۔

(۳) اگر کمپنی سودی لین دین کرتی ہو تو شیر ہولڈروں کو اس کی سالانہ میٹنگ میں اس پر اعتراض کرنے کا حق حاصل ہو۔

(۴) جب منافع کی تقسیم ہو تو جتنا حصۂ نفع سودی ڈیپازٹ سے حاصل ہونے کا یقین یا گمان غالب ہوا تنا حصہ صدقہ کر دیا جائے۔ (دیکھئے: فقہی مقالات مولانا محمد تقی عثمانی ۱/۱۵۱، کتاب الفتاویٰ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ۵/۲۹-۳۰ وغیرہ)

تاہم شیئرز کا مسئلہ ابھی تک علماء ومفتیان کے درمیان زیر بحث ہے، اور اسٹاک ایکسچینج یا انٹرنیٹ پر بیٹھے بیٹھے شیئرز کی خرید وفروخت کا سلسلہ زیادہ تر مشتبہ صورتوں پر مشتمل ہوتا ہے، اس لیے جب تک پوری تحقیق اور اطمینان نہ کرلیا جائے اس کاروبار میں حصہ لینے کی حوصلہ افزائی پر جرأت نہیں کی جاسکتی۔ اس لیے جو حضرات گہرائی سے شیر مارکیٹ کے نشیب وفراز اور اصلیت سے واقف ہیں انہیں چاہئے کہ وہ چھان بین کر کے ایسی کمپنیوں کی نشاندہی کریں جن کے شیئرز حرام اور مشتبہ صورتوں سے خالی ہوں، تاکہ ناواقف لوگ اس کے روشنی میں اقدام کرسکیں۔

غیر سودی سرمایہ کاری

اسلام نے اپنی معیشت کا مدار غیر سودی نظام پر رکھا ہے اگر صدق دلی اور مکمل شرح صدر کے ساتھ اس نظام کو دنیا میں قائم کیا جائے تو ہر اعتبار سے ٹھوس اور مستحکم معاشی ترقیات حاصل ہوسکتی ہیں، یہ نظام پوری طرح مروجہ بینکوں کی جگہ لینے کا اہل ہے، اوراس کے ذریعہ معاشرہ کے ہر طبقہ کو مالی انتفاع کے مواقع بآسانی حاصل ہوسکتے ہیں۔ چناں چہ بعض اسلامی ممالک میں اس طرح کی سرمایہ کاری کا کامیاب تجربہ کیا جاچکا ہے اوراس کے شاندار نتائج دیکھ کر بعض بین الاقوامی بینک

ضمنی طور پر ہی سہی، ’’غیر سودی ونڈوز‘‘ کھولنے کا تجربہ کر رہے ہیں اور عالمی ماہرین معاشیات اب اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ سودی نظام کے بے پناہ استحصال سے نجات پانے اور دنیا میں معاشی مساوات کی فضا قائم کرنے کے لئے غیر سودی نظام رائج کرنا ضروری ہے۔

اسلامی نظام معیشت کامیاب اور فائدہ مند ہے

چنانچہ ’’مسٹر نریندر کمار‘‘ جن کا شمار ملک کے گنے چنے معاشی تجزیہ کاروں اور تبصرہ نگاروں میں ہوتا ہے، وہ ایک کثیر الاشاعت ہندی روزنامہ ’’لوک مت سماچار‘‘ ناگپور کے ۳۰ر نومبر ۲۰۰۳ء کے شمارہ میں اپنے حیرت انگیز تجزیہ میں ملک کی معاشی صورتِ حال کا حل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’دنیا کے تمام ماہرین معاشیات کا ماننا ہے کہ اگر آج کی تاریخ میں اسلام کے نظام معیشت کو عملی طور سے نافذ کیا جائے تو قرض میں جکڑی ہوئی اور سراپا قرضوں میں ڈوبتی دنیا کو بچایا جاسکتا ہے، کیوں کہ دنیا کی تمام معاشی تنظیموں نے گہرے غور وفکر کے بعد یہی جائزہ لیا ہے کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد دنیا میں غریبی اور امیری کے درمیان کا جو فاصلہ ہے اس کی سب سے بنیادی وجہ سود ہے، (ا) اسلامی طریقۂ زندگی اور معاشی انتظام کی بنیاد اس فلسفہ پر ہے کہ دنیا میں جتنے بھی لوگ ہیں سب حقوق مساوات میں برابر ہیں، اسلام نے دولت کو ایک جگہ جمع رہنے پر روک لگائی ہے، اسلام میں زکوٰۃ کا نظم وانتظام اور وراثت کی تقسیم کا اصول مال ودولت کو ایک جگہ جمع نہیں رہنے دیتا، اس طرح دولت کی منصفانہ تقسیم ہوتی ہے اور دنیا میں غربت وبھکمری کی بنیادی وجہ دولت اور اسبابِ زندگی کی غیر منصفانہ تقسیم ہی ہے، پھر اسلامی اصولوں پر جو کاروبار مشارکت ومضاربت کی صورت یا دوسری شکلوں میں پایا جاتا ہے وہ مغربی تجارت وکاروبار کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ترقی یافتہ، سادہ، کامیاب اور فائدہ مند ہے، کیوں کہ سود سے آزاد اور نفع ونقصان میں برابر سرابر کی ساجھے داری سے پیسہ کی قوتِ خرید بڑھ جاتی ہے اور چیزوں کی قیمتوں میں چالیس سے پچاس فیصد کی کمی آجاتی ہے، مگر اس سسٹم کو سمجھنے کے لئے پورے اسلام کو جاننا اور سمجھنا ضروری ہے‘‘۔ (ماخوذ ’’ندائے شاہی‘‘ جنوری ۲۰۰۳)

اور ابھی چند روز قبل وزیر اعظم ہند مسٹر من موہن سنگھ نے بھی ہندوستان میں اسلامی بینکاری کے امکان کا جائزہ لینے کے لئے ایک کمیٹی کے قیام کا اعلان کیا ہے جو بجائے خود ایک بین الاقوامی ماہر معاشیات کی طرف سے اسلامی نظام معیشت کے اعتراف کی تازہ مثال ہے۔

غیر سودی سرمایہ کاری کی بنیادی شرط اور اجمالی طریقہ کار

غیر سودی سرمایہ کاری میں ایک بنیادی شرط یہ ہے کہ کسی بھی سطح پر اس کا رابطہ سودی نظام سے نہ ہو اور اس کے لئے لازم ہوگا کہ ایسا غیر سودی مالیاتی ادارہ براہِ راست کاروبار کرنے یا کسی کاروبار میں نفع نقصان کی بنیاد پر سرمایہ لگانے کا اہل ہو، اور ہماری معلومات کے مطابق سردست ہندوستان کے بینکنگ قوانین کے اعتبار سے کسی بینک کو یہ سہولت حاصل نہیں ہے؛ اس لئے فی الحال یہاں اسلامی خطوط پر تجارتی بینک کاری نظام کا قیام ناممکن ہے، تاہم اگر آئندہ کبھی قانونی اور عملی رکاوٹیں دور ہوجائیں تو یہ ادارہ درج ذیل صورتوں میں بآسانی سرمایہ لگا کر نفع حاصل کرسکتا ہے:

(۱) **مرابحۂ مؤجلہ**: یعنی مثلاً کسی شخص کو کوئی مشینری خریدنے کی ضرورت ہے اور وہ غیر سودی بینک کے پاس جاتا ہے تو یہ بینک اسے قرض دینے کے بجائے مطلوبہ شئی کمپنی سے خرید کر نفع کے ساتھ اسی شخص کے ہاتھ ادھار بیچ دے اور قسطیں متعین کردے تو اس طرح بینک کو کاروباری نفع بھی حاصل ہوگا اور ضرورت مند کی ضرورت بھی پوری ہوجائے گی۔

(۲) **اجارہ**: دوسری شکل یہ ہے کہ بینک طالب کو اس کی ضرورت کی چیز خرید کردیدے اور اس سے ماہ بماہ اس کا مناسب کرایہ وصول کیا کرے، اور جب کرایہ مع نفع کے حاصل ہوجائے تو وہ چیز طالب کے نام کردے۔

(۳) **شیئر کی خرید وفروخت**: غیر سودی بینک جائز حدود میں رہ کر منافع بخش کمپنیوں کے حصص کی خرید وفروخت میں بھی حصہ لے سکتا ہے۔ (بشرطیکہ شیئرز ایسے ہوں جن پر شرعاً کوئی اشکال نہ ہو)

(۴) **مضاربت / شرکت**: بینک کے کھاتہ دار بینک کے ساتھ یا بینک اپنے کھاتہ داروں

کے ساتھ مضاربت یا شرکت کا معاملہ بھی کرسکتا ہے، یعنی ایک فریق پیسہ لگائے اور دوسرا فریق محنت کرے یا دونوں فریق مشترکہ پیسہ لگائیں، اور آپس میں طے شدہ منافع کی تقسیم ہوجائے، لیکن یہ واضح ہونا چاہئے کہ مضاربت یا شرکت کی شکل میں عامل کی لاپروائی یا تعدی کے بغیر اصل رأس المال میں اگر نقصان ہوجائے تو اس کا ذمہ دار سرمایہ کا مالک ہی ہوگا، کیوں کہ غیر سودی بینکاری میں اولاً نفع نقصان کچھ متعین نہیں ہوتا اور ثانیاً رأس المال کا نقصان سرمایہ دار کو برداشت کرنا پڑتا ہے بشرطیکہ عامل کی طرف سے تعدی نہ پائی گئی ہو، وغیرہ۔

بہرحال ان تفصیلات کا خلاصہ یہ نکلا ہر ایک مسلمان کے لئے مقاصد سے دنیا طلبی میں شرعاً کوئی رکاوٹ نہیں ہے، لیکن اس پر لازم ہے کہ وہ کمانے میں پوری طرح شرعی اصول کو پیش نظر رکھے، اور حتی الامکان حرام اور مشتبہ ذرائع سے بچنے کا اہتمام کرے تاکہ اسے دنیا وآخرت کی سرخ روئی نصیب ہوسکے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو شرعی حدود کی رعایت کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين۔

(ندائے شاہی مئی ۲۰۰۷ء)

جگر گوشۂ رسول ﷺ خاتونِ جنت سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عفت مآبی

خواتین اسلام کیلئے مثالی نمونہ

آج کل مسلمانوں جیسا نام رکھنے والی ایک نوخیز خاتون ٹینس کھلاڑی کی بڑی دھوم مچی ہوئی ہے، ٹیلی ویژن، اخبارات، رسائل اور میگزینوں میں اس کی نیم برہنہ ہیجان انگیز تصاویر روزانہ شائع ہورہی ہیں۔ ملک کی کئی بڑی صنعتی کمپنیوں نے اپنی مصنوعات کی مشتہری کے لئے مذکورہ دوشیزہ کی خدمات کروڑوں روپیوں میں حاصل کرلی ہیں، گویا اب یہ شرمناک تصویریں کھیل کے میدان ہی میں نہیں؛ بلکہ سڑکوں اور چوراہوں پر لگے ہوئے ہورڈنگس اور مختلف مصنوعات کی پیکنگ پر بھی نظر آئیں گی۔ مذکورہ کھلاڑی کے اس بے محابا کردار پر جدت پسند بڑی بغلیں بجارہے ہیں، اس کے کارناموں کو ملک وقوم کے لئے نہایت قابلِ فخر قرار دیا جارہا ہے، بالفاظ دیگر ایسی مسلم لڑکیوں کی حوصلہ افزائی کی جارہی ہے، جو اپنی اخلاقی اور مذہبی حدود سے باہر نکل کر بے غیرتی، بے شرمی اور بے حیائی کے راستہ پر چلنا چاہتی ہیں۔

اسی طرح آج فلم، ماڈلنگ، سیاست، مردانہ ماحول میں ملازمت اور ہوائی ضیافت (ایئر ہوسٹس) وغیرہ حیاسوز شعبوں کی طرف جدید تعلیم یافتہ لڑکیوں کا رجحان بڑھتا جارہا ہے، اور دنیوی چمک دمک، زیب وزینت اور مال ودولت کی ہوس کے مقابلہ میں عفت وعصمت اور پاکبازی اور پاکیزگی کی بظاہر کوئی حیثیت نہیں رہ گئی ہے، جس سے معاشرہ جنسی انارکی اور گندگی کی طرف بڑھ رہا ہے، ایسے ماحول میں ہمیں سنجیدگی سے سوچنا ہوگا کہ ہماری خواتین کے لئے مثالی نمونہ اور آئیڈیل یہ بے غیرت عورتیں ہیں جنہوں نے آج دنیا کو بدبودار بنا رکھا ہے، یا وہ پاکباز اور عفت مآب اسلام کی نامور خواتین ہیں جن کو ان کے تقدس کے بدولت دنیا میں بھی بے مثال عزت ملی اور آخرت میں بھی عزت کا تاج انہیں کے سر پر ہوگا۔

اسی تناظر میں درج ذیل مضمون لکھا گیا ہے، جسے خواتین بالخصوص اسکول اور کالج میں پڑھنے والی نوخیز طالبات تک پہنچانے کی ضرورت ہے۔ بہتر ہوگا کہ گھر کی عورتوں کو جمع کرکے اس مضمون کو سنادیا جائے؛ تاکہ ان کے اندر حیاباختہ لڑکیوں اور عورتوں کی ہمسری کی بجائے خاتون جنت، جگر گوشۂ نبوتؐ، والدۂ سیدنا حضرت حسن وحسینؓ، سیدتنا حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان جیسی مقدس ومکرم خواتین کے طریقوں پر چلنے کا جذبہ پیدا ہو۔ امید ہے کہ اس گزارش پر توجہ دی جائے گی۔ (مرتب)

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، نبی اکرم ﷺ کی سب سے چہیتی صاحب زادی تھیں، نبی اکرم ﷺ نے ان کے متعلق کئی مرتبہ یہ ارشاد فرمایا کہ: ''اِنَّمَا فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّيْ يُؤْذِيْنِيْ مَا

اَذَاهَا". (مسلم شریف : ۲٤٤۹) **یعنی فاطمہ میرے بدن کا ٹکڑا ہے، جس بات سے انہیں تکلیف پہنچتی ہے اس سے مجھے بھی اذیت ہوتی ہے۔ پیغمبر علیہ السلام کا معمول تھا کہ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو مسجد میں نماز پڑھنے کے بعد سب سے پہلے سیدہ فاطمہؓ سے ملنے کے لئے تشریف لے جاتے، اس کے بعد ازاج مطہرات کے پاس رونق افروز ہوتے تھے، چناں چہ ایک مرتبہ آپ ﷺ سفر سے واپس آ کر سیدہ فاطمہؓ کے مکان پر تشریف لے گئے، تو صاحب زادی سیدہ فاطمہؓ مکان کے دروازہ پر استقبال کے لئے موجود تھیں، وہ اپنی جان سے زیادہ عزیز والد ماجد کو دیکھ کر بے تاب ہوگئیں، آپ ﷺ کے چہرۂ انور اور آنکھوں کا بوسہ دیا اور پھر بے اختیار رو پڑیں، پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا: بیٹی! "روتی کیوں ہو"؟ حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا کہ میں آپ کو پراگندہ بال، تھکا ہوا دیکھ رہی ہوں، اور آپ کے کپڑے بھی پرانے ہو چکے ہیں (اس لئے کہ اس وقت سفر سے واپسی کی وجہ سے جسد اطہر پر سفر کے اثرات نمایاں تھے، جسے دیکھ کر حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دل بھر آیا) پیغمبر علیہ السلام نے جواب دیا کہ "بیٹی! رونے کی ضرورت نہیں، بات یہ ہے کہ تمہارے باپ کو اللہ تعالیٰ نے ایک ذمہ داری دے کر بھیجا ہے، وہ یہ ہے کہ روئے زمین پر کوئی کچا پکا گھر باقی نہ بچے جہاں دینِ اسلام داخل نہ ہو جائے، اور دین ہر اس جگہ پہنچ جائے جہاں تک رات آتی ہے"۔ (یعنی میں اس حکم کی تعمیل میں یہ مشقتیں برداشت کر رہا ہوں؛ اس لئے اس پر غم زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے)**

(نساء فی ظل رسول اللہ حاشیہ عن الطبر انی والحاکم ۳۳۶)

خاتونِ جنتؓ کا اعزاز

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے مرض الوفات میں آپ کے قریب سبھی ازواجِ مطہرات حاضر تھیں، اسی درمیان سیدہ فاطمہؓ چلتی ہوئی تشریف لائیں، جن کے چلنے کا انداز ہو بہو پیغمبر علیہ السلام کی چال کے مشابہ تھا، جب آنحضرت ﷺ نے ان کو دیکھا تو ان کا یہ کہتے ہوئے استقبال کیا: "مرحبًا بِابنتي" (میری بیٹی کا آنا مبارک ہو) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی بائیں یا دائیں جانب بٹھالیا، اس کے بعد نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے حضرت فاطمہؓ سے کان میں کچھ سرگوشی کی، جس کو سنتے ہی حضرت فاطمہؓ بہت زیادہ رونے لگیں، جب رسول اللہ ﷺ نے ان کی بے قراری دیکھی تو آپ نے ان سے دوبارہ سرگوشی کی، جس پر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فوراً ہنس پڑیں (ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے اپنی زندگی میں کسی کو غم کے بعد اتنی جلدی خوش ہوتے نہیں دیکھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ان کو روتا دیکھ کر میں نے حضرت فاطمہؓ سے کہا کہ آپ رو کیوں رہی ہیں؟ حالاں کہ پیغمبر علیہ السلام نے تمام ازواجِ مطہرات کو چھوڑ کر آپ سے سرگوشی کی ہے) اس کے بعد جب مجلس ختم ہوئی تو میں نے حضرت فاطمہؓ سے پوچھا کہ آپ سے پیغمبر علیہ السلام نے کیا سرگوشی کی تھی؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں پیغمبر علیہ السلام کے راز کو ظاہر نہیں کروں گی، پھر جب نبی اکرم علیہ السلام کی وفات ہوگئی تو میں نے حضرت فاطمہؓ سے ان پر اپنے حقِ قرابت کا حوالہ دے کر درخواست کی کہ وہ اس دن کی سرگوشی کے بارے میں ضرور بتائیں، تو حضرت فاطمہؓ نے فرمایا کہ ہاں! اب میں بتاؤں گی، پھر بتانا شروع کیا اور فرمایا کہ: ''جب پہلی مرتبہ آپ ﷺ نے سرگوشی کی تو یہ فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہر سال میرے ساتھ ایک مرتبہ قرآنِ پاک کا دور فرماتے تھے، اس مرتبہ انہوں نے دو مرتبہ دور فرمایا؛ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ میرے دنیا سے پردہ فرمانے کا وقت قریب آ گیا ہے، اس لئے بیٹی! اللہ سے ڈرتی رہنا اور صبر کرتی رہنا؛ کیوں کہ میں تمہارے لئے بہتر سلف (آگے جانے والا) ہوں''؟ چناں چہ میں رو پڑی، جیسا کہ آپؓ نے اس دن دیکھا، پھر جب آپ ﷺ نے میری بے قراری محسوس کی، تو دوسری مرتبہ سرگوشی کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ ''بیٹی! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تمہیں تمام مؤمن عورتوں کا یا اس امت کی عورتوں کا سردار بنادیا جائے''؟ (اور ایک روایت میں ہے کہ کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ تمہیں اہلِ جنت کی عورتوں کی سردار بنادیا جائے؟) یہ سن کر مجھے ہنسی آ گئی، جیسا کہ آپؓ نے اس دن دیکھا۔ (مسلم شریف: ۲۴۵۰، بخاری شریف ۱/۵۱۳ حدیث: ۳۶۲۳، مشکوٰۃ شریف ۵۶۸)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آسمان سے ایک فرشتہ اترا جس نے اللہ تعالیٰ سے مجھے سلام کرنے کی اجازت مانگی تھی، وہ فرشتہ اسی سے قبل کبھی نازل نہ

ہوا تھا، چناں چہ اس نے آ کر مجھے یہ بشارت سنائی کہ ”فاطمہؓ اہل جنت کی عورتوں کی سردار ہیں“۔
(المستدرک للحاکم ۲۲۷/۴ بحوالہ نساء فی ظل رسول اللہ ﷺ ۳۳۴)

سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خاتونِ جنت ہونے کا اعزاز محض اس لئے نہیں ملا کہ وہ سید الاولین والآخرین سیدنا ومولانا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی چہیتی صاحب زادی تھی، اور نہ اس لئے ملا کہ وہ صاحب حسن وجمال تھیں؛ بلکہ ان کی عزت کا اصل سبب اور جوہر وہ اخلاقی کردار ہے جس کا انھوں نے دنیا کے سامنے عملی نمونہ پیش کیا۔ اگر وہ بے مثال کردار نہ ہوتا تو محض نبی کی قرابت یا ذاتی خوبصورتی ان کو خاتون جنت کا اعزاز دلانے کے لئے کافی نہیں ہوسکتی تھی۔

عفت مالی کے سلسلہ میں حضرت فاطمہؓ کا نظریہ

دنیا والے یہ سمجھتے ہیں کہ بہترین عورت وہ ہے جو حسن وجمال والی ہو، زیب وزینت اور میک اَپ کی دلدادہ ہو، محفلوں اور بازاروں اور تفریح گاہوں میں آنے جانے میں اسے کوئی عار نہ ہو، ایسی ہی عورتوں کو آج پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور اس معاملہ میں خواتین ایک دوسرے پر سبقت کرتی نظر آتی ہیں؛ لیکن خاتونِ جنت حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کردار اس بارے میں کیا ہے اس کا اندازہ درج ذیل واقعہ سے ہوسکتا ہے:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کی مجلس میں یہ ذکر چل رہا تھا کہ عورت کے لئے کون سی بات سب سے اچھی ہے؟ اہلِ مجلس خاموش رہے، بعد میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ گھر تشریف لے گئے اور جاکر سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ آج مجلسِ نبوت میں یہ ذکر چل رہا تھا کہ کون سی عورت سب سے اچھی ہے؟ اس بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟ اس پر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ: ”عورت کی سب سے اچھی صفت یہ ہے کہ وہ نہ تو خود غیر مردوں کو دیکھے اور نہ اس پر کسی غیر مرد کی نظر پڑے“۔ یہ بات حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے نبی اکرم علیہ السلام سے جاکر نقل کردی تو آپ ﷺ نے اس کی تصدیق کی اور فرمایا: ”فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِّنِّيْ“، یعنی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو میرے بدن کا ٹکڑا ہے۔ (یعنی انھوں نے جو کہا وہ گویا شریعت

کی عین ترجمانی ہے)(نساءفی ظل رسول اللہ،عن البز اروغیرہ۳۳۶، معارف القرآن ۷/۲۱۶،حیاءاور پاکدامنی ۹۵)

گھر کے کام کاج کے بارے میں حضرت فاطمہؓ کا طرزِ عمل

نبی اکرم ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے رخصتی کے وقت گھریلو ضرورت کی چند اشیاء (چمڑے کا بستر، مشکیزہ، مٹکے اور چکی) کا انتظام فرما دیا تھا، چناں چہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے ہاتھ سے چکی سے آٹا پیستی تھیں، آٹا گوندھتی تھیں، اور روٹی پکاتی تھیں اور گھر کا دیگر کام کاج بھی خود ہی انجام دیتی تھیں جس سے ہاتھ میں گٹے پڑ گئے تھے، ایک موقع پر آپ کی طرف سے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں خادم عطا فرمانے کی درخواست کی گئی، تو نبی اکرم ﷺ نے خادم دینے کے بجائے اپنی چہیتی بیٹی کو تسبیح وتحمید کی تلقین کی، جس کو ''تسبیح فاطمی'' کہا جاتا ہے۔سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا— جو اہل بیت میں نبی اکرم ﷺ کی سب سے زیادہ چہیتی تھی —میرے نکاح میں تھیں، چکی سے آٹا پیسنے سے ان کے ہاتھوں میں نشان پڑ گئے تھے، اور مشکیزہ سے پانی نکالنے سے ان کے سینے پر گٹے پڑ گئے تھے، اور گھر کی صفائی ستھرائی کی وجہ سے کپڑے گرد آلود اور مٹیالے ہو گئے تھے، اور چولہے پر کھانا پکانے کی وجہ سے کپڑے عیب دار ہو گئے تھے، الغرض آپ پر گھریلو کاموں کا بڑا بوجھ تھا۔ایک مرتبہ ہمیں پتہ چلا کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس کچھ غلام باندیاں آئی ہیں، تو میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آمادہ کیا کہ وہ پیغمبر علیہ السلام کے پاس جا کر اپنے لئے کسی خادم کی درخواست کریں، جو ان کے کام کاج میں معاون بن سکے، چناں چہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسی غرض سے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، مگر وہاں کچھ حضرات اور بیٹھے تھے اس لئے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شرما کر واپس آ گئیں، پیغمبر علیہ السلام کو جب معلوم ہوا کہ آپؓ آئی تھیں اور واپس چلی گئیں، تو خود شام کو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لائے جب کہ دونوں (حضرت فاطمہؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہما) لحاف اوڑھ کر لیٹ چکے تھے، نبیٔ اکرم ﷺ حضرت فاطمہؓ کے سرہانے آ کر تشریف فرما ہو گئے، حضرت فاطمہؓ نے مارے شرم کے اپنا چہرہ لحاف میں چھپا لیا، پھر پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''تم ہمارے گھر

کس ضرورت سے آئی تھیں''؟ دومرتبہ پوچھنے کے بعد بھی حضرت فاطمہؓ نے جواب نہ دیا، تو میں نے (یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ) نے عرض کیا کہ حضرت! میں بتاتا ہوں! بات یہ ہے کہ چکی پیسنے سے، مشکیزہ سے پانی لینے سے ان کے بدن پرنشان پڑ گئے ہیں، اور گھر کی صفائی ستھرائی اور چولہا جلانے سے کپڑے خراب ہوگئے ہیں، ہمیں پتہ چلا تھا کہ آپؐ کے پاس کچھ خادم آئے ہوئے ہیں، تو میں نے ہی انہیں آمادہ کیا تھا کہ وہ آپؐ کے پاس جا کر خادم کی درخواست کریں؛ اس لئے یہ آپؐ کے پاس گئی تھیں، تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں تمہاری درخواست سے بہتر بات کی طرف رہنمائی نہ کروں؟ وہ یہ ہے کہ جب تم سونے کے لئے بستر پر لیٹو تو ۳۳؍مرتبہ ''**سبحان اللّٰہ**''، ۳۳؍مرتبہ ''**الحمد للّٰہ**'' اور ۳۴؍مرتبہ ''**اللّٰہ اکبر**'' پڑھ لیا کرو، یہ تمہارے لئے خادم سے بہتر ہوگا۔ (ابوداؤد شریف ۵۰۶۲-۵۰۶۳)

اور ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے خادم مانگنے پر فرمایا کہ ''قسم بخدا یہ نہیں ہوسکتا کہ میں تمہیں خادم دے دوں اور صفہ میں مقیم فقراء صحابہ بھوکے پڑے رہیں، میں ان غلاموں کو فروخت کر کے ان کی قیمت اہلِ صفہ پر خرچ کروں گا''، پھر آپ ﷺ نے تسبیحات پڑھنے کا حکم دیا، جیسا کہ اوپر گذرا۔ (نساء فی ظل رسول اللہ ۳۲۷)

دیکھئے! یہ کردار اور عمل ہے اس ذات عالی کا جو سید الاولین والآخرین سیدنا ومولانا حضرت محمد ﷺ کی سب سے چہیتی بیٹی ہیں اور جن کو دنیا ہی میں خاتون جنت ہونے کی بشارت ملی ہے، دوسری طرف آج کی ماڈرن خواتین کا حال ہے جن کی دلچسپیاں گھریلو کام کاج کے بجائے گھر کے باہر کے کاموں میں زیادہ بڑھتی جارہی ہیں، بالخصوص اسکول اور کالج میں پڑھنے والیوں کی تو باقاعدہ یہ ذہن سازی کی جاتی ہے کہ ان کا دائرۂ عمل ان کا گھر نہیں؛ بلکہ ساری خارجی دنیا ہے، کھیل کے میدان میں آگے بڑھیں، ڈانس، گانا بجا (جن کو فنونِ لطیفہ کا خوبصورت نام دے دیا گیا ہے) سیکھ کر بدکاروں کو سامان عیش فراہم کریں، اور زندگی کے ہر شعبہ میں مردوں کے شانہ بشانہ کھڑی ہوں، انہیں نہ تو شوہروں کی اطاعت کا خیال ہو اور نہ بچوں کی تربیت کا احساس ہوتا کہ دنیا

سے خاندانی معاشرتی نظام مٹا دیا جائے، اور جس طرح مغربی عورتیں بدکاریوں کے دلدل میں پھنسی ہوئی ہیں، اس طرح یہ گندگی کا ماحول پورے عالم میں پھیلا دیا جائے، آج اسی بے حجابی؛ بلکہ بے ہودگی کو عزت کا معیار بنالیا گیا، اور پردہ اور حجاب کو دقیانوسیت اور قدامت پرستی کا نام دیا جانے لگا۔ تو دنیا والے کچھ کیا کریں اور کچھ سمجھا کریں، ایک مسلمان عورت کو یہ سمجھنا ضروری ہے کہ عزت وعافیت اس جھوٹی آزادی سے ہرگز حاصل نہ ہوگی؛ بلکہ مسلمان عورت کو عزت انہی اخلاق وکردار پاکیزگی اور پاکدامنی سے ملے گی، جنہیں اپنا کر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو عزت ملی، ازواجِ مطہرات کو عظمت کا مقام ملا، اور حضرات صحابیات ؓ کا نام دنیا اور آخرت میں روشن ہوا، صرف یہی پاکیزہ کردار عورت کی عزت کا سبب ہے اس کے علاوہ کسی راستہ میں عورت کو نہ عزت ملی ہے اور نہ مل سکتی ہے۔

آخری درجہ کی پاک بازی

خاتونِ جنت جگر گوشۂ رسول حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عفت مآبی اور پاک بازی کا کچھ اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب آپ ؓ مرض الوفات میں تھیں اور زندگی سے بالکل مایوس ہو چکی تھیں، تو آپ ؓ نے اپنی تیمار دار حضرت اسماء بنت عمیس ؓ سے سے نہایت حسرت بھرے انداز میں فرمایا کہ: ''جب میرا انتقال ہو جائے گا تو میری لاش کھلے طور پر چارپائی پر رکھ کر لے جائی جائے گی (اور اجنبی مردوں کی نظریں میرے کفن پر پڑیں گی) اسے سوچ سوچ کر مجھے شرم آرہی ہے''۔ یہ سن کر حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں آپ ؓ کو ایسا جنازہ بنا کر دکھاتی ہوں جو حبشہ کے علاقہ میں عورتوں کے لئے بنایا جاتا ہے، تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ دکھلاؤ، چناں چہ حضرت اسماء ؓ نے چند تازہ ٹہنیاں منگوائیں اور ان سے ڈنڈیاں نکال کر انہیں چارپائی کے اوپر اس طرح فٹ کر دیا کہ اوپر سے چادر ڈالنے پر اندر کے جسم کا پتہ نہ چل سکے، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس طرح کے جنازہ کے انداز کو دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا اور مسکرا کر اپنی خوشی کا اظہار کیا حالاں کہ آپ کو پیغمبر علیہ السلام کی وفات کے بعد کبھی مسکراتے نہیں دیکھا گیا تھا، چناں چہ حضرت فاطمہ ؓ کی وفات پر اسی انداز کا جنازہ بنایا گیا اور رات ہی میں آپ ؓ کی تدفین

کردی گئی۔ رضی اللّٰہ عنہا و أرضاھا۔(نساء فی ظل رسول اللہ ﷺ ۳۴۸-۳۴۹)

یہ ہے عفت مآبی! کہ وفات کے بعد بھی اجنبیوں کی نظر پڑنے کے تصور سے شرم آرہی ہے، دوسری طرف آج کی بے حیا عورتوں کا حال ہے کہ انہیں زندگی میں بھی بے پردگی اور عریانیت پر شرم نہیں آتی، اور بس نہیں چلتا کہ بدن کو لباس کی قید سے بالکل آزاد کردیں اور اسی آزادروی کو آج معیارِ ترقی سمجھ لیا گیا ہے، حالاں کہ یہ بے لباسی عورت کے لئے عزت نہیں؛ بلکہ اس کی بدترین توہین ہے۔ مگر دنیا کی چمک دمک اور شاطر دماغ بدکاروں کی پلاننگ نے ایسا ماحول بنادیا ہے کہ نادان عورت اپنی توہین ہی کو عزت سمجھ بیٹھی ہے، اور پردہ جو اس کے تحفظ کی فطری ضمانت ہے اس کو اپنے لئے بوجھ سمجھ رہی ہے۔

شرم سے ڈوب مرنے کا مقام

چند روز قبل احقر ٹرین کے ذریعہ دہلی سے مرادآباد آرہا تھا، قریب کی سیٹ پر ایک غیر مسلم نوجوان بیٹھا تھا، اس نے دورانِ گفتگو اسی مسلم ٹینس کھلاڑی دوشیزہ (جس کا نام لینا بھی شریفوں کے لئے باعثِ شرم ہے) کا ذکر چھیڑ دیا کہ اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ میں نے کہا کہ اگر آپ کے گھر کی خاتون اس طرح نیم برہنہ ہوکر لوگوں کے سامنے آئے تو آپ کو کیسا لگے گا؟ اس نے کہا کہ ہمیں یقیناً برا لگے گا، میں نے کہا کہ اسلام بھی یہی کہتا ہے کہ کسی بھی عورت کے لئے اس طرح کی بے حیائی جائز نہیں ہے، یہ سن کر اس نے پاکستان کی ایک معروف اور بدنام زمانہ فلم ایکٹرس کا نام لیا اور طنز کرتے ہوئے بولا کہ آپ اسلام کا نام لیتے ہیں اور مذکورہ پاکستانی ایکٹرس نے ہندوستانی فلم میں آکر ایسے بولڈ مناظر دکھائے کہ عریانیت کے سب ریکارڈ توڑ ڈالے، میں نے کہا کہ برائی تو بہر حال برائی ہے ہندوستانی، پاکستانی یا دنیا کے کسی اور ملک کے باشندہ سے جو غلطی صادر ہوگی اسے بہر حال غلط کہا جائے گا، اور پھر پاکستان کوئی اسلام کا نمائندہ ملک نہیں ہے کہ وہاں کی کسی بدعمل اور بدکار ایکٹرس کے عمل کو اسلام کی طرف منسوب کیا جائے، اور بے حیا مرد وعورت جیسے ہندوستان میں ہیں ویسے ہی پاکستان میں پائے جاتے ہیں، مگر اسلام ایسے ہر عمل کے

خلاف ہے اور اس کی سخت مذمت کرتا ہے۔

میں نے جواب دے کر اسے خاموش تو کر دیا؛ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان بے غیرت اور بے حیا عورتوں نے اسلام کی عظمت پر دھبہ لگا دیا ہے اور اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کو غیروں کی نظر میں دھندلا کر دیا ہے۔ بلاشبہ یہ فلمی ایکٹرس اور کھیل کے میدان میں اچھل کود کرنے والی خواتین اس حدیث کا عین مصداق ہیں، جس میں پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا تھا کہ: ''ایسی عورتیں امت میں پیدا ہو جائیں گی جو لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی، اور جو خود اجنبی مردوں کی طرف مائل ہونے والی اور انھیں اپنی طرف رجھانے والیاں ہوں گی، ایسی عورتیں جنت میں جانا تو درکنار؛ اس کی خوشبو تک سے بھی محروم رہیں گی حالاں کہ اس کی خوشبو لمبی مسافت سے آنے لگتی ہے۔ (مسلم شریف ۲/۲۰۵)

ہماری خواتین کے لئے سوچنے کا مقام ہے کہ وہ کس کی ڈگر پر چل رہی ہیں؟ فیشن ایبل اور ماڈرن بے غیرت عورتوں کے طریقہ پر جو جہنم تک پہنچانے والی ہیں، یا وہ ان مقدس خواتین کا راستہ اپنا رہی ہیں جن کے کردار کو اپنانا بجائے خود جنت میں جانے کی ضمانت ہے؟ اگر ہمارے اندر دین و ایمان کی رمق باقی ہے تو ہمیں یقیناً حیا باختہ عورتوں کے بجائے ازواجِ مطہرات اور صحابیاتؓ کو اپنا مثالی نمونہ اور آئیڈیل بنانا چاہئے۔ اور عفت وعصمت اور تقویٰ وطہارت والی زندگی گذرنی چاہئے، بالخصوص بچیوں کی ذہن سازی اس انداز میں کرنی چاہئے کہ ان میں فیشن اور آرائش وزیبائش کے مقابلہ میں اخروی کامیابی کے حصول کا جذبہ پیدا ہو، اور عفت وعصمت کی اہمیت ان کے دل ودماغ میں راسخ ہو جائے۔

گھر کی عورتوں کی بے حیائی پر خاموش رہنے والے ملعون ہیں

نبیٔ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین طرح کے لوگ جنت میں نہیں جائیں گے: (۱) وہ مرد جو عورتوں کے مشابہ لباس استعمال کریں (۲) وہ عورتیں جو مردوں جیسا لباس اختیار کریں (۳) اور دیوث شخص (یعنی جو اپنے گھر والوں کی بے حیائی دیکھ کر خاموش رہے) (شعب الایمان ۷/۱۶۷)

افسوس ہے کہ آج بچیوں، بیویوں اور بہنوں کی حیا باختگی پر صرف خاموشی ہی نہیں ہوتی؛

بلکہ اس برہنگی کو نعوذ باللہ قابلِ فخر سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً اسی مذکورہ ٹینس اسٹار کو کھیل کے میدان میں جب کامیابیاں ملنی شروع ہوئیں تو اس کے ماں باپ نے پریس کے سامنے کھل کر بیٹی کی ''کامیابی'' پر بے حد خوشی کا اظہار کیا۔ تو شریعت میں ایسے ماں باپ جو اپنی بیٹی کی عریانیت پر راضی ہوں وہ لائق عزت نہیں؛ بلکہ ''دیوث'' کہلائے جانے کے لائق ہیں، جن پر احادیثِ شریفہ میں لعنت کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ یہ خوشی کا نہیں؛ بلکہ ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ مسلمان ماں باپ کی سرپرستی میں بچیاں ننگے پن کا مظاہرہ کریں، اور ماں باپ اس پر ناگواری کے اظہار کے بجائے انہیں برملا شاباشیاں دیں، یہ اسلام کا طریقہ نہیں؛ بلکہ شیطنت کے پرستاروں کا طریقہ ہے جس سے بہر حال بچنا ضروری ہے۔ بے شک بچیوں کو تعلیم دلانے اور انہیں ہنرمند بنانے کی ضرورت ہے؛ لیکن اگر انہیں ایسی تعلیم و تربیت دی جائے جس سے ان کی نسوانیت اور عفت و عصمت داغ دار ہو جائے تو یہ تعلیم نہیں؛ بلکہ پرلے درجہ کی جہالت ہے۔ کوئی بھی صحیح الفطرت انسان کسی بھی حال میں اس عریانیت اور حیا باختگی کی تائید نہیں کرسکتا، اس لئے ہماری ماؤں اور بہنوں کو ہمیشہ خاتون جنت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کردار پیش نظر رکھنا چاہئے، اور انہی کی نقل اتارنے کی کوشش کرنی چاہئے، اسی میں ان کے لئے عزت ہے اور اسی میں انہیں اخروی نجات کی ضمانت مل سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر قسم کی بے حیائی اور اس کے اسباب سے نفرت کرنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین۔

(ندائے شاہی نومبر ۲۰۰۵ء)

دعوت الی الخیر

- ❑ نفع بخش پُر اثر کلمات
- ❑ خطباتِ حجۃ الوداع
- ❑ ایک قیمتی پُر اثر وعظ
- ❑ بری صحبت سے پرہیز
- ❑ اللہ کی پناہ
- ❑ فکرِ آخرت
- ❑ دنیا کدھر جارہی ہے؟
- ❑ قیامت کی چند علامتیں
- ❑ اہلِ تقویٰ کے لئے عظیم بشارت
- ❑ ایمان کے بنیادی تقاضے
- ❑ پانچ عمومی ہدایات
- ❑ چند زرّیں نصیحتیں
- ❑ اصلاح معاشرہ کی ضرورت
- ❑ بدنگاہی سے بچنے کا نایاب نسخہ

نفع بخش پُر اثر کلمات

نبی اکرم ﷺ کو بعثت مبارکہ کے ابتدائی دور میں مکہ معظّمہ میں قیام کے دوران مشرکین کی طرف سے جن جاں گسل حالات اور ذہنی وجسمانی اذیتوں سے دوچار ہونا پڑا ان کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ مشرکین آپ ﷺ کو تکلیف دینے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے، وہ مکہ معظّمہ میں باہر سے آنے والوں کے سامنے آپ کی برائی بیان کرتے اور طرح طرح کے فقرے کستے۔ ایک مرتبہ قبیلہ ''ازدشنوءۃ'' کے ایک شخص جن کا نام ''ضماد بن ثعلبہ'' تھا، اور جو زمانۂ جاہلیت میں علاج معالجہ اور جھاڑ پھونک کا کام کرنے میں مشہور تھے، وہ مکہ معظّمہ آئے، وہاں انہوں نے مکہ کے بے وقوف لوگوں میں یہ تذکرہ سنا کہ: ''محمد ﷺ (نعوذ باللہ) مجنون ہیں''۔ (ضماد کو اپنے فن پر بڑا ناز تھا، اور کچھ پہلے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شناسائی بھی تھی) اس لئے انہوں نے خیال کیا کہ اگر میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مل کر ان کو جھاڑ پھونک کروں تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے ذریعہ سے انہیں شفا عطا فرمادے، چناں چہ وہ پیغمبر علیہ السلام کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ اے محمد! میں اس ہوا (جنون وآسیب) وغیرہ کے اثرات کا علاج کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے، میرے ذریعہ سے شفاء سے نوازتا ہے اس لئے اگر آپ کو ضرورت ہو تو آپ کا علاج کردوں؟ اس کی اس پیش کش پر نبی اکرم ﷺ نے اور تو کچھ نہیں فرمایا؛ البتہ درج ذیل خطبہ کے کلمات ان کے سامنے پڑھ دیئے:

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ، نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِىَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ	یقیناً ہر طرح کی تعریفوں کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے، ہم اس کی تعریف کرتے اور اسی سے مدد چاہتے ہیں، اور جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت سے نواز

اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ وَحْـدَهُ لاشَرِيْكَ لَهُ وَاَنَّ مُـحَـمَّـداً عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ. اَمَّا بَعْدُ:

دیں اس کو کوئی گمراہ نہیں کرسکتا، اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کردیں اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی ساجھی نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہے۔ امابعد:

یہ کلمات سن کر ''ضماد'' نے آپ سے انہیں دہرانے کی درخواست کی، چناں چہ آپ ﷺ نے تین مرتبہ مذکورہ کلمات ان کے سامنے دہرائے، تو ''ضماد'' گویا ہوئے کہ میں نے کاہنوں، جادوگروں اور شعراء کے کلاموں کو سن رکھا ہے؛ لیکن میں نے آپ کے ارشاد فرمودہ کلمات جیسی بات کبھی نہیں سنی، ان کلمات میں ایسا اثر تھا کہ وہ سمندر کی تہہ تک پہنچ رہے تھے، پھر انہوں نے عرض کیا: حضرت اپنا دست مبارک بڑھائیے! میں آپ سے اسلام کی بیعت کرنا چاہتا ہوں، چناں چہ ضماد نے آپ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کیا، پھر پیغمبر علیہ السلام کے ارشاد فرمانے پر اپنی قوم کی طرف سے بھی اسلام کی بیعت لی۔ (مسلم شریف ۱/۲۸۵، اسد الغابہ ۲/۴۳۸)

گویا کہ ''ضماد بن ثعلبہ'' جو اپنے زعم کے مطابق پیغمبر علیہ السلام کا علاج کرنے کے ارادہ سے آئے تھے، اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے ذریعہ خود ان کا روحانی علاج فرمادیا۔

جو کلمات نبی اکرم علیہ السلام نے ''ضماد بن ثعلبہ'' کے سامنے پیش فرمائے یہ کم وبیش وہی کلمات ہیں جو نبی اکرم ﷺ عموماً اپنے خطبات کے شروع میں ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ کلمات میں تاثیر دراصل ان کے معنی کی صداقت سے پیدا ہوتی ہے، خطبہ کے کلمات چوں کہ ایسی سچی اور واقعی حقیقتوں کو شامل ہیں جن سے بڑی سچی بات کائنات میں کچھ نہیں ہوسکتی اس لئے ان کا پر اثر ہونا لازم ہے جسے ضماد بن ثعلبہ نے کھلی آنکھوں محسوس کیا، اور یہی چیز ان کی ہدایت کا سبب بن گئی، اس لئے کسی بھی اہم گفتگو یا تقریر کے شروع میں مذکورہ خطبہ پڑھنا مسنون ہے۔ نبی کریم ﷺ نے باقاعدہ اس خطبہ کی تعلیم فرمائی ہے۔

سیدنا حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں دو طرح کے کلمات شہادت سکھلائے: ایک نماز کا تشہد جو التحیات کے بعد پڑھا جاتا ہے، اور دوسرے تشہد حاجت (یعنی ضروری گفتگو سے پہلے کا تشہد) اس کے الفاظ یہ ہیں:

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِينُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

(مشکوٰۃ شریف ۲/۲۷۲، معجم طبرانی کبیر ۱۰۰۸۰)

بے شک ہر طرح کی خوبیاں صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں، ہم اس کا شکر ادا کرتے ہیں اور اسی سے مدد کے طالب ہیں، اور ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے نفسوں کے شرور سے پناہ مانگتے ہیں، جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دیں اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا، اور جس کو وہ گمراہ کریں اسے کوئی راہ دکھانے والا نہیں ہے، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

اور نبی اکرم ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے اور قبیلۂ بنو سالم میں سب سے پہلے جمعہ کا خطبہ ارشاد فرمایا تو اس کی ابتداء ان کلمات سے فرمائی:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَحْمَدُهٗ وَاَسْتَعِينُهٗ وَاَسْتَغْفِرُهٗ وَاَسْتَهْدِيْهِ وَاُوْمِنُ بِهٖ وَلَا اَكْفُرُهٗ وَاُعَادِيْ مَنْ يَّكْفُرُهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ. (حياة الصحابة ٤/١٧٨)

سب خوبیاں اللہ کے لئے ہیں، میں اس کی حمد بجالاتا ہوں اور اسی سے مدد چاہتا ہوں، اور اسی سے بخشش اور ہدایت کا طالب ہوں، اور میں اس پر ایمان لاتا ہوں اور اس کی نافرمانی نہیں کرتا اور جو کافر ہیں ان کو ناپسند کرتا ہوں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی ساجھی نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔

اسی طرح کی روایات کی بنا پر علماء سلف وخلف کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ اپنے خطبات وبیانات کی ابتداء کلمات حمد وشہادت سے کرتے ہیں، ان کلمات میں بجائے خود وعظ ونصیحت اور عبرت کے معانی پائے جاتے ہیں، اگر خطیب ان کلمات کو ادا کرتے وقت ان کے مفاہیم ومعانی کو پیش نظر رکھے تو اس کے خطبہ اور گفتگو اور دلی کیفیات میں حیرت انگیز تاثیر پیدا ہوسکتی ہے۔ مثلاً اس سلسلہ کے چند فوائد درج ذیل ہیں:

(۱) جب آدمی منبر پر بیٹھتا ہے تو شیطان اس کے دل میں وساوس پیدا کرسکتا ہے کہ ”تو بڑا باکمال ہے، تیری زبان اور گفتگو کا سلیقہ بہت عمدہ ہے، تیرے دماغ میں علمی ذخائر اور تاریخی واقعات اور نادر معلومات کا بیش بہا خزانہ ہے، جسے تو مرتب انداز میں شان دار طریقہ پر لوگوں کے سامنے پیش کرنے پر قادر ہے، اسی بناء پر لوگ تیری باتوں اور بیانات کو بغور سنتے ہیں اور بڑی تعداد میں تیری مجالس میں حاضر ہوتے ہیں، وغیرہ وغیرہ“۔ تو ان شیطانی وساوس وخیالات کو پہلے ہی مرحلہ میں دفع کرنے کے لئے سب سے مؤثر اور پر اثر کلمہ ”الحمد للہ“ ہے کہ تیری یہ سب خوبیاں ذاتی نہیں؛ بلکہ عطاء خداوندی ہیں، ذاتی خوبیاں تو صرف ذات خداوندی ہی کو زیب دیتی ہیں جو ہمیشہ سے صفات کمالیہ کا مالک ہے اور ہمیشہ رہے گا، اس کے برخلاف اولاً تو مخلوق میں خوبیاں ہیں ہی نہیں، اور جو کہیں خوبیاں نظر آتی ہیں وہ بھی عارضی ہیں۔ ظاہری حسن وجمال ہو، ذکاوت وفراست ہو، یا طلاقت لسانی ہو یا کسی کو اپنے علمی کمال یا جسمانی طاقت پر ناز ہو تو یہ سب چیزیں محض چندروزہ بہار ہیں، اور صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے فضل وانعام پر موقوف ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی نظر کرم پھر جائے تو یہ سب صفات منٹوں میں تحلیل ہوجاتی ہیں۔ اس لئے جب بھی اپنی صفات پر نظر جائے تو زبان پر شکر کے کلمات اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء رہنی چاہئے اور آدمی چاہے کہیں بھی پہنچ جائے مگر اسے اپنی اوقات کبھی نہیں بھولنی چاہئے۔

(۲) جب آدمی اللہ کی حمد وثناء کرے گا تو یہ وسوسہ دل میں پیدا ہوسکتا ہے کہ: ”تونے واقعی اپنے رب کی شکر گذاری بجالا کر بڑے فخر کا کام کیا ہے، اور تونے اپنے رب کی بندگی کے سب تقاضوں کو پورا کردیا ہے؛ لہٰذا تو ہی قرب خداوندی کا بڑا مستحق ہے“، تو اس طرح کے خیالات کا

تسلسل توڑنے کے لئے خطبہ میں حمد کے بعد فوراً اللہ تعالیٰ سے اعانت طلب کرنے کا اقرار کرایا گیا۔جیسا کہ سورۂ فاتحہ میں فرمایا گیا: اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۔(ہم آپ ہی کی عبادت کرتے اورآپ ہی سے مدد کے طالب ہیں) کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت کے بغیر مجال نہیں کہ انسان حرکت بھی کرسکے، دل میں ارادہ پیدا کرنا، اعضاء میں حرکت پیدا کرنا، اور عبادت کے ظاہری وباطنی موانع کو دور کرنا اوراس کے لئے مناسب ماحول مہیا کرنا یہ سب اللہ تعالیٰ کی نصرت پر موقوف ہے۔اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہیتے صحابی سیدنا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بڑے اہتمام سے ہر نماز کے بعد یہ دعاء تلقین فرمائی تھی: اَللّٰهُمَّ اَعِنِّىْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ ۔یعنی اے اللہ! اپنے ذکر وشکر اور بہترین عبادت انجام دینے پر میری مدد فرما۔لہٰذا انسان کو ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنی چاہئے اور یہ یقین رکھنا چاہئے کہ اس کی توفیق کے بغیر کچھ ہونے والا نہیں ہے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

(۳) لوگوں کی اصلاح کا منصب اور دینی خدمت کا میدان دراصل دودھاری تلوار ہے اگر کامل خلوص اور دل کی نیکی کے ساتھ یہ عمل کیا جائے تو کائنات میں اس سے بڑھ کر بہتر کوئی نہیں، ارشاد خداوندی ہے:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَقَالَ اِنَّنِىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ. (حم سجدہ)

اوراس سے بہتر بات کس کی ہوسکتی ہے جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے اور خود نیک اعمال انجام دے، اور کہے کہ میں فرماں برداروں میں سے ہوں۔

الغرض اس کے ذریعہ آدمی آخرت میں اعلیٰ ترین درجے حاصل کرسکتا ہے؛ لیکن اس کے برعکس اگر نیت میں ذرا فتور آجائے اور نفسانی شرور اور دنیوی ادنیٰ مقاصد پیش نظر ہوجائیں تو پھر یہی عمل بدترین خسارہ کا باعث بھی بن جاتا ہے،اور نفسانی شرور سے آدمی کا بچنا بڑا مشکل ترین کام ہے، کوئی بڑے سے بڑا ولی اور قطب بھی نفسانیت سے منزہ ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ارشاد خداوندی ہے: فَلاَ تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى. (النجم) ''اوراپنے آپ کو صاف ستھرا مت کہو اسے خوب معلوم ہے کہ متقی کون ہے''؟ اور حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِىْ اِنَّ

النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ. (یوسف) ''اور میں اپنے جی کو پاک نہیں کرتا، بے شک جی تو سکھلاتا ہے برائی''۔ لہٰذا نفسانیت کے شرور سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی پناہ کے علاوہ کوئی جائے پناہ نہیں، بریں بناء خطبہ میں یہ کلمات شامل کئے گئے: ''ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا'' (اور ہم اللہ سے اپنے نفسوں کے شرور سے پناہ چاہتے ہیں) اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آئے بغیر آدمی گناہ اور معصیت اور نفسانی وشیطانی خیالات واثرات سے ہرگز نہیں بچ سکتا، یہ حقیقت ہمہ وقت پیش نظر رہنی چاہئے۔

حضرت عمر بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے والد سے پوچھا: تم کتنے معبودوں کی عبادت کرتے ہو؟ میرے والد نے جواب دیا: سات معبودوں کی عبادت کرتا ہوں، چھ زمین میں ہیں اور ایک آسمان میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم امید وخوف کی حالت میں کس کو پکارتے ہو؟ تو انہوں نے عرض کیا: اس معبود کو جو آسمان میں ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حصین! اگر تم اسلام لے آؤ تو میں تمہیں دو کلمے سکھاؤں گا جو تم کو فائدہ دیں گے۔ جب حضرت حصین رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مجھے وہ دو کلمے سکھایئے جن کا آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا، کہو: اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنِیْ رُشْدِیْ وَ اَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ۔ ''اے اللہ! میری بھلائی میرے دل میں ڈال دیجئے اور مجھے میرے نفس کے شر سے بچا لیجئے''۔ (ترمذی شریف حدیث نمبر: ۳۴۸۳، بحوالہ منتخب احادیث)

(۴) کوئی شخص اگر یہ سمجھ بیٹھے کہ میری تقریر یا تحریر سے سامعین وقارئین کی پایا پلٹ ہو گئی، گنہگاروں نے توبہ کرلی، بے نمازی، نمازی بن گئے، اہل بدعت میں انقلاب آ گیا، اور ہدایت وسنت کا پھریرا لہرانے لگا، وغیرہ وغیرہ۔ تو یہ محض نفس کا دھوکہ اور خام خیالی ہے، ہدایت وضلالت انسان کے ہاتھ میں ہرگز نہیں ہے، یہ صرف اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت اور اختیار میں ہے، اس لئے خطبہ میں پوری قوت کے ساتھ یہ حقیقت ان الفاظ میں بیان کی گئی: مَنْ یَھْدِہِ اللّٰہُ فَلا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُضْلِلْ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ. (جس کو اللہ ہدایت سے نوازے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا، اور جس کو گمراہ کردے اسے کوئی راہ یاب نہیں کرسکتا) چناں چہ اگر کسی کے لئے ہدایت مقدر نہ ہو تو اس کے سامنے ولی تو ولی اگر نبی بھی خطاب کرے تو بھی وہ ہدایت سے محروم رہتا ہے اور اگر ہدایت مقدر

ہے تو معمولی سی بات بھی ہدایت کا سبب اور ذریعہ بن جاتی ہے۔ بار بار اس روشن حقیقت کا تجربہ ہوتا رہتا ہے؛ لہٰذا کسی داعی کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ وہ اپنی محنت اور عمل کو بارآور خیال کرے؛ بلکہ اس کا دھیان ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی توفیق کی طرف ہی رہنا چاہئے۔

(۵) ویسے تو خطیب حسب موقع بہت سی مفید باتیں بیان کرتا ہے؛ لیکن ان باتوں میں سب سے اعلیٰ ترین بات جس پر تمام ہدایتوں کا مدار ہے وہ اعلان شہادت ہے یعنی دل کی گہرائیوں سے کامل یقین کے ساتھ یہ گواہی دی جائے کہ ''اللہ تبارک وتعالیٰ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور یہ کہ محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں''، غور کیا جائے تو تمام دینی باتوں کو ماننے کا داعیہ دل میں پیدا کرنے میں اس کلمۂ شہادت کا سب سے بڑا کردار ہے، کیوں کہ جب اللہ تعالیٰ کے معبود ہونے کا برملا اقرار کرلیا گیا تو لازم ہے کہ اس کے احکامات کی پیروی کی جائے، اسی طرح جناب رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو تسلیم کرنے کے بعد آپ کی اطاعت کے بغیر چارہ نہیں رہتا، اس لئے تلقین کی گئی کہ خطیب اپنی گفتگو آگے بڑھانے سے پہلے کلماتِ شہادت: ''**اشهد ان لا الٰه الا اللّٰه، واشهد ان محمداً عبده ورسوله**'' کہے تاکہ آئندہ قرآن وحدیث کی روشنی میں جو گفتگو کی جائے اس کا ماننا آسان ہوجائے۔

یہ چند فوائد ہیں، جو معمولی سی توجہ سے سمجھ میں آسکتے ہیں اسلئے اگر ہم اپنی گفتگو اور بیانات میں معانی کے استحضار کے ساتھ ان کلمات کو پڑھیں گے تو انشاء اللہ ہر اعتبار سے نفع ہوگا، اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق سے سرفراز فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی اگست ۲۰۰۶ء)

خطباتِ حجۃ الوداع

وہ قیمتی اسباق جنہیں مسلسل یاد رکھنے کی ضرورت ہے

جیسے جیسے سفر حج کی سہولیات بڑھ رہی ہیں اور معاشی استحکام میں ترقی ہورہی ہے، اسی اعتبار سے ہر ملک سے عازمین حج اور زائرین حرم کی تعداد بھی روز افزوں ہے۔ بظاہر یہ بہت خوشی کی بات ہے اور حرمین مقدسین کی برکات سے فیض یاب ہونے کی دلیل ہے؛ لیکن دوسری طرف اس مبارک سفر سے بہرہ ور ہونے والوں کی بڑی اکثریت کا جو حال دیکھنے میں آرہا ہے وہ ہر فکرمند شخص کے لئے دلی اذیت اور تشویش کا باعث ہے۔ حج کے سفر کی اصل روح یعنی اظہارِ عشق وفنائیت ناپید ہوتی جارہی ہے، اور اس کی جگہ نام ونمود، فخر ومباہات، سیر سپاٹا اور تفریح کے جذبات نے لے لی ہے، جس کے مظاہر گھر سے لے کر ایئر پورٹ تک اور ایئر پورٹ سے لے کر حرمین شریفین کے ارد گرد بازاروں اور تفریح گاہوں تک جابجا نظر آتے ہیں۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف صادق آرہی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

يَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَحُجُّ أَغْنِيَاءُ أُمَّتِيْ لِلنُّزْهَةِ وَأَوْسَطُهُمْ لِلتِّجَارَةِ وَقُرَّاءُهُمْ لِلرِّيَاءِ وَالسُّمْعَةِ وَفُقَرَائُهُمْ لِلْمَسْئَلَةِ.

(رواه الخطيب والديلمي عن أنس رضي الله عنه، كشف الخفاء ٢/٣٦٦)

لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ میری امت کے مال دار لوگ تفریح اور پکنک کے لئے حج کو جائیں گے، اور متوسط طبقہ کے لوگ تجارت کی غرض سے اور قراء (اور علماء) شہرت اور ریاکاری کے لئے اور فقیر لوگ بھیک مانگنے کے لئے حج کا سفر کریں گے۔ (نعوذ باللہ)

گذشتہ چند سالوں میں حرمین شریفین کے اطراف میں جدید ترین مغربی انداز کے تجارتی مراکز اس تیزی سے تعمیر ہوئے ہیں کہ وہاں جا کر آنکھیں چکا چوند ہو جاتی ہیں، بڑے بڑے شاپنگ مال، سپر اسٹور اور بین الاقوامی درجہ کے ہر طرح کی سہولیات سے آراستہ و پیراستہ فائیو اسٹار ہوٹلوں کی تعمیر رکنے کا نام نہیں لے رہی، ان جگہوں میں جانے سے عبادت اور روحانیت کے جذبات قدرتی طور پر مضمحل ہو جاتے ہیں۔ اور مسجد حرام اور مسجد نبوی میں رہ کر انابت الی اللہ، محبتِ خداوندی اور رقتِ قلبی کے جو اثرات دل پر قائم ہوتے ہیں، وہ حرم سے نکل کر بازاروں کی چمک دمک میں گم ہو جاتے ہیں۔ آج کل حرم کے ارد گرد تفریح طبع اور دل بہلانے کے اتنے اسباب فراہم کر دئے گئے ہیں کہ وہ جگہیں نعوذ باللہ تفریح گاہوں کا منظر پیش کرتی ہیں۔ انہی آسائشوں وغیرہ کو پیش نظر رکھ کر پوری دنیا سے نہایت مہنگے اور پر تعیش سفر حج کے پیکج دئے جانے لگے ہیں، اور بین الاقوامی درجہ کی ٹور کمپنیاں اس نفع بخش کاروبار میں دخیل ہو گئی ہیں، جو نہ صرف مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے دورانِ قیام تعیش کے تمام اسباب فراہم کرنے کی ضمانت دیتی ہیں؛ بلکہ منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں بھی ان کے انتظامات بہت گراں قدر ہوتے ہیں۔

اس سال ہم لوگ صبح نو بجے کے قریب عرفات کے میدان میں داخل ہوئے، تو بعض ممالک کی سیاحتی کمپنیوں کے کیمپوں کو دیکھ کر یہ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ یہ عرفات کا میدان ہے، قالین بچھے ہوئے، جا بجا کرسیاں اور صوفے لگے ہوئے، ذائقہ دار مطعومات و مشروبات کا وافر مقدار میں انتظام، بھنے ہوئے کبابوں کی خوشبو سے فضا معطر، اور اسی ماحول میں گپ شپ کرتے احرام باندھے لوگ، اسی طرح کے مناظر مہنگے اور پر تکلف سیاحتی اداروں کے خیمہ جات میں منیٰ میں بھی نظر آتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے ماحول میں وہ طبعی یکسوئی اور دلوں کی نرمی مشکل ہی سے پیدا ہو سکتی ہے جو ایسے مواقع پر مطلوب ہے؛ لیکن جن لوگوں کی نظر میں عبادت سے زیادہ سیر و سیاحت ہی مقصود ہو انہیں اس کی فکر کہاں؟

اسی طرح متوسط طبقہ کے جو تاجر حج کو جاتے ہیں ان کی فکر بھی عبادت سے زیادہ اپنی

تجارت کی طرف رہتی ہے، حرمین شریفین میں نماز باجماعت وغیرہ کا اتنا اہتمام نہیں ہوتا جتنا اپنے تجارتی امور کا ہوتا ہے۔ یہی حال بہت سے نادار لوگوں کا ہے جو قرض ادھار کر کے کسی طرح حج کو جاتے ہیں، اور پھر وہاں خود سراپا سوال بن جاتے ہیں، اگر چہ حکومت کی طرف سے اس پر کافی روک ٹوک ہے؛ لیکن پھر بھی عورتوں اور مردوں کی ایک بڑی تعداد حرمین شریفین میں اور ان کے ارد گرد سوال کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ نیز ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں ہے جو اگر چہ دینی خدمات اور علم دین سے وابستگی رکھتے ہیں؛ لیکن سفر حج سے ان کا مقصد صرف اپنی شہرت ہوتا ہے کہ یہ کہا جائے کہ فلاں نے اتنے حج کئے اور فلاں نے اتنی بار زیارت کی، وغیرہ۔ **اللّٰهم احفظنا منه۔**

حرمین شریفین میں تصویر کشی کی وبا

اور مزید تکلیف کی بات یہ ہے کہ حرمین شریفین میں تصویر کشی اور فوٹو گرافی نہایت عام ہوگئی ہے، بالکل اسی انداز میں عین بیت اللہ شریف کے سامنے مرد اور عورتیں تصویریں کھینچتے اور کھنچواتے ہیں، جیسا کہ ''تاج محل'' وغیرہ تفریحی مقامات پر فوٹو گرافی کی جاتی ہے، اور جسارت کی انتہاء یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں روضۂ اقدس علی صاحبہا الصلاۃ والسلام پر عین مواجہہ شریف کے سامنے شوقیہ فوٹو کھینچے جا رہے ہیں، ایک صاحب نے یہ منظر دیکھ کر بڑے درد کے ساتھ کہا: ''افسوس! جس نبی نے تصویر کو حرام قرار دیا ہے اسی کے مزار مقدس پر تصویریں لی جا رہی ہیں''۔

ایک دن مسجد نبوی میں نماز کے بعد شیخ علی بن عبد الرحمٰن الحذیفی امام وخطیب مسجد نبوی نے حرم نبوی میں تصویر کشی کی مذمت پر تقریر کی اور اسے گناہ قرار دیا؛ لیکن اس کے بعد بھی ان مکروہ مناظر میں کوئی کمی دکھائی نہیں دی؛ چوں کہ اب کیمرے والے موبائل اور مختصر ترین ڈیجیٹل کیمرے اس قدر عام ہوگئے ہیں کہ حکومت کے لئے ایسے آلات کے حرمین شریفین میں داخلہ پر پابندی لگانا ممکن نہیں رہا؛ اس لئے یہ وباء روز بروز بڑھتی جا رہی ہے، اور اس کی برائی کا احساس تک لوگوں کے دلوں سے نکلتا جا رہا ہے، وجہ یہی ہے کہ سفر حج کی اصل روح یعنی فنائیت اور من چاہی زندگی کے مقابلہ میں خدا چاہی زندگی گزارنے کا جذبہ ماند پڑتا جا رہا ہے۔

حج کا سفر ایک تربیتی سفر ہے

حالاں کہ اگر غور کیا جائے تو سفر حج کی حیثیت ایک تربیت اور ٹریننگ کورس کی ہے، ہر حاجی گویا کہ شریعت کی طرف سے قائم ہونے والے ایک تربیتی کیمپ میں حصہ لیتا ہے، اس کیمپ میں ہر شخص کو اپنی انانیت ختم کرنے اور زندگی کے ہر گوشہ میں خدائی حکم نافذ کرنے کی تربیت دی جاتی ہے۔ چناں چہ احرام شروع ہوتے ہی بہت سی حلال چیزیں بحکم خداوندی ممنوع ہوجاتی ہیں، اور تلبیہ کی گردان کر کے محرم یہ اعلان کرتا ہے کہ وہ اپنے دل و دماغ سے غیر اللہ کی حاکمیت کے فاسد خیال کو نکال چکا ہے، پھر بیت اللہ شریف کا طواف، صفا مروہ کے درمیان سعی، منیٰ کی وادی میں حاضری، دیوانہ وار عرفہ کی طرف کوچ، عرفہ میں امام کے ساتھ عصر کی نماز ظہر کے وقت میں ادائیگی، پھر بارگاہِ رب العزت میں الحاح وزاری کے ساتھ فریاد، اس کے بعد مزدلفہ میں جا کر مغرب کی نماز کی عشاء کے وقت میں ادائیگی، اور دسویں تاریخ کو رمی جمار کرتے وقت اللہ کی بڑائی کے ساتھ شیطان لعین سے بیزاری کا اظہار، پھر اللہ کے لئے قربانی اور طوافِ زیارت، ان سب اعمال ومناسک کا ایک ایک جزء یہ یاد دلاتا ہے کہ ہم اپنے ہر کام میں آزاد نہیں ہیں؛ بلکہ احکم الحاکمین کے احکامات کے پابند ہیں۔ اسی وجہ سے قرآنِ کریم میں جہاں حج کے مناسک کا ذکر ہے اس میں تقویٰ اور پرہیزگاری پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے۔ (البقرہ: ١٩٧)

خطباتِ حجۃ الوداع

اسی لئے ہمارے آقا و مولیٰ فخر عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر متعدد خطبات ارشاد فرمائے، جن میں امت کو احکام شریعت کی پاس داری کرنے کی تلقین فرمائی، آپ کے یہ خطبات انسانیت کے لئے امن کے منشور کی حیثیت رکھتے ہیں اور آپ کے نام لیواؤں کے لئے تاکیدی وصیت کے درجہ میں ہیں، جن کے مضامین کو ہر وقت یاد رکھنے اور ان کا مذاکرہ کرتے رہنے کی ضرورت ہے۔ ذیل میں انہی خطبات کے کچھ منتخب حصے پیش کئے جاتے ہیں:

(۱) حقوق العباد کا خیال رکھنے کی تاکید

بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے پوچھا کہ: ''اے لوگو! آج کونسا دن ہے''؟ تو لوگوں نے جواب دیا کہ یہ محترم دن ہے (یعنی یوم النحر ہے) پھر آپ نے پوچھا کہ: ''یہ کونسی جگہ ہے''؟ تو صحابہ نے عرض کیا کہ: یہ بلد حرام ہے (یعنی حرم محترم ہے) پھر آپ نے سوال فرمایا کہ: ''یہ کونسا مہینہ ہے''؟ تو حاضرین نے جواب دیا کہ: یہ محترم مہینہ (ذی الحجہ) ہے۔ یہ سن کر آپ یوں گویا ہوئے:

فَـإِنَّ دِمَـائَـكُـمْ وَاَمْـوَالَـكُـمْ وَاَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَـوْمِـكُـمْ هٰـذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْـرِكُـمْ هٰـذَا فَـأَعَـادَهَـا مِرَاراً.

(بخاری شریف ۱/۲۳٤ حدیث: ۱۷۳۸)

تمہاری جان، مال اور عزت وآبرو ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جیسے تمہارے اس مقدس دن، اس مقدس شہر اور مقدس مہینہ کی حرمت وتعظیم (تم پر واجب ہے) پھر اسی جملہ کو کئی مرتبہ دہرایا۔

اور ایک روایت میں اسی میں یہ بھی اضافہ ہے کہ: ''ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور کسی بھی شخص کے لئے اس کے بھائی کا مال حلال نہیں ہے، سوائے اس مال کے جو اس نے خوش دلی کے ساتھ اسے دیا ہو، اور تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو''۔ (مستدرک حاکم ۱/۱۷۱، حدیث: ۳۱۸) اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اس خطاب سے پہلے یہ فرمایا کہ: ''اے لوگو! میری بات خوب غور سے سنو؛ اس لئے کہ مجھے امید نہیں ہے کہ میں اس سال کے بعد آئندہ کبھی اس جگہ تمہارے ساتھ ہوں گا، الخ۔ (الروض الانف ۴/۳۸۳)

ایک دوسرے کی حق تلفی دنیوی فسادات کی سب سے بڑی جڑ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا خطبہ میں اس جڑ کو سرے سے مٹانے کی تاکید فرمائی ہے، اور بالخصوص مسلمانوں کو آپس میں جان مال اور عزت وآبرو ہر اعتبار سے ایک دوسرے کی خیر خواہی کرنے کی

تلقین کی ہے، ہم سب کو ہر وقت یہ نبوی وصیت یاد رکھنی چاہئے۔

(۲) کتاب وسنت پر ثابت قدم رہنے کی وصیت

حجۃ الوداع میں متعدد مواقع پر آپ ﷺ نے اپنے بعد کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھامے رہنے کی تلقین فرمائی، اور ایک روایت میں یہ بھی ارشاد فرمایا:

يَآاَيُّهَا النَّاسُ إِنِّيْ قَدْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَا اِنْ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ فَلَنْ تَضِلُّوْا اَبَداً كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّةُ نَبِيِّهٖ ﷺ.

(مستدرك حاكم ۱۷۱/۱ حديث: ۳۱۸، حياة الصحابه ۴۰۲/۳)

اے لوگو! میں تمہارے درمیان ایسی (دو) چیزیں چھوڑے جارہا ہوں کہ اگر تم ان پر مضبوطی سے جمے رہے تو تم کبھی گمراہ نہ ہوگے (ایک) اللہ کی کتاب (دوسرے) اس کے پیغمبر کی سنت۔

پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کا یہ ارشاد عالی قیامت تک کے لئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتا ہے، اگر امت مضبوطی سے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ پر جم جائے تو معاشرہ میں رائج تمام بدعات وخرافات اور رسومات کا قلع قمع ہوجائے گا، اور اتفاق واتحاد کی عطر بیز فضائیں سارے عالم میں چل پڑیں گی۔

(۳) آخرت کی فکر کی تلقین

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد خیف میں خطاب کرتے ہوئے حمد وثنا کے بعد یہ ارشاد فرمایا:

مَنْ كَانَتِ الْاٰخِرَةُ هَمَّهٗ جَمَعَ اللّٰهُ لَهٗ شَمْلَهٗ وَجَعَلَ غِنَاهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَاَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ، وَمَنْ كَانَتِ الدُّنْيَا هَمَّهٗ فَرَّقَ اللّٰهُ شَمْلَهٗ وَجَعَلَ فَقْرَهٗ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَلَمْ يُؤْتِهٖ

آخرت (کی کامیابی) جس شخص کی فکر بن جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے معاملات کو مجتمع فرمادیتے ہیں، اور اس کی آنکھوں کے سامنے اسے غنا عطا فرماتے ہیں اور دنیا ذلیل ہوکر اس کے پاس آتی ہے اور (اس کے برخلاف) دنیا کی فکر جس پر غالب ہوتو

مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا مَا كُتِبَ. (طبرانی ۲۱۲/۱۱ حدیث: ۱۱۶۹۰، حیاۃ الصحابہ ۴۰۳/۳)

اللہ تعالیٰ اس کے معاملات پراگندہ فرمادیتے ہیں، اوراس کی محتاجگی اس کے سامنے کردیتے ہیں، اور اس کو مقدر سے زیادہ دنیا نہیں عطا فرماتے۔

اس خطاب میں امت کے لئے بڑی نصیحت ہے، واقعۃً جو حقیقت پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمائی اس کا مشاہدہ ہر ہر موڑ پر ہوتا رہتا ہے، جو خوش نصیب حضرات فکر آخرت کو اپنے اوپر اوڑھ لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے معاملات درست فرماتے ہیں، اوران کی ضروریات کا غیب سے تکفل فرماتے ہیں، جب کہ وہ شخص جو دنیا کو اپنے اوپر اوڑھ لے وہ مرتے دم تک چین سے نہیں رہتا، اور زیادتی کی حرص وہوس اس کی زندگی سے سکون کا لفظ حرفِ غلط کی طرح مٹا دیتی ہے۔ **اللّٰھم احفظنا منه۔**

(۴) شیطان کے مکروفریب سے بچنے کی تاکید

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے متعدد خطبات میں شیطانِ لعین کے مکروفریب سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے، ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

قَدْ يَئِسَ الشَّيْطَانُ أَنْ يُعْبَدَ بِأَرْضِكُمْ وَلٰكِنَّهُ رَضِيَ أَنْ يُّطَاعَ فِيْمَا سِوٰى ذٰلِكَ مِمَّا تَحَاقَرُوْنَ مِنْ أَعْمَالِكُمْ فَاحْذَرُوْا. (مستدرک حاکم ۱۷۱/۱۱ حدیث: ۳۱۸، حیاۃ الصحابہ ۴۰۲/۳)

شیطان اس بات سے تو مایوس ہو چکا ہے کہ تمہاری سرزمین (جزیرۃ العرب) میں اس کی پوجا کی جائے؛ لیکن وہ اس پر راضی ہے کہ اس کے علاوہ تمہاری جانب سے کئے جانے والے پست اعمال (گناہ والے کاموں) میں اس کی اطاعت کی جائے، اس لئے ہوشیار رہو۔

نبی اکرم علیہ السلام کی یہ پیش گوئی آج عالم عرب پر پوری طرح صادق آچکی ہے کہ وہاں شرک اور بت پرستی کے مناظر تو نہیں ہیں؛ لیکن اس کے علاوہ سیکڑوں ذرائع سے شیطان نے اپنے پنجے گاڑ رکھے ہیں، ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ کے فحش پروگراموں نے نئی نسل پر بدترین اثر ڈالا ہے، اس کا

تدارک پیغمبر علیہ السلام کی ہدایت پر عمل کئے بغیر ہر گز نہیں ہوسکتا۔

(۵) جاہلیت کی ہر رسم پیروں تلے دفن

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے جو چند اعلانات فرمائے، ان میں سے ایک اعلان یہ تھا کہ آپ نے جاہلیت کے زمانہ سے چلی آ رہی تمام رسومات پر قدغن لگادی، خصوصاً خونی انتقام کی اور سود خوری کی جو رسمیں نسلاً بعد نسلٍ چل رہی تھیں، ان کو آپ نے اپنے پیروں تلے دفن فرمادیا، اس کا اعلان آپ نے اس طرح فرمایا:

أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوْعٌ وَدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعَةٌ وَإِنَّ أَوَّلَ دَمٍ أَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ ابْنِ رَبِيْعَةَ بْنِ الْحَارِثِ كَانَ مُسْتَرْضِعاً فِيْ بَنِيْ سَعْدٍ فَقَتَلَتْهُ هُذَيْلٌ وَرِبَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعٌ وَأَوَّلُ رِباً أَضَعُهُ مِنْ رِبَانَا رِبَا الْعَبَّاسِ ابْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، فَإِنَّهُ مَوْضُوْعٌ كُلُّهُ. (مسلم شريف ۳۹۷/۱، حياة الصحابه ۴۰۳/۳)

خبردار! جاہلیت کی ہر رسم (آج) میرے قدموں تلے روندی جارہی ہے، زمانۂ جاہلیت کے سب خون رائیگاں ہیں اور میں اپنے خاندان کے خونوں میں سب سے پہلے ربیعہ بن الحارث کے دودھ پیتے بچے- جو قبیلہ بنو سعد میں پرورش پاتا تھا، جسے قبیلہ ہذیل کے لوگوں نے قتل کر ڈالا تھا- کے خون کے ہدر ہونے کا اعلان کرتا ہوں، اور زمانۂ جاہلیت کے سب سود کالعدم ہیں اور میں سب سے پہلے عباس بن عبدالمطلب کے سودی مطالبات کی معافی کا اعلان کرتا ہوں وہ سب معاف ہیں۔

اس اعلان میں خاص بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رسموں کو مٹانے کا آغاز خود اپنے خاندان سے کیا؛ کیوں کہ اس کے بغیر یہ اعلان اتنا مؤثر نہ ہو پاتا، اور اس طرز عمل سے آپ نے امت کو یہ ہدایت دی کہ ایسے سبھی مواقع پر داعی کو اوروں سے پہلے ایثار کا نمونہ پیش کرنا چاہئے؛ تاکہ دعوت اور اصلاح کا عمل زیادہ مؤثر ہوسکے۔

(۶) قتل وغارت گری سے بچنے کی تلقین

حضرت ابوحرہ رقاشی اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں ایام تشریق کے درمیانی دن (یعنی بارہویں تاریخ کو) جب کہ پیغمبر علیہ السلام لوگوں کو الوداع کہہ رہے تھے، میں آپ کی اونٹنی کی لگام پکڑے ہوئے تھا تو آپ نے لوگوں سے خطاب فرمایا (اس خطاب کا ایک جزء یہ بھی تھا)

أَلَا! لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِيْ كُفَّاراً يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ أَلَا إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ يَئِسَ أَنْ يَّعْبُدَهُ الْمُصَلُّوْنَ وَلٰكِنَّهٗ فِي التَّحْرِيْشِ بَيْنَكُمْ. (مسند احمد ۷۲/۵، حیاۃ الصحابہ ۴۰۷/۳)

خبردار! میرے بعد کافروں جیسے کام کرنے والے مت بن جانا کہ تم میں سے بعض بعض کی گردنیں کاٹے؛ اچھی طرح سن لو! شیطان اس بات سے مایوس ہے کہ نماز پڑھنے والے اس کی پوجا کریں؛ لیکن وہ تمہارے درمیان دشمنیاں ابھارنے میں لگا ہوا ہے۔

اس امت کا سب سے بڑا المیہ آپسی اختلاف اور انتشار رہے، جس کی بنا پر کتنی قیمتی جانیں اپنے ہی ہم مذہبوں کے ہاتھوں ضائع ہو چکی ہیں اور ہو رہی ہیں، یہ قتل وغارت گری اسلام جیسے امن پسند مذہب کی تعلیمات کے قطعاً خلاف ہے، مگر برا ہو حرص وآز، ہوس اقتدار اور بغض وعناد کا جس نے شفقت ورحمت اور نصیحت وخیر خواہی کے جذبات کا بالکل خاتمہ کر رکھا ہے۔

(۷) خواتین کی حرمت کا خیال

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حجۃ الوداع سے متعلق طویل حدیث میں عرفات کے میدان میں آپ ﷺ کے خطبہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے خواتین کے حقوق اور ذمہ داریوں سے متعلق آپ ﷺ کے یہ بلند پایہ کلمات بھی نقل فرماتے ہیں، جو پرسکون ازدواجی زندگی کی ضمانت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

وَاتَّقُوْا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ فَإِنَّكُمْ

عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو!

اَخَذْتُمُوْهُنَّ بِاَمَانِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لاَ يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَداً تَكْرَهُوْنَهُ فَإِنْ فَعَلْنَ ذٰلِكَ فَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْباً غَيْرَ مُبَرِّحٍ، وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ. (مسلم شریف ۱/۳۹۷، حیاۃ الصحابہ ۳/۴۰۳-۴۰۴)

اس لئے کہ تم نے ان پر اللہ کے امان کے ذریعہ قابو پایا ہے اور اللہ کے حکم سے (ایجاب وقبول کے ذریعہ) ان سے جسمانی تعلق کو اپنے لئے حلال کیا ہے، تمہارا ان پر حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر ایسے لوگوں کو نہ بیٹھنے دیں جن کا آنا تمہیں ناپسند ہو، اگر وہ خلاف ورزی کریں تو انہیں ہلکی پھلکی تنبیہ کرو، اور ان کا تمہارے اوپر حق یہ ہے کہ تم معروف طریقہ پر ان کے نان نفقہ اور لباس کا انتظام کرو۔

واقعہ یہ ہے کہ معاشرتی زندگی کے لئے درج بالا ہدایات سے بہتر کوئی ہدایت نہیں ہوسکتی، اس میں جہاں عورتوں کے حقوق اور ان کی ذمہ داریاں بیان کی گئی ہیں، وہیں مردوں کو بھی ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلایا گیا ہے۔ اگر ان ہدایات کی پابندی فریقین کریں تو کبھی بھی نزاع کی نوبت نہ آئے، اور آپس میں الفت ومحبت ہمیشہ استوار رہے، اور خاندانی نظام میں کبھی رخنہ پیدا نہ ہو، اور اگر اس کی خلاف ورزی کی جائے گی، جیسا کہ نئے معاشرہ میں رواج ہے، تو کبھی بھی ذہنی سکون میسر نہ آسکے گا۔

(۸) حکام کی سمع واطاعت کی تلقین

حضرت ام حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع میں شرکت کی سعادت حاصل کی، تو میں نے دسویں ذی الحجہ کو منیٰ میں دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لارہے ہیں اور حضرت اسامہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما آپ کے ساتھ ہیں، ان میں سے ایک نے آپ کی اونٹنی کی لگام پکڑ رکھی ہے اور دوسرے نے گرمی سے بچانے کے لئے اپنے کپڑے سے آپ پر سایہ کررکھا ہے، تا آں کہ آپ نے جمرۂ عقبہ

کی رمی فرمائی، ام حصین فرماتی ہیں کہ اس دن آپ نے بہت سی باتیں بیان فرمائیں، اور میں نے آپ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

إِنْ أُمِّرَ بِكُمْ عَبْدٌ مُجَدَّعٌ حَسِبْتُهَا قَالَتْ: أَسْوَدُ، يَقُوْدُكُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ فَاسْمَعُوْا لَهُ وَاَطِيْعُوْا. (مسلم شريف ٤١٩/١، حياة الصحابه ٤٠٥/٣)

اگر تم پر کسی نکٹے کالے شخص (یعنی بدصورت اور کم رتبہ شخص) کو امیر بنادیا جائے اور وہ کتاب اللہ کی روشنی میں تمہاری قیادت کرے تو تم اس کی تابع داری کرنا۔

اور ایک اور روایت میں ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام نے مسجد خیف میں تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تین باتیں ایسی ہیں جن میں کسی مسلمان کا دل خیانت نہیں کرتا: (۱) خالص اللہ کے لئے عمل کرنا (۲) مسلمان حکمرانوں کے ساتھ خیر خواہی کا جذبہ رکھنا (۳) عام مسلمانوں کے ساتھ ساتھ رہنا (اختلاف اور افتراق نہ کرنا)۔ (ابن ماجہ شریف ۲۱۹، حیاۃ الصحابہ ۴۰۳/۳)

یہ ہدایت بھی نہایت اہم ہے، چوں کہ صاحب اقتدار سے بغاوت بہت بڑے فتنہ کا باعث بن جاتی ہے؛ اس لئے عافیت کا راستہ یہی ہے کہ آدمی اپنا ذاتی نقصان برداشت کرلے؛ لیکن امت کی اجتماعیت میں فرق نہ آنے دے۔

(۹) حقیقی مساوات کا اعلان

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں بارہویں ذی الحجہ کو منیٰ میں خطبہ دیتے ہوئے یہ الفاظ بھی ارشاد فرمائے:

يَآ اَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلَا لَأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَلَا لَأَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوٰى إِنَّ

اے لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے، اور تم سب کے والد بھی ایک ہیں (یعنی حضرت آدم علیہ السلام) خبردار رہو! کسی عربی کو عجمی پر، کسی عجمی کو عربی پر، کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر تقویٰ کے علاوہ کسی اعتبار سے فضیلت حاصل

أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ. (الترغيب والترهيب حديث: ٤٣٧١، حياة الصحابه ٤٠٨/٣)

نہیں ہے، بے شک تم میں سب سے باعزت شخص اللہ تعالیٰ کی نظر میں وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے۔

خطبہ کے یہ بلیغ الفاظ انسانی مساوات کے سلسلہ میں اسلامی نظریہ کی وضاحت کے لئے کافی ہیں، اسلام میں شرافت کا اصل معیار رنگت، نسل، علاقائیت یا خاندان نہیں ہے؛ بلکہ معیار شرافت ایمان، عمل صالح، تقویٰ اور اخلاق فاضلہ ہیں، اور طبقاتی کشمکش جو دنیا میں رائج ہے وہ اسلام کے تصور مساوات سے بالکل جداگانہ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نسب وحسب کی بنیاد پر تفاخر سے بھی منع فرمایا ہے اور نسب کو بنیاد بنا کر کسی فرد یا قوم کو مطعون کرنے کو بھی نہایت ناپسندیدہ اور جاہلیت والا عمل قرار دیا ہے؛ اس لئے ہر مسلمان کو ہر ایسی جہالت والے نظریات سے اپنے کو بچانا ضروری ہے۔

(۱۰) متفرق ہدایات

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منیٰ میں جو خطبات دئے ان میں حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ سے یہ کلمات بھی منقول ہیں، جن کا ہر ہر لفظ آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں:

إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَعْطىٰ كُلَّ ذِىْ حَقٍّ حَقَّهٗ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ وَالْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ، وَمَنْ ادَّعىٰ إِلىٰ غَيْرِ أَبِيْهِ أَوْ انْتَمىٰ إِلىٰ غَيْرِ مَوَالِيْهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ التَّابِعَةُ إِلىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا تُنْفِقُ امْرَأَةٌ مِنْ

اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا ہے؛ لہٰذا وارث کے حق میں وصیت کا اعتبار نہیں ہے، اور بچہ کا نسب شوہر ہی سے ثابت ہوگا اور زنا کار کو محض ڈلا ملے گا (یعنی شوہر والی عورت اگر زنا کی مرتکب ہو تو اس عمل سے پیدا ہونے والا بچہ زانی کی طرف منسوب نہ ہوگا؛ بلکہ جائز شوہر کی طرف منسوب ہوگا) اور ان کا معاملہ اللہ کے سپرد

بَيْتِهَا إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا، فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا الطَّعَامُ قَالَ: ذَاكَ أَفْضَلُ أَمْوَالِنَا، ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلّٰى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْعَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ وَالْمِنْحَةُ مَرْدُوْدَةٌ وَالدَّيْنُ مُقْضِيٌّ وَالزَّعِيْمُ غَارِمٌ. (مسند احمد ۲۶۷/۵، ترمذی شریف ۲۳۹/۱، ابوداؤد ۵۰۲/۲، حیاۃ الصحابہ ۴۰۵/۳)

ہے (یعنی برے عمل کی سزا کا معاملہ اللہ کے حوالہ ہے) اور جو شخص اپنے حقیقی باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف نسبت کا مدعی ہو یا کوئی غلام اپنے مولیٰ کے علاوہ دوسرے کی طرف اپنی نسبت کرے تو اس پر تا قیامت اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ اور کوئی عورت اپنے شوہر کی (صراحۃً یا دلالۃً) اجازت کے بغیر گھر کا کوئی سامان خرچ نہ کرے، عرض کیا گیا کہ عورت کسی کو کھانا بھی نہ دے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کھانا ہمارے قیمتی مالوں میں سے ہے، پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عاریت کا سامان مالک کو لوٹایا جائے گا، اور دودھ والا جانور (جو کسی شخص کو دودھ پینے کے لئے عاریۃً دیا گیا ہو) اسے مالک کو واپس کرنا پڑے گا، اور قرض مالک کو ادا کیا جائے گا، اور کفالت لینے والا ضامن ہے۔

(۱۱) تبلیغ دین کی تلقین

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے جو خطبات ارشاد فرمائے ان میں اخیر میں اس بات کی اہتمام کے ساتھ تلقین کی کہ جنہوں نے دین کی باتیں سنی ہیں وہ غائب حضرات کو پہنچادیں۔ چناں چہ ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد خیف میں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْداً سَمِعَ مَقَالَتِيْ فَعَمِدَ بِهَا يُحَدِّثُ بِهَا اَخَاهُ. (کنز العمال، حیاۃ الصحابہ ۴۰۳/۳)

اللہ تعالیٰ اس شخص کا چہرہ روشن فرمائیں جو میری کسی بات کو سن کر اسے اپنے کسی بھائی کو سنانے کا ارادہ کرے۔

اور بعض دیگر روایات میں یہ الفاظ ہے: **أَلَا! فَلْيُبَلِّغُ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ** ۔ (خبردار حاضر شخص غائب تک یہ باتیں پہنچادیں)

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ذی الحجہ کی بارہ تاریخ کو منیٰ میں آپ پر سورۂ ﴿**اذا جاء نصر الله**﴾ نازل ہوئی، جس سے آپ نے اندازہ لگالیا کہ اب آپ کے دنیا سے پردہ فرمانے کا وقت قریب ہے، اس لئے آپ نے اہتمام کے ساتھ امت کو خطاب کیا اور اخیر میں فرمایا کہ: ''حاضرین غیر موجودین کو یہ باتیں پہنچادیں؛ کیوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں''۔ (البدایہ والنہایہ، حیاۃ الصحابہ ۳/۴۰۷)

مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ حجۃ الوداع کے خطبہ کے اخیر میں آپ نے حاضرین صحابہ سے پوچھا کہ: ''قیامت میں تم سے جب میرے بارے میں سوال ہوگا تو تم کیا کہوگے''؟ تو سب نے عرض کیا کہ ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے (اللہ کا پیغام بلا کم وکاست) ہم تک پہنچایا اور (آپ نے امت کے ساتھ) خیر خواہی کا معاملہ فرمایا، اور آپ نے (امانت خداوندی بحسن وخوبی) ادا فرمائی، یہ سن کر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور لوگوں کی طرف اشارہ کیا اور تین مرتبہ یہ جملہ ارشاد فرمایا: **اللّٰهم اشهد، اللّٰهم اشهد، اللّٰهم اشهد** ۔ (اے اللہ گواہ رہ، اے اللہ گواہ رہ، اے اللہ گواہ رہ) (مسلم شریف ۱/۳۹۷، حیاۃ الصحابہ ۳/۴۰۴)

''خدارا مجھے قیامت میں رسوا مت کرنا''

سنن ابن ماجہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات کے میدان میں جو خطاب فرمایا، اس کے اخیر میں یہ رونگٹے کھڑے کردینے والے الفاظ بھی تھے:

أَلَا وَإِنِّي فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ	خبردار رہو! میں حوض کوثر پر تمہارا منتظر رہوں گا
وَأُكَاثِرُ بِكُمُ الْأُمَمَ فَلَا تُسَوِّدُوْا	اور تمہارے ذریعہ سے دیگر امتوں پر فخر کروں گا؛
وَجْهِي، أَلَا وَإِنِّي مُسْتَنْقِذٌ أُنَاسًا	اس لئے تم (بدعملی کرکے) میرا چہرہ سیاہ مت کرنا

وَمُسْتَنْقِذٌ مِنِّیْ أُنَاسٌ فَأَقُوْلُ: یَا رَبِّ أُصَیْحَابِیْ فَیَقُوْلُ: إِنَّكَ لَا تَدْرِیْ مَا أَحْدَثُوْا بَعْدَكَ. (سنن ابن ماجه ۲۱۹، کتاب المناسك حدیث: ۳۰۵۷)

(یعنی مجھے رسوامت کرنا) کان کھول کر سن لو! کہ حوض کوثر پر میں کچھ لوگوں کو چھاٹوں گا اور کچھ لوگ مجھ سے الگ کئے جائیں گے، تو میں کہوں گا کہ اے رب! یہ تو میرے ساتھی ہیں، تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ آپ کو نہیں معلوم کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا نئے کام کئے ہیں۔ (یعنی بدعات اور بدعملی میں مبتلا رہے؛ اس لئے یہ جام کوثر پینے کے لائق نہیں)

درج بالا کلمات اس قدر پراثر ہیں کہ ان کو پڑھ لینے کے بعد کوئی بھی صاحب ایمان اور محبّ رسول ایسا کام کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا جس سے آخرت میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے شرم سار ہونا پڑے بالخصوص پیغمبر علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ: ''فلا تسودوا وجھی'' (کہ قیامت میں مجھے رسوامت کرنا) ہمیں جھنجھوڑنے کے لئے کافی ہے؛ کیوں کہ اگر ایک طرف آپ اپنی امت کے نیک لوگوں کے ذریعہ دوسری امتوں پر فخر فرمائیں گے تو اگر امت میں ایسے بدعمل افراد زیادہ پائے جائیں جو فخر کے قابل نہ ہوں، تو یقیناً پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کو سخت تکلیف ہوگی۔ (مستفاد: حاشیہ سندھی علی سنن ابن ماجہ طبع بیروت ۲۰۴)

ہمارا فرض

خلاصہ یہ کہ آنحضرت ﷺ کے درج بالا گراں قدر ارشادات پوری امت کی دینی ودنیوی فلاح کی ضمانت ہیں، جن کا ہر لفظ ہر مسلمان کو یاد رکھنا چاہئے؛ لیکن جو حضرات سفر حج کی سعادت سے بہرہ ور ہوتے ہیں، انہیں خصوصیت کے ساتھ قدم قدم پر یہ ارشادات پیش نظر رکھنے چاہئیں؛ بلکہ انہیں تازندگی عمل میں لانے کا عہد کرلینا چاہئے۔ یہی چیز اصل میں حج کی روح ہے۔ علماء

ومشائخ نے لکھا ہے کہ حج مقبول کی علامت یہ ہے کہ حج آدمی کی زندگی میں دینی انقلاب کا ذریعہ بن جائے کہ اگر پہلے حقوق اللہ یا حقوق العباد میں کسی کوتاہی میں مبتلا تھا تو حج کے بعد اس سے یکسر تائب ہو جائے، اگر خدانخواستہ کسی کی طرف سے کینہ، حسد یا بغض وعداوت دل میں تھی تو حج کے بعد اس کا دل آئینہ کی طرح صاف ہو جائے، اگر بے نمازی تھا تو نمازی بن جائے اگر سنتوں کی خلاف ورزی کرتا تھا تو حج کے بعد خلاف ورزی چھوڑ دے، وغیرہ۔

یہی وہ کسوٹی اور معیار ہے جس کی روشنی میں ہر عازم حج اپنے حج کے مقبول ہونے یا نہ ہونے کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سبھی عازمین حج کو قبولیت سے سرفراز فرمائیں اور امت کے ہر فرد کو کتاب وسنت سے وابستہ رہ کر ان پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی فروری ۲۰۰۸ء)

معلّم انسانیت نبی اکرم ﷺ کا

ایک قیمتی پُر اثر وعظ

سیدنا حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ عصر کے بعد نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطاب فرمانے کے لئے تشریف فرما ہوئے اور آپ نے اپنے خطاب میں قیامت تک پیش آنے والے کسی واقعہ کا ذکر بیان کرنے سے نہیں چھوڑا، جس نے اسے یاد رکھا یاد رکھا، اور جو بھول گیا بھول گیا، اور اس وقت جو باتیں آپ نے ارشاد فرمائیں ان میں یہ باتیں بھی تھیں:

دنیا اور عورتوں کے فتنوں سے بچو!

إِنَّ الـدُّنْيَـا حُلْوَةٌ خَضِـرَةٌ وَاِنَّ اللّٰهَ مُسْتَـخْـلِـفُـكُـمْ فِيْهَا فَنَاظِرٌ كَيْفَ تَـعْمَلُوْنَ اَلَا ! فَاتَّقُوْا الدُّنْيَا وَاتَّقُوْا النِّسَاءَ.

(۱) یہ دنیا میٹھی اور سرسبز ہے، اور اللہ تعالی نے تمہیں اس میں نائب بنایا ہے، پھر وہ تمہیں دیکھنا چاہتا ہے کہ تم اس دنیا میں کیا کام کرتے ہو، اس لئے اچھی طرح سن لو کہ دنیا اور عورتوں (کے فتنہ) سے بچو۔

دنیا کی چمک دمک، شان وشوکت پر فریفتگی، بدکار اور فاحشہ عورتوں سے میل جول انسان کے دین کے لئے بدترین تباہ کن ہے، حتی کہ دیکھا جائے تو عالم میں فتنہ وفساد کی ساری جڑیں ''زن اور زر'' پر ہی آکر ملتی ہیں، اس لئے پیغمبر علیہ السلام کا یہ جامع ارشاد عالی انتہائی اہمیت کا حامل ہے، جسے ہر ہر قدم پر یاد رکھنے اور اس کے مطابق مذکورہ دونوں خطرناک چیزوں سے محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔

اسلام میں بدعہدی روا نہیں

وَذَكَـرَ : اِنَّ لِـكُـلِّ غَـادِرٍ لِوَاءً يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِقَدْرِ غَدْرَتِهٖ فِي الدُّنْيَا وَلَا غَـدَرَ اَكْبَـرُ مِـنْ غَـدْرِ اَمِيْـرِ

(۲) نیز آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ہر غدار کے لئے اس کی دنیا میں غداری کے بقدر ایک جھنڈا قیامت میں لگا دیا جائے گا، اور عام امیر کی

الْعَامَّةِ يُغْرَزُ لِوَائُهُ عِنْدَ اِسْتِهٖ .

غداری سے بڑھ کر کوئی غداری نہیں ہے، ایسے غدار کی پچھوڑی پر ایک علامتی جھنڈا نصب کر دیا جائے گا۔

معاہدہ کرنے کے بعد اس کی خلاف ورزی سے دنیا کا امن وامان غارت ہو جاتا ہے اور خاص کر حکومت کے ذمہ داران کی طرف سے اگر عہد شکنی کا جرم صادر ہو تو اس کے نتائج اور زیادہ سنگین ہوتے ہیں، اس لئے ہر شخص کو بے وفائی اور بدعہدی سے اپنے کو بچانا چاہئے، عافیت کا راستہ یہی ہے۔

برائی پر روک ٹوک جاری رکھیں!

قَالَ : وَلَا يَمْنَعَنَّ اَحَدًا مِنْكُمْ هَيْبَةُ النَّاسِ اَنْ يَقُوْلَ بِحَقٍّ إِذَا عَلِمَهُ، وَفِى رَوَايَةٍ : اِنْ رَاٰى مُنْكَراً اَنْ يُغَيِّرَهُ، فَبَكىٰ أَبُوْسَعِيْدٍ وَقَالَ : قَدْ رَاَيْنَاهُ فَمَنَعَتْنَا هَيْبَةُ النَّاسِ اَنْ نَتَكَلَّمَ فِيْهِ.

(۳) پھر آپ نے فرمایا: لوگوں کی ہیبت تم میں سے کسی کو جاننے کے باوجود حق بات کہنے سے نہ روکے، اور ایک روایت میں یہ ہے کہ: منکر پر نکیر کرنے سے نہ روکے، یہ فرما کر راوی حدیث حضرت ابوسعیدؓ نے روتے ہوئے فرمایا: کہ ہم نے منکر کو دیکھا؛ لیکن لوگوں کی ہیبت نے ہمیں اس کے بارے میں زبان کھولنے سے روک دیا۔

دنیا کا تجربہ ہے کہ اگر برائیوں کو ابتدائی ہی میں مٹا دیا جائے تو ان کا مٹانا اور ختم کرنا آسان ہو جاتا ہے؛ لیکن اگر ان سے چشم پوشی کی جائے اور منکرات کو پنپنے کا موقع فراہم کر دیا جائے تو پھر بعد میں ان برائیوں پر قابو پانا آسان نہیں رہتا، اور عام طور پر منکرات سے چشم پوشی کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ آدمی دیگر لوگوں کی ہیبت کی وجہ سے برموقع حق بات کہنے کی ہمت نہیں جٹا پاتا۔ پیغمبر علیہ السلام نے مذکورہ ارشاد میں اسی جانب متوجہ فرمایا ہے کہ ہر مسلمان کو موقع محل کی حکمت ومصلحت کو ملحوظ رکھتے ہوئے خوش اسلوبی کے ساتھ احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ ادا کرنے سے غفلت

نہیں برتنی چاہئے، اس ارشاد کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ منکر پر نکیر کرتے ہوئے حکمت کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا جائے اور ایک نئے فتنہ کو ہوا دے دی جائے؛ بلکہ منشا یہ ہے کہ اس برائی کو مٹانے کے لئے سنجیدگی سے کوشش کی جائے اور جو راستہ آسان اور مؤثر ہو اسے اپنا لیا جائے۔

اپنے انجام سے بے فکر نہ رہیں

ثُمَّ قَالَ: اَلَا اِنَّ بَنِي اٰدَمَ خُلِقُوْا عَلٰى طَبَقَاتٍ شَتّٰى: فَمِنْهُمْ مَنْ يُوْلَدُ مُؤْمِناً وَيَحْيٰى مُؤْمِنًا وَيَمُوْتُ مُؤْمِنًا، وَمِنْهُمْ مَنْ يُوْلَدُ كَافِراً وَيَحْيٰى كَافِراً وَيَمُوْتُ كَافِراً، وَمِنْهُمْ مَنْ يُوْلَدُ مُؤْمِناً وَيَحْيٰى مُؤْمِنًا وَيَمُوْتُ كَافِراً، وَمِنْهُمْ مَنْ يُوْلَدُ كَافِراً وَيَحْيٰى كَافِراً وَيَمُوْتُ مُؤْمِناً.

(۴) پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خبردار ہو جاؤ! کہ آدمیوں کو مختلف طبقات پر پیدا کیا گیا ہے، پس ان میں سے بعض ایمان کی حالت میں پیدا ہوتے ہیں اور ایمان کی حالت میں زندگی گذارتے ہیں اور ایمان ہی کی حالت میں ان کی موت آتی ہے، اور بعض کی پیدائش، زندگی اور موت سب حالتِ کفر پر ہوتی ہے، اور بعضوں کا حال یہ ہے کہ ایمان کی حالت میں پیدا ہوتے ہیں اور اسی حالت میں زندگی گذارتے ہیں، مگر موت حالتِ کفر میں ہوتی ہے (اعاذنا اللہ منہ) اور بعضوں کا حال یہ ہے کہ کفر کی حالت میں پیدا ہوتے ہیں اور اسی حال میں زندگی گذارتے ہیں مگر موت ایمان کی حالت میں میسر آتی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ کسی بھی شخص کو اپنے مستقبل کے بارے میں اطمینان کر کے نہیں بیٹھنا چاہئے؛ بلکہ ہر وقت یہ فکر لاحق رہنی چاہئے کہ حاصل شدہ ایمانی نعمت کہیں ضائع نہ ہو جائے، اس لئے مسلسل ذکر و شکر اور فکر کے ساتھ زندگی گذاریں اور اپنے نفس پر اعتماد کرنے کے بجائے ہر وقت اللہ تعالیٰ کی توفیق طلب کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا خاتمہ ایمان اور عمل صالح پر فرمائیں۔ آمین۔

غصہ سے پرہیز کریں !

قَالَ: وَذَكَرَ الْغَضَبَ، فَمِنْهُمْ مَنْ يَكُوْنُ سَرِيْعَ الْغَضَبِ سَرِيْعَ الْفَيْئِ فَاِحْدٰهُمَا بِالْاُخْرٰى وَمِنْهُمْ مَنْ يَكُوْنُ بَطِيْئَ الغَضَبِ بَطِيْئَ الْفَيْئِ فَاِحْدٰهُمَا بِالْاُخْرٰى وَخِيَارُكُمْ مَنْ يَكُوْنُ بَطِيْئَ الغَضَبِ سَرِيْعَ الْفَيْئِ وَشِرَارُكُمْ مَنْ يَكُوْنَ سَرِيْعَ الْغَضَبِ بَطِيْئَ الْفَيْئِ، قَالَ: اِتَّقُوْا الغَضَبَ فَاِنَّهُ جَمْرَةٌ عَلٰى قَلْبِ اِبْنِ آدَمَ اَلَا تَرَوْنَ إِلٰى انْتِفَاخِ اَوْدَاجِهٖ وَحُمْرَةِ عَيْنَيهٖ فَمَنْ اَحَسَّ بَشَيْئٍ مِنْ ذٰلِكَ فَلْيَضْطَجِعْ وَلِيَتَلَبَّدَ بِالْاَرْضِ.

(۵) اس کے بعد آپ ﷺ نے غصہ کے بارے میں ذکر فرمایا: کہ بعض لوگوں کا حال یہ ہے کہ جن کو جلدی غصہ آتا ہے مگر جلدی اتر بھی جاتا ہے، تو ان کا معاملہ برابر سرابر ہے، اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ انہیں دیر میں غصہ آتا ہے اور دیر ہی میں جاتا بھی ہے تو ان کی بھی ایک خصلت دوسری خصلت کا جواب ہے، اور تم میں سے سب سے بہترین لوگ وہ ہیں جنہیں غصہ دیر میں آتا ہو اور جلدی اتر جاتا ہو، اور تم میں سب سے برے لوگ وہ ہیں جنہیں غصہ جلدی آجاتا ہو اور دیر میں اترتا ہو، اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: غصہ سے ہوشیار رہو! کیونکہ وہ آدمی کے دل پر ایک انگارہ ہے، کیا تم غصہ والے شخص کی رگوں کا پھولنا، اور اس کی آنکھوں کی سرخی نہیں دیکھتے؟ لٰہذا تم میں سے جب کوئی شخص غصہ کا احساس کرے تو اسے چاہئے کہ لیٹ جائے اور زمین سے چمٹ جائے۔

غصہ کا انجام ہمیشہ شرمندگی کی صورت میں سامنے آتا ہے اس لئے عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ غصہ کی حالت میں اپنے کو قابو میں رکھا جائے، واقعۃً سب سے بہتر شخص وہ ہے جو متحمل مزاج اور بردبار ہو، یعنی اولاً تو اسے غصہ ہی نہ آئے اور اگر کسی واقعی بات پر غصہ آ بھی جائے تو دیر تک باقی

نہ رہے؛ بلکہ جلد ہی اس کا اثر زائل ہو جائے۔ اس صفت سے انسان بڑے بڑے فتنوں سے محفوظ رہتا ہے اور اسے زندگی میں عافیت نصیب رہتی ہے۔

قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول نہ کریں

قَالَ وَذَكَرَ الدَّيْنَ فَقَالَ مِنْكُمْ مَنْ يَكُوْنُ حَسَنَ الْقَضَاءِ وَإِذَا كَانَ لَهُ اَفْحَشَ فِي الطَّلَبِ فَاِحْدٰهُمَا بِالْاُخْرىٰ وَمِنْهُمْ مَنْ يَكُوْنُ سَيِّئَ الْقَضَاءِ وَاِنْ كَانَ لَهُ اَجْمَلَ فِي الطَّلَبِ فَاِحْدٰهُمَا بِالْاُخْرىٰ وَخِيَارُكُمْ مَنْ إِذَا كَانَ عَلَيْهِ الدَّيْنُ اَحْسَنَ الْقَضَاءَ وَاِنْ كَانَ لَهُ اَجْمَلَ فِي الطَّلَبِ وَشِرَارُكُمْ مَنْ إِذَا كَانَ عَلَيْهِ الدَّيْنُ اَسَاءَ الْقَضَاءَ وَاِنْ كَانَ لَهُ اَفْحَشَ فِي الطَّلَبِ.

(۶) اس کے بعد آپ نے قرض کے بارے میں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: کہ تم میں سے بعض لوگ ایسے ہیں کہ قرضہ ادا کرنے میں تو بہت اچھے ہیں؛ لیکن جب ان کا کسی پر قرض ہوتا ہے تو اس کا مطالبہ کرنے میں بہت سختی کا معاملہ کرتے ہیں، تو ان کا معاملہ بھی برابر سرابر ہے، اور بعض ایسے ہیں کہ ادا کرنے میں تو بہت بدمعاملہ ہیں؛ لیکن اپنے قرض کے تقاضہ میں بہت خوش اسلوبی سے پیش آتے ہیں، تو ان کا معاملہ بھی برابر سرابر ہے، اور تم میں سب سے بہترین لوگ وہ ہیں کہ جب ان پر کسی کا قرض ہو تو وہ بہتر انداز میں ادا کریں اور جب ان کا کسی پر قرض ہو تو وہ مطالبہ کرنے میں عمدگی سے کام لیتے ہوں، اور تم میں سب سے بدترین لوگ وہ ہیں جو اپنا قرض ادا کرنے میں ٹال مٹول کرتے ہوں، اور اگر ان کا کسی پر قرض ہو تو اس سے سختی سے پیش آتے ہوں۔

مالی معاملات میں ایک دوسرے کے حق کی ادائیگی کا خیال رکھنا لازم ہے، اگر کسی کا حق

لے کراس کو ادا کرنے میں ٹال مٹول کی جائے گی تو آپسی محبت ومودت اور امن وسکون باقی نہ رہ سکے گا۔ بالخصوص کسی سے قرض لے کراس کی بروقت ادائیگی کی فکر کرنا بہت ضروری ہے، عام طور پر اس میں بڑی کوتاہی پائی جاتی ہے، اور لوگ قرض لے تو لیتے ہیں مگر ادائیگی میں بہت ٹال مٹول کرتے ہیں، یہ نہایت خطرناک بات ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ: جو شخص قرض ادا کئے بغیر مر جائے تو قیامت میں اس کے بدلہ میں اس کی نیکیاں حق دار کو دلوائی جائیں گی۔ (الترغیب والترہیب، حدیث:۲۸۰۲) اور ایک روایت میں ہے کہ انسان کا نفس اپنے قرضہ کی وجہ سے معلق رہتا ہے یہاں تک کہ اس کی ادائیگی نہ کر دی جائے۔ (مسند احمد ۲/۴۴۰، الترغیب والترہیب، حدیث:۲۸۱۵) اس لئے اولاً تو بلا ضرورت کسی سے قرض لینا نہیں چاہئے، اور اگر لے لیا ہے تو جلد ادائیگی کی فکر کرنی چاہئے۔

دنیا بس چند روزہ ہے

حَتّٰی إِذَا كَانَتِ الشَّمْسُ عَلٰی رُؤُوْسِ النَّخْلِ وَاَطْرَافِ الحِيْطَانِ فَقَالَ اَمَا اِنَّهُ لَمْ يَبْقَ مِنَ الدُّنْيَا فِيْمَا مَضٰى مِنْهَا إِلَّا كَمَا بَقِيَ مِنْ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْمَا مَضىٰ مِنْهُ.

(رواه الترمذی ٤٣٧)

(۷) اس کے بعد جب آپ ﷺ کو خطاب فرماتے ہوئے اتنی دیر ہوگئی کہ دھوپ کھجور کے درختوں اور دیواروں پر پڑنے لگی، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ: ''خبردار ہو جاؤ! کہ دنیا بس اب اتنی ہی بچی ہے جتنا یہ تمہارا دن باقی ہے''۔

نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام نے ایک محسوس مثال سے دنیا کی مابقیہ عمر کو بیان فرمایا ہے کہ اب گویا کہ دن ڈوبا ہی چاہتا ہے، اور آفتابِ حیات لب غروب تک پہنچ چکا ہے۔ اب اگر صرف اس مختصر ترین وقت کے لئے ہی کوئی آدمی تگ ودو اور جد جہد کرے اور اس کے بعد جو ہمیشہ کی زندگی آنے والی ہے اس سے اعراض کرے، اور اس کی فکر نہ کرے تو اس سے بڑا بدنصیب اور کوئی نہیں ہوسکتا۔

افسوس ہے کہ آج ہمارے ذہن ودماغ پر یہی مختصر ترین دنیا اوراس کی شان وشوکت حاوی ہوچکی ہے، مال ودولت، عہدہ اور منصب اور معمولی اور عارضی شہرت وعزت کے حصول کے لئے ایک دوسرے میں ہوڑ لگی ہوئی ہے، اوراکثر لوگ انجام سے بے خبر ہوکرانہیں چندروزہ لذتوں کے حصول کے لئے سرگرداں نظر آرہے ہیں۔ یہ صورتِ حال ایک مسلمان کے لئے انتہائی قابل تشویش ہے۔ہمیں نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام (جن سے بڑھ کر ہمارا خیرخواہ کوئی نہیں ہوسکتا) کے مذکورہ بالا حکیمانہ ارشادات ہمہ وقت پیش نظر رکھنے چاہئیں اوران کی روشنی میں اپنی زندگی کو روشن بنانے کی کوشش کرنی چاہئے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کوان پرعمل کی توفیق عطافرمائیں۔آمین۔

(درس حدیث اکتوبر۲۰۰۶)

بری صحبت سے پرہیز

انسان کی طبعیت پر سب سے زیادہ اثر اس کی سوسائٹی اور ماحول کا پڑتا ہے، اگر آدمی اچھے اور باوقار لوگوں کی صحبت میں رہے تو خود اس کی زندگی بھی باوقار ہوگی اور اگر آبرو باختہ اور بدکردار لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور میل جول ہوگا تو ایسے ہی لوگوں کا اثر طبعیت اور اخلاق پر پڑے گا۔ اس لئے ہمیشہ دوستی اور تعلق قائم کرتے وقت یہ دیکھنا چاہئے کہ دینی اعتبار سے یہ تعلق مفید رہے گا یا نقصان دہ؟ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

اَلْمَرْأُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِهٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُکُمْ مَنْ یُخَالِلُ. (شعب الایمان ۵۵/۷)

آدمی اپنے دوست کے نظریہ پر ہی سمجھا جاتا ہے اس لئے اچھی طرح غور کرلو کہ کس سے دوستی کررہے ہو؟

اور ایک روایت میں آپ ﷺ نے اچھے اور برے دوست کی مثال بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا مَثَلُ الْجَلِیْسِ الصَّالِحِ وَالْجَلِیْسِ السُّوْءِ کَحَامِلِ الْمِسْكِ وَنَافِخِ الْکِیْرِ، فَحَامِلُ الْمِسْكِ اِمَّا اَنْ یُحْذِیْكَ، وَاِمَّا اَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ، وَاِمَّا اَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِیْحاً طَیِّبَةً، وَنَافِخُ الْکِیْرِ اِمَّا اَنْ یُحْرِقَ ثِیَابَكَ وَاِمَّا اَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِیْحاً خَبِیْثَةً. (رواہ البخاری ومسلم عن ابی موسیٰ الاشعری شعب الایمان ۵٤/۷، الترغیب والترهیب ۹۸/٤)

نیک اور برے دوست کی مثال عطر فروش اور بھٹی دھوکنے والے کی طرح ہے، پس عطر فروش یا تو تمہیں مفت میں عطر دیدے گا یا تم اس سے عطر خرید لوگے، یا (کم از کم) اس کے پاس عمدہ خوشبو محسوس کروگے، اور بھٹی دھوکانے والا یا تو تمہارے کپڑے ہی جلا دے گا، اور یا تم اس سے بری بو محسوس کروگے۔

بریں بنا اسلام میں اچھے لوگوں کی صحبت اختیار کرنے اور ان سے تعلق رکھنے کی بہت تاکید فرمائی گئی ہے، ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ. (التوبة ۱۱۹)

اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے اور رہو ساتھ سچوں کے۔

اسی طرح ہر ایسی مجلس سے بچنے کی تلقین کی گئی جس میں شرکت کرنے سے دین کا نقصان لازم آتا ہو یا بددینوں کی تائید ہوتی ہو، ایک آیت مبارکہ میں بڑے مؤثر پیرایہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب بنا کر امت کو نہایت اہم ہدایت اس طرح دی گئی:

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ، وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ. (الانعام ۶۸)

اور جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیات میں عیب جوئی کررہے ہیں تو ان سے کنارہ کش ہوجا، یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جاویں، اور اگر تجھ کو شیطان بھلادے تو یاد کرنے کے بعد پھر ایسے ظالموں کے ساتھ مت بیٹھ۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر وہ مجلس جو یادِ خدا سے غفلت کا ذریعہ ہو، یا کسی گناہ اور منکر کام پر مشتمل ہو اس میں شرکت کرنا، اور ایسے بدعمل اور بدعقیدہ لوگوں سے لگاؤ رکھنا جائز نہیں ہے۔ اگر مسلمان کو اپنا دین محفوظ رکھنا ہے تو اسے سب سے زیادہ اپنے ماحول کے تحفظ پر دھیان دینا ہوگا، ہمیشہ اچھے اور نیک لوگوں ہی سے تعلق رکھا جائے، اور برے لوگوں کی صحبت اور ان کے ساتھ رہن سہن سے پوری طرح اجتناب کیا جائے، اس کے بغیر اپنے دین اور اپنے اعمال کا تحفظ نہیں ہوسکتا۔

مالک بن مغول نقل کرتے ہیں کہ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''گناہوں میں مبتلا لوگوں (کے عمل) سے بغض اختیار کرکے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرو اور اللہ کے نافرمانوں سے دور رہ کر اللہ کا قرب حاصل کرو، اور اللہ کے مجرموں کی ناراضگی کے ذریعہ اللہ کی رضامندی تلاش کرو، اہل مجلس نے عرض کیا کہ اے روح اللہ! پھر ہم کس طرح کے لوگوں کے ساتھ اٹھا بیٹھا کریں؟ تو آپ نے جواب دیا کہ ''ایسے شخص کی صحبت اختیار کرو

جس کے دیکھنے سے تمہیں خدا یاد آئے، اور جس کی گفتگو سے تمہارے اندر عمل کا شوق پیدا ہو اور جس کے عمل کو دیکھ کر تمہارے اندر آخرت کی رغبت پیدا ہو‘‘۔ (شعب الایمان ۷؍۵۷)

یعنی ہمیشہ اچھے اور متقی لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کی فکر کی جائے، اس لئے کہ آدمی کی پہچان اس کے دوستوں کے ذریعہ ہی ہوتی ہے، جس شخص کے دوست اور ساتھ رہنے والے باکردار اور بااخلاق ہوں تو یہ دلیل ہوتی ہے کہ وہ شخص بھی باوقار اور صاحب کردار ہے۔

سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: ’’جو شخص تمہارے لئے باعث اذیت ہو اُس سے کنارہ کش رہو، اور ہمیشہ نیک دوست کو تلاش کرو حالانکہ ایسا دوست تم بہت کم پاؤ گے، اور اپنے معاملات میں صرف ان لوگوں سے مشورہ لیا کرو جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہوں‘‘۔ (شعب الایمان ۷؍۵۶)

وجہ یہ ہے کہ متقی شخص کبھی صرف منہ دیکھ کر مشورہ نہیں دے گا؛ بلکہ جو رائے اس کی نظر میں دنیا وآخرت کے اعتبار سے درست ہوگی وہی پیش کرے گا، اس کے برخلاف غیر متقی اور فاسق شخص دیانت وامانت کے بجائے ہمیشہ اپنا مفاد پیش نظر رکھتا ہے، اس کی نظر نہایت سطحی ہوتی ہے اور اس کے مشورے اکثر صواب پر مبنی نہیں ہوتے، اس لئے ایسے فساق وفجار کی بری صحبت سے ہر ممکن اجتناب کی ضرورت ہے۔

پھر یاد رکھنا چاہئے کہ ’’بری صحبت‘‘ کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ غلط کار شخص سے براہ راست تعلق رکھا جائے؛ بلکہ بری صحبت میں وہ ناول اور افسانے اور جھوٹی کہانیاں بھی شامل ہیں جو عام طور پر وقت گذاری کے لئے پڑھی جاتی ہیں یہ بھی اخلاق کو بگاڑنے میں بری صحبت ہی کے درجہ میں ہیں، اس لئے ایسے تمام مخرب اخلاق لٹریچر کے مطالعہ سے بچنا بھی ضروری اور لازم ہے۔ اسی طرح موجودہ دور میں بری صحبت کا سب سے بڑا ذریعہ ’’ٹیلی ویژن‘‘ ہے، جس کے ذریعہ آج گھر گھر قومی اور بین الاقوامی بدکاروں سے آشنائی عام ہو رہی ہے؛ لہٰذا اس طرح کی حیا سوز چیزوں سے بھی دور رہنا ہماری ذمہ داری ہے۔ اور جو حضرات معاشرہ میں دین دار کہلاتے ہیں انہیں بہت زیادہ ایسی بے حیائیوں سے احتراز کرنا چاہئے؛ تاکہ ان کی غلط حرکتوں کی وجہ سے دین اور اہل دین بدنام نہ ہوں، اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا اور آخرت میں برے ساتھیوں سے پوری طرح محفوظ رکھے۔ آمین۔ (ندائے شاہی نومبر ۲۰۰۶ء) ○○

اللہ کی پناہ!

دنیا وآخرت میں پیش آمدہ ناگوار حالات سے بچنے کے لئے یقینی اور حتمی ذریعہ صرف اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور پناہ ہے، اس لئے ہر مسلمان کو یہ چاہئے کہ ہر وقت نقصان دہ چیزوں سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ میں آنے کی کوشش کرے۔ اسی بات کی تعلیم قرآنِ کریم کی آخری دو سورتوں (سورہ فلق اور سورۂ ناس) میں دی گئی ہے، سورۂ فلق میں دنیوی شرور جیسے: جسمانی و مالی آفات، اسی طرح جادو وآسیب کے اثرات نیز حاسدین کے حسد سے پناہ چاہی گئی ہے۔ جب کہ سورۂ ناس میں انسان کے سب سے بڑے دشمن شیطان سے پناہ کی درخواست کی گئی ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ شیطان کے شر سے آدمی اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق کے بغیر ہرگز بچ نہیں سکتا۔ قرآنِ کریم میں متعدد جگہ شیطان سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ میں آنے کا حکم دیا گیا ہے، علاوہ ازیں محسن انسانیت، فخر دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے قدم قدم پر دنیا وآخرت کی ہر ناگوار اور تکلیف دہ چیز سے حفاظت کے لئے اللہ کے دربار میں پناہ کی درخواست کی ہے، اور آپ سے منقول ادعیہ مبارکہ میں بکثرت ایسی دعائیں ملتی ہیں جن میں اللہ سے پناہ طلب کی گئی ہے، یہ دعائیں بجائے خود عبرت اور نصیحت اپنے اندر رکھتی ہیں، کیوں کہ بالخصوص اختیاری ناپسندیدہ اعمال وغیرہ سے اگر ہم بچنے کی کوشش کریں تو انشاء اللہ دنیا وآخرت کی بہت سی خرابیوں سے ہم محفوظ رہ سکتے ہیں۔ ذیل میں بطور یاددہانی نہایت اختصار کے ساتھ بعض ان باتوں کو لکھا جاتا ہے جن سے پیغمبر علیہ السلام نے پناہ چاہی ہے۔

(۱) **سستی** (اَلْکَسْلُ) سستی اور کسل مندی آدمی کے لئے دنیا اور دین دونوں اعتبار سے سخت نقصان دہ ہے، اس کی وجہ سے قیمتی اوقات اور صلاحیتیں ضائع ہوجاتی ہیں، اور بعد میں حسرت کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا، اس لئے ہمیشہ سستی کے بجائے چستی کا مظاہرہ کرنا چاہئے۔

(۲) **بزدلی** (اَلْجُبْنُ) موقع پر بزدلی کی وجہ سے آدمی بڑے نقصان سے دوچار ہوجاتا ہے، اور بزدل شخص ہمیشہ اپنے جائز حقوق سے بھی محروم رہتا ہے اور ظالموں کے مظالم کا تختۂ مشق بنتا رہتا ہے۔

(۳) **کنجوسی** (اَلْبُخْلُ) خرچ کرتے ہوئے دل تنگ ہونا ایسی بری عادت ہے جو انسان کو بہت سے خیر کے مواقع سے محروم کردیتی ہے، اور لوگوں کی نظروں سے بھی گرادیتی ہے۔

(۴) **قرض کا بوجھ** (غَلَبَةُ الدَّيْنِ) مقروض شخص پر قرض کا بوجھ انتہائی اذیت ناک ہوتا ہے، جس سے اس کی راتوں کی نیند اڑ جاتی ہے اور دن کا چین رخصت ہوجاتا ہے؛ اسی لئے بلا سخت ضرورت کے قرض لینے سے احتراز کرنا چاہئے، اور اگر قرض ہو تو جلد ادائیگی کی فکر کرنی چاہئے۔

(۵) **مغلوب ہونا** (قَهْرُ الرِّجَالِ) جو آدمی بے جا طور پر زورآور لوگوں کے نرغہ میں پھنس جائے اس کی زندگی اجیرن بن جاتی ہے اور ترقی کی راہیں اس کے لئے مسدود ہوجاتی ہیں۔

(۶) **ظالم بننا** (اَنْ اَظْلِمَ) کسی پر ظلم کرنا بڑی محرومی کی بات ہے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ظلم کا انجام قیامت کی اندھیریوں کی شکل میں ظاہر ہوگا''۔ **اَلظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ**۔ نیز ظلم کا وبال عموماً دنیا کی زندگی میں بھی ظاہر ہوجاتا ہے، جس کا انسان تحمل نہیں کرسکتا۔

(۷) **مظلوم بننا** (اَوْ اُظْلَمَ) پیغمبر علیہ السلام کی تعلیم یہ ہے کہ آدمی ہر وقت عافیت کا طلب گار ہو، اسی وجہ سے مظلوم بننے سے پناہ چاہی گئی، اس لئے کہ مظلوم بن کر آدمی دنیوی اعتبار سے تو مبتلاء آزمائش ہوتا ہی ہے ساتھ میں یہ اندیشہ بھی رہتا ہے کہ مظلوم ظلم کا جواب دینے میں حد سے تجاوز کرجائے اور بجائے مظلوم کے ظالم بن جائے۔

(۸) **مال داری کا شر** (شَرُّ فِتْنَةِ الْغِنیٰ) مال ودولت کی کثرت اسی وقت موجب عافیت ہوسکتی ہے جب کہ اس کے شرور سے حفاظت ہو، ورنہ یہی مال آدمی کے لئے دنیا وآخرت میں وبال جان بن جاتا ہے۔ نبی اکرم علیہ السلام نے ایک جگہ دعا فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ: ''یا اللہ میں آپ سے ہر ایسی مال داری سے پناہ چاہتا ہوں جو مجھے سرکش بنادے''۔ (مجمع الزوائد ۱۱۰/۱۰)

(۹) **فقر و فاقہ کا شر** (شَرُّ فِتْنَةِ الْفَقْرِ) مال سے محرومی بھی آدمی کے لئے بہت بڑی آزمائش اور فتنہ ہے، بسا اوقات فقر وفاقہ کی وجہ سے آدمی بدترین گناہوں میں مبتلا ہوجاتا ہے، نیز

فقر کی وجہ سے ذلت ورسوائی سے سابقہ پڑتا ہے اور کبھی کبھی یہ فقر کفر تک بھی پہنچا دیتا ہے۔ ایک روایت میں پیغمبر علیہ السلام نے یہ دعا مانگی کہ: ''یا اللہ میں آپ سے ہر ایسے فقر سے پناہ چاہتا ہوں جو میرے وجود کو فنا کردے''۔ (مجمع الزوائد ۱/۱۱۰) اور ایک روایت میں آپ نے دنیا کی تنگی سے پناہ چاہی۔ (ابوداؤدشریف حدیث: ۵۰۸۵) اور ایک روایت میں بھوک سے پناہ چاہی اور بھوک کو بہت برا ہم نشین قرار دیا۔ (کنز العمال ۲/۲۰۵)

(۱۰) **اختلاف** (اَلشِّقَاقُ) دو آدمیوں یا افراد کے درمیان اختلاف زندگی کی لذت کو بے مزہ کردیتا ہے اور اس کے بھیانک نتائج دینی اور دنیوی بدترین نقصان کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اس لئے عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ خود اپنا وقتی نقصان برداشت کرلیا جائے لیکن جہاں تک ممکن ہو ذاتی اختلاف سے بچنے کی کوشش کیجائے۔

(۱۱) **شہرت پسندی اور ریا کاری** (وَالسُّمْعَةُ وَالرِّيَاءُ) کوئی بھی نیک عمل اگر اللہ تعالیٰ کی رضا کے بجائے بندوں کی خوشنودی کے لئے کیا جائے تو اس سے کوئی ثواب حاصل نہیں ہوتا، اور اس مقصد سے کی گئی ساری محنت عند اللہ رائیگاں چلی جاتی ہے، اس لئے ہمیشہ ہر کام میں اخلاص پیش نظر رکھنا چاہئے۔

(۱۲) **علم غیر نافع** (وَعِلْمٌ لاَ يُنْفَعُ) ایسا علم جس پر عمل نہ ہو وہ علم غیر نافع ہے کیونکہ عمل کے بغیر علم سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا، اسی طرح جو معلومات اخروی اعتبار سے نفع بخش نہ ہوں ان سے بھی پناہ مانگنی چاہئے۔

(۱۳) **دل کی سختی** (اَلْقَسْوَةُ) جس شخص کا دل سخت ہوتا ہے وہ بہت بڑی خیر سے محروم رہتا ہے اور دل میں نرمی بغیر خوف خدا کے پیدا نہیں ہوسکتی، اس لئے دل کو نرم کرنے کے لئے اللہ کی پناہ میں آنا ضروری ہے۔

(۱۴) **برا ساتھی** (مِنْ صَاحِبِ السُّوْءِ) قریبی ساتھی کی صحبت آدمی پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتی ہے، نیک لوگوں کی دوستی سے نیک جذبات پروان چڑھتے ہیں، جب کہ برے لوگوں کی صحبت سے دنیا وآخرت ہر طرح کا نقصان ہے۔ بالخصوص اگر یہ برا دوست شاطر اور خودغرض ہو تو اس

کے نقصان کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں لگایا جاسکتا۔ ایک روایت میں ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے اس طرح دعا مانگی کہ: ''اے اللہ میں ایسے دھوکہ باز دوست سے تیری پناہ چاہتا ہو جس کی آنکھیں مجھے دیکھتی ہیں اور اس کا دل میری ٹوہ میں رہتا ہے، اگر کوئی اچھی بات دیکھتا ہے تو اسے پی جاتا ہے، اور اگر کوئی برائی دیکھتا ہے تو اسے اچھال دیتا ہے''۔ (کنز العمال ۲/۱۸۵، بحوالہ الحزب الاعظم، تخریج ابوبکر المصطفیٰ الفطنی)

(۱۵) برا پڑوسی (جَارُ السُّوْءِ) پڑوس اگر برا ہو تو یہ بھی زندگی کے لئے ایک عذاب سے کم نہیں ہے، اس لئے ہمیشہ اچھا پڑوس تلاش کرنا چاہئے اور برے پڑوسیوں سے پناہ میں رہنا چاہئے۔

(۱۶) معاملات کی پراگندی (شَتَاتُ الاَمْرِ) دینی و دنیوی امور کا خوش اسلوبی کے ساتھ زندگی میں انجام پا جانا یہ اللہ کی بڑی نعمت ہے، اس کے برخلاف معاملات کا خراب ہونا اور اسباب کا تتر بتر ہوجانا آدمی کی ساری محنت کو ضائع کردیتا ہے، اس لئے ہمیشہ اپنے معاملات کو سنبھالنے کی کوشش کرنی چاہئے، اور پراگندگی سے حفاظت کے لئے اللہ کی پناہ طلب کرنی چاہئے۔

(۱۷) عورتوں کا فتنہ (فِتْنَةُ النِّسَاءِ) بے حیا عورتوں کا فتنہ امت کے لئے سب سے زیادہ تباہ کن ہے۔ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''میں نے اپنے بعد مردوں کے لئے عورتوں سے بڑا نقصان دہ کوئی فتنہ نہیں چھوڑا''۔ (رواہ النسائی، الترغیب والترہیب حاشیہ ۶۶۷)

(۱۸) اچانک موت (مَوْتُ الْفُجَاءَةِ) ناگہانی موت کی وجہ سے آدمی بسا اوقات بہت سے حقوق کی ادائیگی نہیں کر پاتا، نیز توبہ کا وقت بھی نہیں ملتا اور پسماندگان کے لئے بھی یہ صورت زیادہ تکلیف کا باعث بنتی ہے اس لئے اس سے خصوصیت کے ساتھ پناہ چاہی گئی۔

(۱۹) کھلی اور چھپی ہوئی بے حیائیاں (اَلْفَوَاحِشُ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ) جس قوم میں بے حیائیاں پھیل جائیں اس پر اللہ کا عذاب مسلط ہوجاتا ہے اور خیر کی راہیں مسدود ہوجاتی ہیں، اور ایسے معاشرے سے برکت اٹھالی جاتی ہے، اور زندگی کا سکون غارت ہوجاتا ہے، جیسا کہ آج کل ہورہا ہے۔ اسی لئے اسلام ہر طرح کی بے حیائیوں کا سخت مخالف ہے، وہ اپنے ماننے والوں کو ہر موڑ پر حیاء کی تعلیم دیتا ہے اور فواحش سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ میں آنے کی تاکید کرتا ہے، اگر اسلام کے ماننے والے فواحش سے بچنے کے لئے کوشش نہ کریں گے تو

وہ کبھی بھی دنیا وآخرت میں عافیت سے نہیں رہ سکتے۔

(۲۰) **داخلی وخارجی فتنے** (اَلْفِتَنُ مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَمَا بَطَنَ) جوں جوں قیامت کا وقت قریب آتا جارہا ہے، طرح طرح کے فتنے بھی سر ابھار رہے ہیں، ان فتنوں سے حفاظت ایک مسلمان کے لئے سب سے اہم چیز ہے۔ آنحضرت ﷺ نے بہت اہتمام کے ساتھ زندگی اور موت کے بعد کے تمام فتنوں سے پناہ چاہی ہے، اور فتنوں سے بچ جانے والے شخص کو سب سے بڑا خوش نصیب قرار دیا ہے۔

(۲۱) **کھوسٹ بڑھاپا** (سُوْءُ الْکِبْرِ) اگر آدمی کی عمر اس قدر طویل ہو جائے کہ حواس بھی بجا نہ رہے، جسے قرآن نے اَرْذَلُ الْعُمُرِ کہا ہے تو ایسا شخص لوگوں کے لئے بوجھ بن جاتا ہے، اور اس کا وجود خود اس کی ذات اور گھر والوں کے لئے نہایت ناگوار صورت اختیار کر لیتا ہے؛ اس لئے ایسے بڑھاپے سے پیغمبر علیہ السلام نے پناہ چاہی۔

علاوہ ازیں آپ نے فتنۂ دجّال، عذابِ قبر، عذابِ جہنم، ذلت ورسوائی، زوال نعمت، غضب خداوندی، کفر وشرک، شکوک شبہات، نفاق، بدخلقی، خیانت، لالچ، برے اعمال، بری معلومات، آنکھ، ناک، کان، زبان، دل اور دیگر اعضاء کے گناہ، آزمائش حق تلفی، سانپ کے ڈسنے، درندے کے حملہ، اچانک حادثات، غرق آبی، آگ زنی، برے امراض مثلاً: کوڑھ پن، دیوانگی، سفید داغ، گمراہی، جہالت، نافرمان اولاد، ناموافق بیوی وغیرہ سے بھی پناہ مانگی ہے۔ الغرض ہر ایسی چیز اور ایسا عمل جس سے دینی ودنیوی نقصان ممکن ہے اس کو ذکر کر کے آپ نے اللہ کی پناہ حاصل کرنے کی تعلیم دی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک جامع دعاء ذیل میں درج کی جاتی ہے:

اَللّٰھُمَّ ! اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنَ الْخَیْرِ کُلِّہٖ مَا عَلِمْتُ مِنْہُ وَمَا لَمْ اَعْلَمُ، وَاَعُوْذُ بِکَ مِنَ الشَّرِّ کُلِّہٖ مَا عَلِمْتُ مِنْہُ وَمَا لَمْ اَعْلَمُ، اَللّٰھُمَّ !	اے اللہ! میں آپ سے ہر طرح کی خیر کا طلب گار ہوں جس کو میں جانتا ہوں اور جس کو میں نہیں جانتا، اور میں آپ سے ہر طرح کے شر سے پناہ چاہتا ہوں جو میرے علم میں ہے یا میرے

اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مَا سَأَلَكَ مِنْهُ عِبَادُكَ الصَّالِحُوْنَ، وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَاعَاذَ مِنْهُ عِبَادُكَ الصَّالِحُوْنَ، رَبَّنَا ! اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ، رَبَّنَا ! اِنَّنَا اٰمَنَّا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَکَفِّرْ عَنَّا سَیِّئٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ، رَبَّنَا ! وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ، اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ.

علم میں نہیں ہے، اے اللہ! میں آپ سے ہر وہ خیر چاہتا ہوں جو آپ سے آپ کے نیک بندوں نے مانگی ہے، اور آپ سے ہر اس شر سے پناہ کا طلب گار ہوں جس سے آپ کے نیک بندوں نے پناہ چاہی ہے، اے ہمارے رب! آپ ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرمایئے، اور آخرت میں بھی بھلائی سے نوازئے، اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچایئے، اے اللہ ! ہم ایمان لائے ہیں پس ہمارے گناہوں کو معاف فرمادیجئے اور ہماری سیئات سے درگزر فرمایئے، اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ وفات دیجئے، اور آپ نے اپنے پیغمبروں سے جن نعمتوں کا وعدہ فرمایا ہے وہ سب ہمیں عطا فرمایئے، اور قیامت کے دن ہمیں رسوا مت فرمایئے، بے شک آپ وعدہ خلاف نہیں ہے۔

عمیر بن سعید کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس دعاء کو نماز میں تشہد کے بعد ہمیں پڑھنے کی تعلیم دیتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۶۴، روایت: ۳۰۲۵)

ہمیں چاہئے کہ ہم مسنون دعاؤں کا خاص طور پر اہتمام رکھیں اور معنی کے استحضار کے ساتھ ان کا ورد کیا کریں، اس سلسلہ میں مسنون و ماثور دعاؤں پر لکھی گئی کتابوں جیسے ’’حصن حصین‘‘ ’’الحزب الاعظم‘‘ اور ’’مناجات مقبول‘‘ سے کافی مدد لی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عافیت کی زندگی عطا فرمائیں اور دنیا و آخرت کے ہر شر سے محفوظ رکھیں۔ آمین۔ (ندائے شاہی جنوری ۲۰۰۷ء)

❑❖❑

فکرِ آخرت

آج کل پورا عالم دنیا کی چکاچوند میں مدہوش ہوکر آخرت کو فراموش کر چکا ہے، ہر شخص بس اپنی دنیا بنانے کی فکر میں دن رات مشغول ہے، اور جس قدر فکر دنیا کی ہے اس کا دسواں حصہ بھی آخرت کی فکر کرنے پر لوگ تیار نہیں ہیں۔ آج حال یہ ہے کہ جو صرف دنیاوی ترقی کی بات کرے، نئے ماحول، نئے ریت رواج اور نئے مزاج سے ہم آہنگی ظاہر کرے، بس اسے ہی عقلمند، دانش مند اور روشن خیال کہا جاتا ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں جو شخص آخرت کی یاد دلائے، اور دنیا کی زیب وزینت کے مقابلہ میں آخرت کی کامیابی حاصل کرنے کی طرف متوجہ ہو تو اسے معاشرہ میں نکما حتی کہ بے وقوف تک کہا جاتا ہے، حالاں کہ شریعت کی نظر میں معاملہ اس کے برعکس ہے، عقل مند وہ نہیں ہے جو دن رات صرف دنیا بنانے میں لگا رہے؛ بلکہ دانش مند وہ ہے جو دنیا سے زیادہ آخرت کی فکر کرے، اور دنیا کی فانی زندگی کے مقابلہ میں آخرت کی ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی کو ترجیح دے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلْـكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ اتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهُ وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ. (ابن جامہ ۴۲۶۰، ترمذی ۲۴۶۱، الترغیب والترهیب ۵۰۴۲)

عقل مند شخص وہ ہے جو اپنا محاسبہ کرتا رہے، اور مرنے کے بعد والی زندگی کے لئے عمل کرے، اور عاجز اور نکما شخص وہ ہے جو اپنے کو اپنی خواہش کا غلام بنالے اور پھر اللہ پر امیدیں باندھے۔

افسوس ہے کہ آج امت کا عمومی طبقہ مذکورہ حدیث کی روشنی میں کیّس کے مقابلہ میں عاجز اور نکمے ہونے کا ثبوت دے رہا ہے۔ خواہشات کی اتباع کا اس قدر غلبہ ہے کہ حق بات قبول

کرنے، حتیٰ کہ بہت سی جگہ حق بات سننے کی بھی تاب باقی نہیں رہی ہے۔

ہم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ امت کو ترقی مال و دولت کو جمع کرنے، اسباب عیش کو مہیا کرنے اور لذت کوشی کے وسائل اختیار کرنے سے ملے گی۔ اسی وجہ سے ہماری گفتگو کا اصل موضوع ہر جگہ یہی چیزیں رہتی ہیں کہ آمدنی کیسے حاصل ہو؟ خوش عیشی کا راستہ کیسے نکلے؟ مادی ترقیات کا حصول کیسے ہو؟ فی نفسہٖ ان ترقیات کا حصول اور ان کی فکر شریعت میں منع نہیں ہے؛ لیکن تشویش کی بات یہ ہے کہ جب ہم مادی ترقی پر بحث کرتے ہیں تو احکام شریعت کو بھول جاتے ہیں، اور آخرت کی جواب دہی کا احساس ہمارے دلوں سے نکل جاتا ہے، اور مادیت کے ساتھ ساتھ معصیت کا فروغ بھی ہونے لگتا ہے۔ جب کہ واقعہ یہ ہے کہ اگر دنیا کی دولت وثروت اور حکومت ایک مسلمان کو اس حال میں حاصل ہو کہ اس کی وجہ سے اس کا اخروی نقصان ہو جائے تو اس دنیاوی ترقی کو ترقی نہیں؛ بلکہ زوال ہی کہا جائے گا، جس کا انجام ہلاکت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ''دنیا میٹھی اور سرسبز وشاداب ہے اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس میں تصرف کا اختیار دے کر تمہارا امتحان لیا ہے کہ تم اس کو کیسے برتتے ہو؟ اور بنی اسرائیل کے سامنے جب دنیا کے دہانے کھول دئے گئے تو وہ زیورات، عورتوں، خوشبو اور کپڑوں میں ہی مدہوش ہو کر رہ گئے''۔ (ابن ماجہ بحوالہ: البدور السافرہ فی احوال الآخرۃ ٦)

آج ہمارا حال بھی اسی طرح کا ہو گیا ہے کہ مال و دولت کی کثرت کی وجہ سے شریعت کے مقابلہ میں من مانی زندگی اور خواہشات کی پیروی بالکل عام ہے، اور دین داری کو ہم نے صرف عبادات تک محدود کر ڈالا ہے، گویا کہ مسجد میں آئیں تو دینی احکامات کی پابندی کریں، اور مسجد سے نکلیں تو پھر اپنی ڈگر پر آجائیں، کاروبار کا موقع ہو تو شریعت کے بجائے کاروباری لوگوں کی بات مانیں، تقریبات کا موقع ہو تو قرآن وسنت کے مقابلہ میں خاندانی لغو رسومات اور ناجائز وحرام اعمال کا شوق سے ارتکاب کریں، حکومتی عہدوں کے حصول کا معاملہ ہو تو ہر طرح کی بد سے بدتر حرکت انجام دینے سے بھی دریغ نہ کریں، اسی طرح کا ماحول ہمارے معاشرہ کا بنتا جارہا ہے، جس

کی وجہ سے ہر سطح پر شیطنت کا دور دورہ ہے، اور امت شیطانی حربوں میں گرفتار ہوتی جارہی ہے۔
حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی بعثت ہوئی تو ابلیس کے چیلے چپاٹوں نے ابلیس کو آکر خبر دی کہ ایک نبی کی بعثت ہوئی ہے اور ان کی ایک امت بھی مقرر کی گئی ہے، تو ابلیس نے ان سے پوچھا کہ کیا ان کے دلوں میں دنیا کی محبت ہے؟ تو چیلوں نے جواب دیا کہ ہاں! اس پر ابلیس بولا کہ اگر وہ دنیا سے محبت کرتے ہیں تو پھر مجھے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ وہ بتوں کو نہ پوجیں، میں ان پر صبح شام تین باتیں پیش کروں گا: (۱) ناحق طور پر مال لینا (۲) ناجائز جگہوں پر مال خرچ کرنا (۳) جائز جگہوں پر مال خرچ کرنے میں بخل کرنا۔ اور دنیا میں سب برائیوں کا سرچشمہ یہی تین چیزیں ہیں۔ (البدور السافرۃ ۹)

ذرا غور فرمایئے! کیا شیطان کی یہ تینوں باتیں آج ہم میں نہیں پائی جارہیں؟ مال کمانے میں حلال حرام کی تمیز ختم ہوگئی ہے، سود اور سٹہ کا کاروبار فیشن بن گیا ہے۔ اسی طرح اسراف وتبذیر کا دور دورہ ہے، لاکھوں لاکھ روپئے محض ناموری کے لئے تقریبات میں اڑائے جاتے ہیں، نیز الیکشن کے موقع پر معمولی ممبری کے حصول کے لئے لاکھوں روپئے پانی کی طرح بہا کر فضول ضائع کردئے جاتے ہیں اور احساس بھی نہیں ہوتا، اور اگر کوئی دینی ضرورت پیش آجائے تو اس پر خرچ کرنے کے لئے ستّر بہانے تراش لئے جاتے ہیں۔

آج ہماری ساری پلاننگ اور منصوبہ بندی صرف دنیاوی زندگی کے لئے ہے حالاں کہ یہ دنیاوی زندگی ایک نہ ایک دن ختم ہوجائے گی، مگر منصوبے باقی رہ جائیں گے۔ ایسی ناپائیدار زندگی کے لئے لمبے لمبے منصوبے بنانا اور دن رات بس انہیں میں منہمک رہنا اور آخرت کو بالکل فراموش کردینا، بڑی کم عقلی کی بات ہے۔ مشہور صحابئ رسول سیدنا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:
''تین شخصوں کو دیکھ کر مجھے بڑا تعجب ہوتا ہے یہاں تک کہ مجھے ان پر ہنسی آنے لگتی ہے: (۱) دنیا کی امیدیں باندھنے والا شخص، حالاں کہ موت اس کی تلاش میں ہے۔ (۲) غافل شخص، حالاں کہ اس کی نگرانی سے غفلت نہیں برتی جارہی ہے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے نگراں برابر مقرر ہیں)

(۳) ٹھٹھے مار کر ہنسنے والا شخص، جب کہ اسے یہ معلوم نہیں ہے کہ رب العالمین اس سے خوش ہے یا ناخوش۔ اور فرمایا کہ تین باتوں کو سوچ کر مجھے بہت غم ہوتا ہے یہاں تک کہ مجھے رونا آجاتا ہے: (۱) اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی جماعت کی جدائی (۲) قیامت کی ہولنا کی اور بارگاہ رب العزت کے سامنے حاضری کی دہشت (۳) اور یہ مجھے پتہ نہیں کہ میرا ٹھکانہ جنت ہے یا جہنم"۔ (البدور السافرۃ ۱۲)

آج پورے عالم میں امت کی بے وزنی کی اصل وجہ یہی ہے کہ امت کا عام طبقہ دنیا کی محبت میں مدہوش اور نفسانی خواہشات ولذات میں مگن ہے، اور آخرت اور اس کے تقاضوں کو بھول چکا ہے، اس لئے جب تک ہم اپنا بھولا ہوا سبق دوبارہ یاد نہیں کریں گے اس وقت تک ہم عزت اور سربلندی ہرگز حاصل نہیں کر سکتے۔ بریں بنا ضرورت ہے کہ ہم میں سے ہر شخص کا مزاج دینی ہو، ہمہ وقت اس کی آنکھوں پر دین اور شریعت کا چشمہ لگا رہے۔ اور ہماری نہ صرف عبادات؛ بلکہ معاشرت، معاملات وسیاسیات میں دینی رنگ نمایاں ہو، اور ہمارے اندر ایسی ایمانی قوت پیدا ہو کہ ہم دوسروں کے مصنوعی رنگوں میں رنگنے کے بجائے دیگر معاشروں کو بھی اپنے دینی رنگ میں رنگین کرنے کا کام بفضل خداوندی انجام دیں۔ اور یہ عظیم کام بغیر فکر آخرت اوڑھے ہوئے ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کی ہر سطح پر اصلاح فرمائیں اور آخرت کی فکر ہمارے دلوں میں جاگزیں فرمائیں۔ آمین۔

(ندائے شاہی دسمبر ۲۰۰۶ء)

دنیا کدھر جا رہی ہے؟

طارق ابن شہاب کہتے ہیں کہ ہم صحابی جلیل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مجلس میں حاضر تھے اچانک ایک شخص نے آ کر خبر دی کہ مسجد میں جماعت کھڑی ہوگئی، یہ سن کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور ہم بھی آپ کے ساتھ چل دئے، جب ہم لوگ مسجد میں پہنچے تو لوگ رکوع میں جا چکے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تکبیر کہہ کر رکوع میں چلے گئے اور ہم نے بھی ایسے ہی کیا، پھر سجدہ اور دیگر ارکان ادا کر کے نماز پوری کی، نماز سے فراغت کے بعد ایک شخص تیزی سے آپ کے سامنے سے یہ کہتے ہوئے گذرا: ''عَلَيْكَ السَّلَامُ يَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ'' (اے ابو عبدالرحمٰن! (یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے) سلام قبول کیجئے) اس شخص کی طرف سے سلام کا یہ انداز دیکھ کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: ''صَدَقَ اللّٰهُ وَبَلَّغَ رَسُوْلُهٗ'' (اللہ نے سچ فرمایا اور اس کے پیغمبر نے اللہ کا پیغام صحیح صحیح پہنچایا) طارق کہتے ہیں کہ نماز سے فراغت کے بعد ہم لوگ پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مجلس کی طرف لوٹ آئے، حضرت تو گھر میں تشریف لے گئے اور ہم باہر بیٹھے رہے اسی دوران یہ ذکر چھڑا کہ کیا آپ لوگوں نے مسجد میں مذکورہ شخص کے سلام کے جواب میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے الفاظ: ''صَدَقَ اللّٰهُ وَبَلَّغَ رَسُوْلُهٗ'' نہیں سنے، اس بارے میں حضرت سے کون سوال کرے؟ تو طارق بن شہاب نے کہا کہ میں حضرت سے پوچھوں گا، چناں چہ جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ گھر سے باہر تشریف لائے تو طارق بن شہاب نے اس بارے میں سوال کیا، اس پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی یہ حدیث انہیں سنائی:

إِنَّ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ تَسْلِيْمُ الْخَاصَّةِ وَفُشُوُّ التِّجَارَةِ حَتّٰى تُعِيْنَ الْمَرْأَةُ زَوْجَهَا عَلَى التِّجَارَةِ، وَقَطْعُ الْأَرْحَامِ، وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ، وَكِتْمَانُ شَهَادَةِ الْحَقِّ، وَظُهُوْرُ الْجَهْلِ. (مسند أحمد ۴۰۷/۱، النهاية فی الفتن والملاحم ۱۸۵/۱)

قیامت کے قریب یہ علامات پائی جائیں گی: (۱) صرف خاص (جان پہچان کے) لوگوں کو آدمی سلام کرے گا۔ (۲) تجارت عام ہوجائے گی، یہاں تک کہ بیوی تجارت میں اپنے شوہر کی مددگار ہوگی۔ (۳) قطع رحمی اور رشتے ناطوں میں بگاڑ عام ہوجائے گا۔ (۴) جھوٹی گواہیاں دی جائیں گی۔ (۵) سچی گواہی کو چھپایا جائے گا۔ (۶) دین سے جہالت عام ہوجائے گی۔

اس روایت میں معاشرتی بگاڑ کے چھ نمونے بیان کئے گئے ہیں اور جیسے جیسے قیامت قریب آرہی ہے یہ بگاڑ بدستور بڑھتا جارہا ہے، اس کی کچھ وضاحت ذیل میں درج ہے:

(۱) **سلام میں تخصیص**: اسلام میں سلام کا حکم ہر مسلمان کے لئے عام ہے خواہ اس سے پہلے سے کوئی پہچان ہو یا نہ ہو (بخاری شریف: ۱۲، مسلم شریف: ۳۹) کیوں کہ سلام کا حکم اسلامی شعائر میں سے ہے، لہٰذا جب بھی دو مسلمان کہیں بھی آپس میں ملیں تو انہیں سلام کرنا چاہئے اور اس میں پہچان اور غیر پہچان کی تخصیص نہیں ہونی چاہئے، اگر خصوصیت کے ساتھ مجمع میں کسی ایک کو سلام کیا جائے گا تو یقیناً دیگر حاضرین اسے پسند نہیں کریں گے، جس کی وجہ سے دلوں میں الفت ومحبت پیدا ہونے کے بجائے کشیدگی کے آثار ظاہر ہوں گے۔ اسی بنا پر درج بالا روایت میں جب مذکورہ شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نام کی تخصیص کر کے سلام کیا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کے اس عمل کو پسند نہیں فرمایا؛ بلکہ اس کے طرز عمل کو دیکھ کر آپ کو علاماتِ قیامت سے متعلق مذکورہ حدیث یاد آگئی، سلام کرنے سے آپس میں الفت ومحبت عام ہوتی ہے جو اسلام میں بجائے خود مطلوب ومقصود ہے، ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پچھلی قوموں میں پایا جانے والا بغض وکینہ اور حسد کا مرض تمہارے اندر بھی سرایت کرے گا اور یہ کینہ ''مونڈنے والی'' چیز

ہے،مگر بالوں کونہیں بلکہ دین کومونڈ دیتی ہے،اور قسم ہےاس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہےتم جنت میں نہیں جاسکتے جب تک کہ مؤمن نہ ہواور مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپس میں محبت نہ کرواور کیا میں تمہیں وہ طریقہ نہ بتلاؤں جس سے تمہارے دل میں محبت جاگزیں ہو(وہ یہ ہے کہ) آپس میں سلام خوب عام کرو۔(رواہ البزار باسناد جید، الترغیب والترھیب :٤١٠٤) اس لئے ہر مسلمان کو بلاکسی تخصیص کے سلام کو عام کرنے کی کوشش کرنی چاہئے ،اور جب بھی کسی شخص کا مسلمان ہونا کسی قرینہ سے معلوم ہوجائے تواس کوسلام کرنے میں دریغ نہیں کرنا چاہئے ۔(مگرآج کل مشکل یہ ہے کہ عام طور پر مسلمانوں نے بالوں کی تراش خراش اورلباس، پوشاک میں غیر مسلموں کی مشابہت اس قدرزیادہ اختیار کررکھی ہے کہ گفتگواور تحقیق کے بغیر ظاہری وضع دیکھ کر یہ پتہ ہی نہیں چل پاتا کہ وہ مسلمان ہے یا غیر مسلم؟اس صورتِ حال پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے)

(۲) **تجارت میں عورتوں کی شرکت**: قیامت کے قریب دنیامیں نہ صرف تجارت اورٹریڈنگ عام ہوگی؛ بلکہ اپنے ساتھ بے شمار فتنوں کا سیلاب بھی لائے گی کیوں کہ مرد وعورت سب دنیا کمانے میں لگ جائیں گےاور سارے عالم کی نظر میں دنیاہی مقصوداعلیٰ قرار پائے گی، جس کی خاطر انسانی اور اخلاقی قدریں اور فطری اور معاشرتی تقاضے یکسر پامال کردئے جائیں گے،اسی جانب مذکورہ حدیث میں اشارہ فرمایا گیاہے۔اس کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ بیوی اپنے شوہر کاہاتھ بٹائے گی؛ بلکہ عمومی مفہوم کے اعتبار سے مراد یہ ہے کہ مردوعورت سب دنیا کمانے میں شانہ بشانہ ساتھ چلیں گےاوران دونوں کے ساتھ چلنے سے دنیا فتنوں کی آماج گاہ بن جائے گی جس کوآج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔مثلاً :

الف : فرموں،کمپنیوں اورسرکاری اداروں وغیرہ میں نوجوان مردوعورت ایک ساتھ بیٹھ کرنوکریاں کرتے ہیں،جس کی بناپر نہ صرف عفت وعصمت داغ دار ہوتی ہے؛ بلکہ حقیقی ازدواجی زندگی کاسکون بھی غارت ہوجاتا ہے۔

ب : آج کی خودغرض اور بے غیرت دنیا نے عورت ذات کو پورے عالم میں تجارت

بڑھانے کا ایک اہم وسیلہ بنا دیا ہے اور مصنوعات کی تشہیر کے لئے ماچس کی ڈبیہ سے لے کر قیمتی ترین اشیاء تک ہر چیز کے لیبل اور برسرِ راہ ''ہورڈنگوں'' پر عورت کی بے لباس تصویریں عام ہیں، جس صنفِ نازک کو قدرت نے فطری حیا اور غیرت کے زیور سے سجایا تھا اس کو تجارت کے لٹیروں اور ہوس پرستوں نے برسرِ عام ظاہر کر کے ذلت و رسوائی کے غار میں ڈھکیل دیا ہے، اور یہ عورت کی کم عقلی ہی ہے کہ ان رسوائیوں کے باوجود وہ خدائی فطری قانون کی پابندی کرنے کے بجائے اپنے لٹیروں کے ہاتھوں کھلونا بنے رہنے پر ہی خوش ہے۔ العیاذ باللہ۔

ج : کاروباری میدان میں عورتوں کے قدم رکھنے کی وجہ سے خاندانی نظام تباہ ہوتا جا رہا ہے، معصوم بچے اپنی ماں کی شفقتوں اور توجہات سے محروم ہیں، اور دنیا کی ہوس کی وجہ سے کرایہ کی ''آیاؤں'' یا اسکول کی ''میموں'' کی گودوں میں ان کا بچپن گذر رہا ہے، ہوسکتا ہے خود غرض دنیا اسے ترقی قرار دے، لیکن اصل میں یہ موجودہ دور کا عظیم انسانی المیہ ہے۔

د : جب پیسہ ہی سب کچھ ہو جائے تو انسانی قدروں کی کوئی حیثیت نہیں رہتی، بالخصوص عورت ذات جب دولت کی دیوانی بن جاتی ہے تو پھر دولت کمانے کے لئے وہ اپنی عفت و عصمت کی نیلامی سے بھی گریز نہیں کرتی، چناں چہ آج کی نئی تہذیب میں اس نظریہ پر نکیر تو کجا اسے معیوب ہی نہیں سمجھا جاتا، اور دنیا میں کروڑوں عورتیں اس راہ سے تجارت میں ملوث ہیں اور انہیں قانونی پشت پناہی حاصل ہے۔

یہ تو چند اشارات ہیں ورنہ عورتوں کے تجارتی میدان میں نقل و حرکت کے جو مفاسد ہیں انہیں شمار کرانا دشوار ہے۔ اسلام نے عورت پر گھریلو ذمہ داریاں ڈالی ہیں جب کہ بیرونی کاموں کی ذمہ داری مرد کے سپرد ہے، اسی لئے عورتوں کو محرم کے بغیر سفر کی ممانعت ہے، اور گھوڑ سواری (اسکوٹر اور موٹر سائیکل وغیرہ کی ڈرائیوری بھی اسی حکم میں ہے) کرنے والی عورتوں پر حدیث میں لعنت کی گئی ہے وغیرہ، گویا ان کا دائرۂ کار صرف ان کا گھر ہے، اس ذمہ داری سے منہ چرا کر محض دنیا کی ہوس میں عورت جب بھی باہر نکلے گی یہ حکم خداوندی اور فطرتِ انسانی سے بغاوت ہوگی، اور اس

کا انجام کبھی بھی اچھا نہیں نکل سکتا، جس کو آج دنیا بھگت رہی ہے۔

(۳) **قطع رحمی** : اسلام میں صلہ رحمی اور رشتہ داروں اور اعزہ کے ساتھ حسن سلوک کی بہت تاکید وارد ہے، بخاری اور مسلم وغیرہ میں روایت ہے کہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ: ’’جو شخص بھی اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنی چاہئے‘‘۔ (بخاری شریف: ۶۱۳۶، الترغیب والترہیب: ۵۴۰) نیز احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ صلہ رحمی سے دنیا میں رزق میں وسعت، عمر میں زیادتی اور بری موت سے بچاؤ جیسے منافع حاصل ہوتے ہیں۔ نیز صلہ رحمی ایسا عمل ہے جو بڑے سے بڑے گناہ کی معافی کا ذریعہ بنتا ہے، ایک روایت میں وارد ہے کہ: ’’ایک شخص پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت مجھ سے ایک بہت بڑا گناہ ہو گیا ہے کیا میرے لئے توبہ کی کوئی شکل ہے؟ تو حضرت نے اس سے پوچھا کہ کیا تمہاری والدہ حیات ہیں؟ اس نے کہا کہ ’’نہیں‘‘، تو حضرت نے پوچھا کہ کیا تمہاری کوئی خالہ موجود ہیں؟ تو اس نے کہا کہ ’’ہاں‘‘، تو حضرت نے فرمایا کہ ’’ان کے ساتھ حسن سلوک کرو‘‘۔

(رواہ الترمذی ۱۹۰۴، رواہ ابن حبان ۴۳۶، الترغیب والترہیب ۳۷۹۷)

اس کے برخلاف رشتہ ناطہ کو توڑ دینا اور رشتہ داری کا پاس ولحاظ نہ کرنا اللہ کے نزدیک حد درجہ مبغوض ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ’’میدانِ محشر میں رحم مادر (جو رشتہ داری کی بنیاد ہے) عرشِ خداوندی پکڑ کر یہ کہے گا کہ جس نے مجھے (دنیا میں) جوڑے رکھا آج اللہ تعالیٰ بھی اسے جوڑے گا (یعنی اس کے ساتھ انعام وکرم کا معاملہ ہوگا) اور جس نے مجھے (دنیا میں) کاٹا آج اللہ تعالیٰ بھی اسے کاٹ کر رکھ دے گا (یعنی اس کو عذاب ہوگا)‘‘۔ (بخاری ۵۹۸۹، مسلم ۲۵۵۵، الترغیب والترہیب ۳۸۳۲)

نیز احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ دنیا میں بالخصوص دو گناہ ایسے شدید تر ہیں جن کی سزا نہ صرف یہ کہ آخرت میں ہوگی؛ بلکہ دنیا میں بھی پیشگی سزا کا ہونا بجا ہے: ایک ظلم، دوسرے قطع رحمی۔

(ابن ماجہ ۴۲۱۱، ترمذی ۲۵۱۱، الترغیب ۳۸۴۸)

افسوس کا مقام ہے کہ قرآن وحدیث میں قطع رحمی کی جس قدر زیادہ مذمت وارد ہوئی ہے

اسی تناسب سے آج مسلم معاشرہ میں یہ برائی ایک وبائی شکل اختیار کرچکی ہے، ذرا ذرا سی بات پر ناراض ہو جانا، مہینوں اور سالوں کے لئے بات چیت اور آمد ورفت بند کر دینا معمولی بات ہے۔ نفسانیت اس قدر غالب ہے کہ ادنیٰ سی ناگواری کی بات برداشت نہیں، اور بگڑے ہوئے معاملات کو حکمت اور سنجیدگی کے ساتھ سلجھانے کے بجائے طاقت اور زور زبردستی، حتی کہ مقدمہ بازیوں کا سہارا لئے بغیر گویا چین ہی نہیں آتا، اور اپنے سگے بھائیوں اور قریبی اعزہ کے لئے نرم دلی کو اپنی بے عزتی اور ذلت سمجھا جاتا ہے، غیروں سے رشتے سنوارے جاتے ہیں اور اپنوں کو نظر انداز کیا جاتا ہے، یقیناً یہ علاماتِ قیامت میں سے ہے۔ ایک دوسری روایت میں پیغمبر علیہ السلام نے عذاب اور بلیات کے من جملہ اسباب گناتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: ''آدمی اپنی بیوی کی اطاعت کرے اور ماں کی نافرمانی کرے، اور اپنے دوست سے وفاداری کرے اور باپ سے دور رہے''۔ (ترمذی شریف ۴۵/۲، مشکوۃ شریف ۴۷۰/۲) الغرض یہ ایسا مرض ہے جس کی بنا پر خاندانی سکون درہم برہم ہو کر رہ جاتا ہے، حتی کہ وہ شادی کی تقریبات جو اپنی چمک دمک کے اعتبار سے عظیم خوشیوں کا مظہر دکھائی دیتی ہیں وہ بھی خاندانی کشیدگیوں کی وجہ سے محض ایک رسم بن کر رہ جاتی ہیں، جن میں ہر فرد صرف ایک روایت پوری کرتا ہے اور دل حقیقی جذبات سے عاری ہوتے ہیں۔ **اللهم احفظنا منه.**

(۴) **جھوٹی گواہی** : جھوٹ بولنا ویسے ہی گناہ ہے، لیکن جھوٹی گواہی دینا اس کی آخری حد ہے، اسی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ''اکبر الکبائر'' قرار دیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ: ''کیا میں تمہیں سب سے بڑے گناہ نہ بتاؤں؟ ان میں ایک شرک ہے دوسرے والدین کی نافرمانی اور تیسرے جھوٹی گواہی ہے''، اور آپ ٹیک لگائے بیٹھے تھے جب جھوٹی گواہی کی بات تک پہنچے تو ٹیک چھوڑ دی اور بیٹھ کر بار بار اسی کلمہ کو دہراتے رہے۔ صحابہؓ فرماتے ہیں کہ آپ نے اس قدر اس کلمہ کو دہرایا کہ ہم تمنا کرنے لگے کہ آپ خاموش ہو جائیں۔

(بخاری شریف ۵۹۷۶، مسلم شریف ۸۷، ترمذی شریف ۱۹۰۱، الترغیب والترہیب ۳۵۱۲، الزواجر ۳۲۰/۲)

شیخ عزالدین بن سلامؒ فرماتے ہیں کہ جھوٹی گواہی دینے والا شخص تین گناہوں میں مبتلا ہوتا

ہے: (۱) جھوٹ کا گناہ (۲) ظالم کی مدد کا گناہ (۳) مظلوم کو ذلیل کرنے کا گناہ۔ (الزواجر ۳۲۲-۳۲۱/۲)

معلوم ہوا کہ حقیر مفادات کے حصول کے لئے حاکم یا لوگوں کے سامنے جھوٹی گواہی دے کر ظالم کی تائید کرنا اسلام کی نظر میں انتہائی بدترین عمل ہے، اور جس معاشرہ میں اس طرح کا جھوٹ عام ہوجائے یہ اس کی غیرت وحمیت کے فنا ہوجانے کی دلیل ہے، مگر آج جب ہم اپنے مسلم معاشرہ پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ بھیانک حقیقت سامنے آتی ہے کہ چند ٹکوں کے لئے جھوٹی گواہیاں دینے والے اور معمولی مفادات کے لئے نااہل لوگوں کی تائید کرنے والوں کی فوج درفوج موجود ہے، بالخصوص مروجہ عدالتوں میں تو مقدمہ بازی کا سارا کاروبار ہی ایسی گواہیوں کی بنیاد پر قائم ہے، الامان الحفیظ۔ یہی وجہ ہے کہ آج عام طور پر مقدمات میں حق دار محروم ہوجاتا ہے اور ناحق شخص اپنے پیسہ اور طاقت کے بل بوتے پر قابض ومالک قرار دیا جاتا ہے۔

(۵) **سچی گواہی کو چھپانا**: قیامت کی علامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جہاں ایک طرف جھوٹی گواہیاں عام ہوں گی وہیں صورتِ حال یہ ہوگی کہ سچی گواہی دیتے ہوئے لوگ گھبرائیں گے، اور آدمی اپنے بچاؤ کی خاطر علم ومشاہدہ کے باوجود حق دار کو حق دلانے کے لئے سامنے آنے کی ہمت نہ کرپائے گا۔ یہ صورتِ حال امت کے لئے انتہائی خطرناک ہے۔ ایک حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: **اِذَا رَأَيْتُمْ اُمَّتِيْ تَهَابُ الظَّالِمَ اَنْ تَقُوْلَ لَهٗ اِنَّكَ ظَالِمٌ فَقَدْ تُوُدِّعَ مِنْهُمْ.** (مسند امام احمد ۱۹۰/۲، مستدرک حاکم ۹۶/٤، النهايه ٦٣) یعنی جب تم میری امت کو اس حالت میں دیکھو کہ وہ ظالم کو ظالم کہنے سے ڈرنے لگے تو اس وقت وہ خیر وصلاح سے بہت دور ہوجائے گی اور ان میں اصلاح کی امید باقی نہیں رہے گی۔ الغرض جس طرح جھوٹ سے بچنا لازم ہے اسی طرح موقع پر اظہار حق کرنا بھی لازم ہے۔ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کو حاکم کی طرف سے کسی معاملہ میں گواہی کے لئے بلایا جائے اور وہ سچی گواہی دینے میں آنا کانی کرے تو وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ جھوٹی گواہی دینے والا۔ (الترغیب

والترہیب ۳۵۱۷، الزواجر ۳۲۲/۲) اسی کو قرآن پاک میں یوں فرمایا گیا: ﴿ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ. (البقرة: ٢٨٣) ﴾ ''اور مت چھپاؤ گواہی کو اور جو گواہی کو چھپائے گا تو وہ دل سے گنہ گار ہوگا''۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ ''جس طرح جھوٹی گواہی دینا ''اکبرالکبائر'' ہے اسی طرح سچی گواہی کو چھپانا بھی ''اکبرالکبائر'' ہے''۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل ۲۲۳)

بریں بنا حق دار کو حق دلانے کے لئے اگر کوئی بات کسی کو معلوم ہو تو اسے ظاہر کرنے میں ٹال مٹول نہیں کرنی چاہئے، اور مناسب انداز میں احقاقِ حق کا فریضہ انجام دینا چاہئے، اسلام کی تعلیم یہی ہے۔

(۶) **دین سے ناواقفیت:** قیامت کے آثار میں یہ بات بھی ہے کہ دینی مسائل اور علم دین سے ناواقفیت عام ہو جائے گی اور معمولی موٹے موٹے مسائل بھی عام مسلمانوں کو قطعاً معلوم نہ ہوں گے، اور حقیقی معنی میں علماء کم یاب ہو جائیں گے، اور جاہل لوگ علماء کا لبادہ اوڑھ کر برسر عام دینی مسائل بیان کریں گے اور اپنے جاہلانہ فتوؤں سے عوام وخواص کو گمراہ کردیں گے۔ (دیکھئے بخاری شریف حدیث: ۱۰۰، مسلم شریف ۶۷۳۷، النہایہ ۳۱) اور ایک روایت میں پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''قیامت کے قریب علم اٹھالیا جائے گا اور ہر طرف قتل وخوں ریزی عام ہو جائے گی''۔ (بخاری ۷۰۶۲، مسلم ۶۷۲۹، النہایہ ۳۲)

ہم دیکھ رہے ہیں کہ آج دنیا اسی جانب تیزی سے گامزن ہے، مسلم عوام میں دین کے بارے میں بنیادی معلومات کا فقدان تشویش ناک حد سے گذر چکا ہے، اور ایک طرف اگرچہ یہ بات صحیح ہے کہ روز بروز نت نئی علمی کتابیں بازار میں آرہی ہیں، کتب خانے کتابوں سے بھرے پڑے ہیں اور دینی کتابوں کی تجارت بھی فروغ پر ہے، اس کے علاوہ بڑی بڑی اکیڈمیاں علمی تحقیقات اور ریسرچ پر لگی ہوئی ہیں، اور نئے آلات وایجادات پر بھی علمی ذخائر کو سمونے کا عمل جاری ہے، سیکڑوں کتابیں ایک ایک سی ڈی میں جمع کردی گئی ہیں، اور انٹرنیٹ پر بڑی بڑی

لائبریریوں کو گھر بیٹھے مطالعہ کرنے کی سہولت دست یاب ہے، لیکن ظاہری طور پر علم کے اس قدر عام ہونے کے باوجود حقیقت یہی ہے کہ علم رخصت ہوتا جارہا ہے، ''رسوخ فی العلم'' کی صفت کے علماء پورے عالم میں انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں، کتابوں کی بہتات ضرور ہے لیکن ان کو الماریوں میں سجانے والے زیادہ ہیں مطالعہ کرنے والے کم ہیں۔ جب علماء اور طلبہ کا یہ حال ہے تو عوام سے تو شکوہ ہی کیا؟ ان میں جس قدر بھی انحطاط ہو کم ہے۔

الغرض ہمارا زمانہ اگرچہ مایوسی کے آخری درجہ کا تو نہیں کہا جاسکتا لیکن رفتارِ زمانہ یہ بتارہی ہے کہ انجام کہاں تک پہنچنے والا ہے، ایسے ماحول میں ہماری یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم اپنے دائرۂ اثر میں جس حد تک بھی ہو اپنے کو سنبھالنے کی کوشش کریں اور گناہوں اور فتنوں کی گھٹا ٹوپ اندھیریوں میں اتباعِ شریعت کے چراغ روشن کئے رکھیں؛ تاکہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں ہمیں سرخ روئی نصیب ہو، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر سطح پر اپنے حفظ وامان میں رکھیں اور عافیت نصیب فرمائیں۔ آمین۔

(ندائے شاہی ستمبر ۲۰۰۷ء)

قیامت کی چند علامتیں

محدثِ جلیل حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی کتاب ''النہایہ فی الفتن والملاحم'' کے صفحہ ۱۸۰ پر امام بیہقیؒ کے حوالہ سے حضرت حسن بصریؒ کی روایت نقل کی ہے، موصوف فرماتے ہیں کہ میں طلب علم کے شوق میں سفر پر نکلا تو جب کوفہ پہنچا تو میری ملاقات صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہوئی، میں نے حضرت سے سوال کیا کہ کیا آپ کے پاس قیامت کی نشانیوں کے بارے میں کچھ علم ہے؟ تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اس کے متعلق میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا تو آپ نے مجھے یہ جواب دیا کہ: قیامت کی علامات میں سے چند یہ ہیں:

اولاد بوجھ بن جائے گی

(۱) اَنْ یَّکُوْنَ الْوَلَدُ غَلِیْظاً : یعنی عام طور پر اولاد اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا معاملہ نہیں کرے گی اور ماں باپ کی نافرمانی کثرت سے رائج ہوجائے گی، جس کی وجہ سے والدین اولاد کو اپنے اوپر بوجھ محسوس کریں گے، جیسا کہ آج کل دیکھنے میں آرہا ہے، بالخصوص مغربی تہذیب میں ماں باپ کی بڑھاپے کی حالت میں جو گت بنائی جاتی ہے وہ انسانیت کا ایک عظیم المیہ ہے، اور حدیث کا دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ مرد وعورت اپنی شہوانی طبعیت کی وجہ سے اولاد کو ناپسند کرنے لگیں گے، اور اولاد کو اپنی آزادروی میں رکاوٹ خیال کریں گے، اور اس کی بنا پر مانع حمل طریقوں کا استعمال عام ہوجائے گا، اس بات کا بھی آج ہر طرف مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

گرم بارشیں ہوں گی

(۲) وَالْمَطَرُ قَیْظاً : بارش اس لئے ہوتی ہے تاکہ زمین میں تازگی اور شادابی آئے؛ لیکن

قیامت کی علامات میں سے یہ ہے کہ بعض مرتبہ بارش میں ایسا پانی برسے گا جس سے گرمی میں اوراضافہ ہوجائے گا اوراس کی وجہ سے بجائے آبادی کے بربادی ظاہر ہوگی اور یہ بھی عذاب کی ایک شکل ہے۔

راز فاش ہوں گے

(۳) وَتَفْشُوْ الاَسْرَارُ : لوگوں کی ایسی راز کی باتیں جن پر دوسروں کا مطلع ہونا مشکل ہوتا ہے قیامت کے قریب ان باتوں کا عام ہونا آسان ہوجائے گا، اور آدمی کے لئے اپنے رازوں کا چھپانا آسان نہ رہے گا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ آدمی جس شخص کو اپنا راز داں بنائے گا وہ بددیانتی کی وجہ سے اس کا راز دوسروں تک فاش کردے گا اور عمومی معنی کے اعتبار سے اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ لوگوں کی خفیہ زندگی اور ایسے اعمال جنہیں دوسروں سے چھپا کر انجام دیا جاتا ہے ان کے مناظر دوسروں کو دکھادئے جائیں گے۔ پہلے یہ بات مشکل معلوم ہوتی تھی؛ لیکن اب جدید آلات واسباب اس طرح کے ایجاد ہوگئے ہیں کہ اب کوئی شخص کسی جگہ محفوظ نہیں، کیمرے والے موبائل عام ہیں، مختصر ترین ڈیجیٹل کیمروں کے ذریعہ خفیہ مناظر قید کئے جاتے ہیں اور پھر انہیں عام کردیا جاتا ہے، جیسا کہ آئے دن ٹی وی پر ''اسٹنگ آپریشن'' پیش کئے جاتے ہیں، بڑے بڑے ٹیلی ویژن چینلوں کا یہ بڑا منافع بخش کاروبار ہے، جس کی وجہ سے کتنے لوگوں کی عزتیں منٹوں میں تارتار کردی جاتی ہیں۔

جھوٹے کی تصدیق کی جائے گی

(۴) وَيُصَدَّقُ الْكَاذِبُ : قیامت کے قریب یہ ہوگا کہ لوگ جان بوجھ کر ذاتی منافع اور بددیانتی کی وجہ سے جھوٹے شخص کی تصدیق وتائید کریں گے؛ تاکہ اس کے ذریعہ سے اپنے ناجائز مقاصد پورے کرسکیں، اوراس کے بالمقابل سچے شخص کی تائید میں کوئی کھڑا ہونے کو تیار نہ ہوگا؛ کیوں کہ سچے کی تائید سے کسی دنیوی نفع کی امید نہ ہوگی۔

خائن شخص پر اعتماد کیا جائے گا

(۵) وَيُؤْتَمَنُ الْخَائِنُ: کسی عہدہ پر اگر کوئی خیانت کرنے والا اور بددیانت شخص فائز

ہوگا تو اس کی بددیانتی کا علم ہونے کے باوجود چاپلوس لوگ اسی پر اعتماد ظاہر کریں گے، اور اس کی بددیانتی پر نکیر کرنے کی کوئی ہمت نہ کر پائے گا۔

امانت دار شخص کو بدنام کیا جائے گا

(۶) وَيُـخَـوَّنُ الْاَمِيْنُ : معاشرہ کی بے راہ روی کا حال یہ ہوگا کہ اگر کوئی ذمہ دار شخص امانت داری کے ساتھ اپنا کام انجام دے گا تو اس کی حوصلہ افزائی کے بجائے لوگ اس کو بدنام کرنے پر تلے رہیں گے اور الٹے اسے بددیانت اور خائن ثابت کرنے کی کوشش کریں گے، جیسا کہ آج کل کا ماحول ہے کہ اگر کوئی عہدہ دار یا سرکاری ملازم امانت ودیانت کے ساتھ اپنی ڈیوٹی بجالائے، اور رشوت اور بدعنوانی سے پرہیز کرے، تو بڑے افسران کی طرف سے اس کو قدم قدم پر مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور یہ امانت ودیانت اس کی دنیوی ترقی میں بڑی رکاوٹ بن جاتی ہے۔ اس کے برخلاف شاطر قسم کے بے ایمان لوگ بہت تیزی سے ترقی کے مراحل طے کر لیتے ہیں، اور انہیں زیادہ مشکلات پیش نہیں آتیں، یہ سب عمومی بگاڑ کے مظاہر ہیں۔

قیادت کی کمان منافقوں کے ہاتھ میں ہوگی

(۷) وَيَسُـوْدُ كُلَّ قَبِيْلَةٍ مُنَافِقُوْهَا : منافق اس شخص کو کہتے ہیں جس کے ظاہر وباطن میں یکسانیت نہ ہو اور اس کا دعویٰ عمل کے مطابق نہ ہو، قیامت کے قریب ایسے ہی لوگ قوم کی قیادت کریں گے؛ بلکہ ایسے ہی منافقوں کو قوم قیادت کے لئے قبول کرے گی؛ کیوں کہ عوام حق گو اور صاف شفاف کردار کے حکمرانوں کی روک ٹوک کا تحمل نہ کر پائیں گے۔

تجارت پر فساق وفجار کا غلبہ ہوگا

(۸) وَكُـلَّ سُـوْقٍ فُـجَّارُهَا : سچائی اور امانت داری تجارت کی پسندیدہ صفات ہیں، قیامت کے قریب یہ دونوں صفات عنقا ہو جائیں گی، اور بازار پر ایسے لوگوں کا غلبہ ہوگا جو طبعی طور پر فاسق اور فاجر ہوں گے، جن کے نزدیک دھوکہ دھڑی، جھوٹ اور فریب کوئی عیب نہ ہوں گے، اور

وہ تجارت کے فروغ کے لئے فواحش اور منکرات کو رواج دینے میں بھی کوئی گریز نہ کریں گے۔

یہ پیشین گوئی آج کے دور پر حرف بحرف صادق ہے، ساری دنیا میں تجارت چلانے والے ایسے دماغ مسلط ہیں جن کی سوچ کا دائرہ فواحش اور منکرات کے ارد گرد ہی گھومتا ہے، اور تجارت کے ساتھ فواحش کا سیل رواں بھی چلا آ رہا ہے جس نے انسانی و اخلاقی قدروں کو خس و خاشاک کی طرح پامال کر ڈالا ہے۔

محرابیں سجائی جائیں گی

(۹) وَتُزَخْرَفُ الْمَحَارِيْبُ : یعنی قیامت کے قریب عالیشان مسجدیں تعمیر ہوں گی اور ان کی سجاوٹ اور زیب و زینت پر بے دریغ روپیہ خرچ کیا جائے گا اور اسی کو سب سے بڑا ثواب کا کام سمجھا جائے گا، اور مسجد کی اصل آبادی اور زیب و زینت یعنی نمازیوں کی کثرت اور عبادات کی ادائیگی میں کوتاہی برتی جائے گی، یہ بات بھی آج بکثرت دیکھنے میں آ رہی ہے کہ مساجد کی زیب و زینت کا خیال زیادہ ہے اور ان کی آبادی کی فکر کم ہے۔

دل بگڑ جائیں گے

(۱۰) وَتُخَرَّبُ الْقُلُوْبُ : اعمال کی درستگی کا مدار دلوں کی درستگی پر ہے، جب دل ہی درست نہ رہیں گے تو اعمال کہاں سے درست ہو سکتے ہیں؟ حدیث کا مقصود یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں خواہشات اور لذتیں پیوست ہو جائیں گی اور خود غرضی عام ہو جائے گی جس کی بنا پر حق بات قبول کرنے اور دین کے لئے قربانی دینے اور لذتوں کو ترک کر دینے کا حوصلہ نہ رہے گا۔

ہم جنسی کا دور دورہ ہوگا

(۱۱) وَيَكْتَفِي الرِّجَالُ بِالرِّجَالِ وَالنِّسَاءُ بِالنِّسَاءِ : یعنی دنیا میں شہوانی خرمستیوں میں انسان ایسا مست ہو جائے گا کہ فطرت کے راستہ سے بغاوت کر کے قوم لوط کے ملعون طریقہ پر چل پڑے گا، اور انسانیت کے انحطاط کی آخری حد یہ ہوگی کہ لوگ اس عمل کو برا سمجھنے کے بجائے

قانونی طور پراس کو سند جواز فراہم کریں گے اور آزادیٔ فکر کے پرفریب نعرہ کی آڑ میں اس بدترین عمل کی بے شرمی کے ساتھ حمایت کی جائے گی، جیسا کہ آج کل مغربی ممالک میں ہورہا ہے، اور جس کی بازگشت اب یہاں بھی سنائی دینے لگی ہے، العیاذ باللہ۔

آبادیاں ویران اور ویرانے آباد ہوں گے

(۱۲) وَيُخَرَّبُ عِمْرَانُ الدُّنْيَا وَيَعْمُرُ خَرَابُهَا: قیامت کے قریب ایسے واقعات پیش آئیں گے کہ بھری بھری آبادیاں منٹوں میں کھنڈر بن جائیں گی، جب کہ ویرانوں کو آباد کرنے پر بڑے بڑے مصارف صرف کئے جائیں گے، یہ مناظر آج دنیا میں جابجا عام ہیں، آئے دن کتنے بھرے پرے شہر اور دیہات بمباری کرکے کھنڈر بنادئے جاتے ہیں، اور دوسری طرف پرانے زمانہ کے کھنڈرات اور گزری ہوئی قوموں کے آثار و باقیات کو ''آثار قدیمہ'' کا خوشنما عنوان دے کر دوبارہ آباد کرنے کی فکر کی جاتی ہے، اور ایسی جگہوں کو ''سیاحت گاہ'' بنانے پر حکومتیں کروڑہا کروڑ روپیوں کا بجٹ مختص کرتی ہیں، اور ہر سال لاکھوں لوگ ان کھنڈرات کی زیارت کے لئے دور دراز کا سفر کرتے ہیں۔ حالاں کہ ان کھنڈرات کے تحفظ یا ان کی زیارت سے انسانیت کو کوئی نفع حاصل ہونے کی امید نہیں ہوتی، اور ایسی چیزوں میں اشتغال کو سعی لاحاصل کے علاوہ کوئی اور عنوان نہیں دیا جاسکتا۔

فتنے عام ہوجائیں گے

(۱۳) وَتَظْهَرُ الْفِتْنَةُ: قیامت کے قریب ہر جانب فتنے ہی فتنے ہوں گے، کہیں مال کا فتنہ، کہیں جان کا خطرہ، کہیں بدخواہوں کا حسد، کہیں دشمنوں کا مکر و فریب، کہیں ساتھیوں کی بے وفائی اور اس سے بڑھ کر قدم قدم پر منکرات و فواحش میں ابتلاء کا خدشہ، جو شخص اپنے کو ان فتنوں سے بچالے جائے گا وہ فائز المرام ہوگا اور جو فتنوں کے لپیٹ میں آگیا اس کی خیر نہیں۔

سودی معاملات عام ہوں گے

(۱۴) وَاُكِلَ الرِّبوٰا: قیامت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ پوری دنیا سودی نظام میں جکڑ جائے گی اور خوب دھڑلّے کے ساتھ سود کھایا جائے گا اور اسے برا بھی نہ سمجھا جائے گا؛ بلکہ اور لوگوں کو

سودی لین دین کے مشورے دئے جائیں گے، اور سودی اسکیموں کو آپس میں خوب متعارف کرایا جائے گا، چناں چہ آج کل یہی ہورہا ہے، اور حد یہ ہے کہ آج جو شخص سود سے بچتا ہے اور تقویٰ اختیار کرتا ہے تو لوگ اس کی تائید کرنے کے بجائے الٹے حوصلہ شکنی کرتے ہیں، بہت سی زبانوں سے نعوذ باللہ یہ بات سنی جاتی ہے کہ ''آج مسلمانوں کی اقتصادی تنزلی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ سود سے بچا رہتا ہے، اگر وہ بھی اسی طرح سودی لین دین کرتا جیسے غیر مذہب والے کرتے ہیں تو مسلمان بھی مالی ترقی میں انہیں کے شانہ بشانہ ہوتا''، حالاں کہ یہ نظریہ اسلام کے قطعاً مخالف ہے اور صرف دنیا داری کے جذبہ پر مبنی ہے، اور ایسی بات وہی شخص کہہ سکتا ہے جو آخرت کے عذاب سے بے خوف ہو اور اللہ تعالیٰ کے احکامات سے روگردانی کرنے والا ہو، اس لئے کہ مسلمان کی ترقی حرام کمانے میں ہرگز نہیں؛ بلکہ صرف اور صرف اتباع شریعت میں ہے، حرام میں مبتلا ہوکر مسلمان نہ کبھی ماضی میں ترقی کرسکا ہے اور نہ مستقبل میں کرسکتا ہے، یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشیں کرلینی چاہئے۔

گانے باجے کے آلات عام ہوجائیں گے

(۱۵) وَتَظْهَرُ الْمَعَازِفُ: اسلامی شریعت کی نظر میں گانا باجا نفاق کی آبیاری کرتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ۴۱۱/۲) کرتا ہے اور اس میں مبتلا شخص لہو ولعب اور غفلت میں پڑکر اپنی شرعی وسماجی ذمہ داریوں سے غافل ہوجاتا ہے اور اپنی زندگی کے بیش قیمت لمحات کو ضائع کردیتا ہے، اسی لئے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ ''مجھے دنیا میں موسیقی کے آلات کو توڑنے کے مقصد سے بھیجا گیا ہے''۔ اس کے برخلاف قیامت کے قریب امت میں عمومی بگاڑ کی وجہ سے گانا باجا بالکل عام ہوجائے گا، اور کیفیت یہ ہوگی کہ ہر ہر گھر سے گانے کی آوازیں آئیں گی، میوزک کی گھنٹیاں بجیں گی، ڈھول تاشوں کی برائی دلوں سے نکل جائے گی، اور پوری قوم انہیں واہیات مشاغل میں بدمست ہوجائے گی، جیسا کہ آج کل دیکھا جارہا ہے کہ ''موبائل'' سے لے ''کرڈوربیل'' تک ہر جگہ میوزک عام ہے، اور بالخصوص نوجوانوں کا تو یہ محبوب مشغلہ ہے کہ صبح کو آنکھ کھلتی ہے تو میوزک میں، اور رات کو سونے کے لئے لیٹتے ہیں تو میوزک سنتے ہی سنتے نیند آتی ہے۔ **اللهم احفظنا منه۔**

خزانے عام ہو جائیں گے

(۱۶) وَالْكُنُوْزُ: کنز کے معنی دفینہ کے آتے ہیں اور مطلق جمع شدہ مال کو بھی کنز کہا جاتا ہے، اس اعتبار سے اس پیش گوئی کا مصداق ایک تو یہ ہے کہ دفن کئے ہوئے خزانے کثرت سے برآمد ہوں گے، اور دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ مال جس کی مقدار آدمی دوسروں سے چھپا کر رکھتا ہے وہ لوگوں پر ظاہر ہو جائے گی، جیسا کہ آج کل بڑے بڑے مال داروں اور کمپنیوں کا حال ہے کہ ان کے تمام اثاثہ جات اور بینک بیلنس سب حکومت کی نظر میں رہتے ہیں، اور بسا اوقات اخبارات وغیرہ کے ذریعہ لوگوں کو بھی ان کی تفصیلات کا علم ہو جاتا ہے۔

شراب عام ہو جائے گی

(۱۷) وَتُشْرَبُ الْخَمْرُ: شراب سے انسان کی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے جس کی وجہ سے آدمی جانوروں سے بدتر حرکتیں کرتا ہے، اسی لئے ہر صاحب عقل کی نظر میں شراب ایک معیوب چیز ہے، لیکن قیامت کے قریب لذات وخواہشات کا ایسا طوفان بپا ہوگا کہ اس کے سامنے عقل کے سب تقاضے ہیچ ہو جائیں گے، اور وقتی اور عارضی لذت کے لئے شراب اور نشہ کا چلن اس قدر عام ہوگا کہ اس کی برائی بھی ذہنوں سے نکل جائے گی، یہ بات اب ہر جگہ کھلے آنکھوں نظر آنے لگی ہے، اور مغربی ممالک تو پہلے ہی سے اس بدترین مخربِ عقل مشغلہ میں مشغول ہو کر انسانیت سے عاری ہو چکے تھے اب یہ وبا تیزی سے مشرقی ممالک حتی کہ بہت سے مسلم ملکوں میں بھی باقاعدہ حکومتوں کی نگرانی میں فروغ پا رہی ہے، جس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔

پولیس والوں کی کثرت

(۱۸) وَتَكْثُرُ الشُّرَطُ: قیامت کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ تنخواہ دار پولیس والے جا بجا نظر آئیں گے جو خلق خدا پر بے محابا ظلم کریں گے، ان کو ستائیں گے اور ان سے بے جا رشوت اور ٹیکس وصول کریں گے، یہ منظر بھی اب ہر جگہ عام ہے، اور قانون کے رکھوالے ہونے کا دعویٰ

کرنے والے خود ہی قانون کی دھجیاں اڑاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

عیب جوؤں کی کثرت

(۱۹) وَالْغَمَّازُوْنُ: قیامت کے قریب عیب جوؤں کی کثرت ہوجائے گی یعنی اچھائیوں کو دیکھنے والے کم ہوں گے اور عیب تلاش کرنے والے زیادہ ہوں گے، جو اس بات کی جستجو میں رہیں گے کہ کس کی زندگی کا کمزور پہلو تلاش کرکے اسے اخبارات وغیرہ کے ذریعہ برسر عام رسوا کیا جائے۔ یہ برائی بھی آج جابجا نظر آتی ہے بالخصوص دینی خدمات انجام دینے والے یا دینی ذمہ داریوں پر فائز حضرات کی عیب جوئی آج بہت سے بے توفیق لوگوں کا محبوب مشغلہ ہے، جب کہ شریعت میں عیب پوشی کا حکم دیا گیا ہے اور پردہ دری سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔

غیبتوں کا عموم

(۲۰) وَالْهَمَّازُوْنَ: قیامت کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ اس وقت پیٹھ پیچھے برائیاں کرنے والے عام ہوجائیں گے، جس کی بناپر معاشرتی اور اجتماعی زندگی میں سخت فتنے رونما ہوں گے اور باہمی اعتماد رخصت ہوجائے گا، یہ برائی بھی آج ہر سطح پر عام ہے جس کے بدترین نتائج امت بھگت رہی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جن احادیث شریفہ میں قیامت کی نشانیاں بیان فرمائی ہیں ان کے بیان کرنے کا ایک خاص مقصد یہ ہے کہ امت اپنی حدتک اختیاری برائیوں سے بچنے کی کوشش کرے اور اپنے معاشرہ میں ایسا ماحول پیدا نہ ہونے دے جس سے معاشرہ عذابِ خداوندی کا مستحق بن جائے، اس لئے ہمیں ہر وقت اپنی زندگی کا جائزہ لیتے رہنا چاہئے اور ایسے ناپسندیدہ اعمال واخلاق سے اپنے کو اور اپنے معاشرہ کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح فکر عطا فرمائیں اور ہر طرح کے شرور وفتن سے محفوظ رکھیں، آمین۔ (ندائے شاہی اکتوبر ۲۰۰۷ء)

❑❑❑

اہلِ تقویٰ کیلئے عظیم بشارت

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں ایک جلیل القدر صحابی سیدنا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں، اٹھارہ سال کی عمر میں انہوں نے بیعت عقبۂ ثانیہ کے موقع پر منیٰ میں ستر حضراتِ انصار کی جماعت کے ساتھ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کیا اور اس کے بعد تمام غزوات اور تمام اہم مواقع پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں ہمہ تن حاضر رہے۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا کہ: ''معاذ لوگوں میں حلال وحرام کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے ہیں''۔ (رجال حول الرسول ۱۰۶) اگرچہ آپ بالکل نوجوان رعنا تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں صرف ۳۳ سال کی عمر میں وفات پائی؛ لیکن آپ کی عظمت اور وقار کا عالم یہ تھا کہ حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر امیر المؤمنین کے آپ مشیر خاص تھے، حتیٰ کہ بعض موقعوں پر آپ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ: ''عورتیں معاذ جیسا سپوت جننے سے عاجز ہیں اور اگر معاذ بن جبل نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوجاتا''۔ (الاصابہ ۶/۱۰۸، رجال حول الرسول/ ۸۷) جب سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مرض الوفات میں اپنے بعد خلیفہ کے تقرر کی درخواست کی گئی تو آپ نے ارشاد فرمایا: ''اگر معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ حیات ہوتے اور میں ان کو خلیفہ بنا کر اللہ کے دربار میں حاضر ہوتا اور اللہ تعالیٰ اس بارے میں مجھ سے سوال کرتے تو میں عرض کر دیتا کہ میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا کر آیا ہوں اس لئے کہ میں نے ان کے بارے میں پیغمبر علیہ السلام سے یہ سن رکھا تھا کہ معاذ رضی اللہ عنہ قیامت کے دن علماء کے امام ہوں گے''۔ (رجال حول الرسول/ ۱۰۹) نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے خاص انسیت تھی۔ ایک مرتبہ آپ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا:

يَـا مُعَاذُ ! وَاللّٰهِ إِنِّي لَأُحِبُّكَ، فَقَالَ : أُوْصِيْكَ يَـا مُـعَاذُ ! لَا تَدَعْنَ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلوٰةٍ : اَللّٰهُمَّ أَعِنِّيْ عَلىٰ ذِكْـــرِكَ وُشُـكْــرِكَ وُحُسْــنِ عِبَـادَتِكَ. (سـنـن أبـى داؤد شـريف حديث: ۱۵۲۲)	اے معاذ! قسم بخدا میں تم سے محبت رکھتا ہوں، پھر فرمایا: کہ معاذ میں تمہیں تاکیداً حکم دیتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد یہ دعاء کرنا کبھی مت چھوڑنا: ''اے اللہ! اپنے ذکر وشکر اور اپنی حسنِ عبادت پر میری مدد فرما''۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے ایمان کی پختگی کا اندازہ اس سے لگایئے کہ ایک مرتبہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ: ''کہو صبح کس حال میں کی''؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: ''میں نے کامل ایمان کی حالت میں صبح کی''، پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے''؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ گویا ہوئے کہ: ''میرا حال یہ ہے کہ جب صبح کرتا ہوں تو گمان کرتا ہوں کہ شاید شام نہ پاسکوں گا اور جب شام آتی ہے تو گمان ہوتا ہے کہ شاید صبح تک بھی زندہ نہ رہ سکوں گا، اور جب بھی میں کوئی قدم اٹھاتا ہوں تو خیال آتا ہے کہ پتہ نہیں اگلا قدم اٹھ پائے گا یا نہیں؟ اور ہر وقت میری نظر میں یہ بات رہتی ہے کہ گویا میدانِ محشر بپا ہے اور ہر شخص کو اس کے اعمال نامہ کے اعتبار سے پکارا جا رہا ہے اور اہلِ جنت اور ان کی نعمتیں اور اہلِ جہنم اور ان کے عذاب میرے تصور میں رہتے ہیں''۔ یہ جواب سن کر پیغمبر علیہ السلام نے شاباشی دیتے ہوئے فرمایا کہ: ''تم نے ایمان کو واقعی پہچان لیا، اسی پر قائم رہو''۔ (رجال حول الرسول ۱۰۹)

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے پہلے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا، اور اہل یمن کو پیغام دیا کہ: ''میں اپنے لوگوں میں سب سے بہتر شخص کو تمہارے پاس بھیج رہا ہوں''۔ (الاصابہ ۶/۱۰۹)

مسند احمد میں روایت ہے کہ جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یمن تشریف لیجانے لگے تو چوں کہ نبیٔ اکرم علیہ الصلاۃ السلام کو آپ سے خاص تعلق تھا، اس لئے آپ ان کو رخصت کرنے کے لئے مدینہ منورہ سے باہر تک تشریف لائے، اور حال یہ تھا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سواری پر سوار تھے، اور

جناب رسول اللہ ﷺ پیدل ساتھ ساتھ چل رہے تھے، جب آپ وہاں پہنچے جہاں سے قافلوں کو رخصت کیا جاتا تھا، تو آپ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میاں معاذ رضی اللہ عنہ! اب جب تم مدینہ واپس آؤ گے تو تم مجھے نہیں پاؤ گے، اور بجائے تم مجھے دیکھنے کے میری قبر کی زیارت کرو گے۔ ظاہر ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جیسے خادم خاص کے سامنے تو یہ تصور ہی نہیں ہوسکتا تھا کہ پیغمبر علیہ السلام کو نہ دیکھیں، یہ سن کر بے اختیار رو پڑے، اور اس بات کا بڑا احساس ہوا کہ آخری وقت میں بھی پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ نہ رہ سکیں گے۔ آدمی کی تمنا ہوتی ہے کہ جو اپنا محبوب ہے اس کے ساتھ آخری لمحات تک زندگی کے وقت کو گزاریں، اور پیغمبر علیہ السلام کی جدائی سے بڑھ کر ایک امّتی کے لئے کیا غم ہوسکتا ہے؟ نبیٔ اکرم ﷺ نے جب ان کی بے قراری دیکھی تو آپ نے چہرہ دوسری جانب کرلیا، اور مدینہ منورہ کی طرف چلتے ہوئے آپ ﷺ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ: يَا مُعَاذُ ! إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِيْ اَلْـمُتَّقُوْنَ مَنْ كَانُوْا وَأَيْنَ كَانُوْا. (مشکوٰۃ شریف ۴۴۶/۲) کہ میاں معاذ! تم اس کی فکر مت کرو کہ تم کہاں ہو، کہاں رہو گے، اور کون دنیا میں کہاں رہے گا؟ لیکن یہ سمجھ لو کہ آخرت میں مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جنھوں نے زندگی تقویٰ اور طہارت کے ساتھ گذاری "من كانوا وأين كانوا" چاہے وہ دنیا میں کسی بھی طبقہ سے تعلق رکھتے ہوں، اور خواہ کہیں کے رہنے والے ہوں اگر ان میں تقویٰ ہے تو وہ مجھ سے قریب ہیں، اور اگر تقویٰ نہیں ہے تو جسمانی قربت کے باوجود بھی دور ہیں۔

نبیٔ اکرم ﷺ کے اس ارشاد میں تمام امت کے متقیوں کے لئے بہت بڑی بشارت اور عظیم الشان خوش خبری پائی جاتی ہے۔ جو شخص بھی تقویٰ کے ساتھ زندگی گذارے گا وہ میدان محشر اور جنت میں پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے تقرب کی سعادت حاصل کرلے گا، اور ہر مسلمان کو اس فہرست میں اپنا نام لکھانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ تقویٰ کی بہت سی تعریفیں کی گئی ہیں؛ لیکن اس کے صحیح مطلب کی وضاحت اس اثر سے ہوتی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے تقویٰ کی تعریف پوچھی، تو حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ حضرت! کیا آپ نے کوئی ایسا راستہ دیکھا ہے جس میں کانٹے بچھے ہوئے ہوں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا

کہ ہاں دیکھا ہے، تو حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ ایسے راستہ سے گذرتے ہوئے آپ کا کیا عمل رہا؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے کپڑے چڑھا لئے اور پوری احتیاط سے گذرا (کہیں کانٹا نہ چبھ جائے) تو حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ بس تقویٰ اسی کا نام ہے۔ (تفسیر قرطبی ۱/۱۵۷) یعنی جس طرح انسان کانٹے اور تکلیف دہ چیزوں سے اپنے کو بچاتا ہے اسی طرح دنیا کی زندگی میں ہر موڑ پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی سے اپنے کو بچانے کی کوشش کرے، یہی تقوی ہے۔

مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے خطبہ میں ارشاد فرماتے تھے کہ: ''انسان کا بہترین توشہ تقویٰ ہے، اور دانائی کی اصل بنیاد اللہ رب العزت کا خوف ہے''۔ (شعب الایمان ۱/۴۷۰)

مطلب یہ ہے کہ برائیوں سے بچنا یہی انسان کے لئے سب سے بڑا زادِ راہ ہے، اور سب سے بڑی عقل مندی اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کی خشیت پیدا کرنا ہے، اسی لئے قرآن پاک میں جگہ جگہ ایمان والوں کو تقویٰ اختیار کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ. (آل عمران ۱۰۲)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم اسلام کے علاوہ کسی حال پر ہرگز جان مت دینا۔

اللہ سے ڈرنے کا حق بتاتے ہوئے ایک روایت میں ارشاد فرمایا گیا کہ: ''اس سے ڈرنے کا حق یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے نافرمانی نہ کی جائے، اور اس کو یاد رکھا جائے اس کو بھلایا نہ جائے، اور اس کی شکر گذاری کی جائے ناشکری نہ کی جائے''۔ (قرطبی ۲/۱۴۹)

ویسے تو ہر آدمی اپنے کو متقی ظاہر کرتا ہے؛ لیکن اصل تقوی یہ ہے کہ آدمی تنہائی میں متقی بن جائے، یعنی جب اسے کوئی نہ دیکھ رہا ہو تب بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرے، ایسے متقیوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے دنیا وآخرت میں سہولت اور عافیت کا وعدہ فرمایا ہے۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا. (سورة الطلاق ٤)

جو آدمی اللہ تعالیٰ سے ڈرے اللہ تعالیٰ اس کے معاملات آسان فرما دیتے ہیں۔

اور فرمایا:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهٗ مَخْرَجاً، وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ، وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ.
(سورة الطلاق ۳)

جو آدمی اللہ تعالیٰ سے ڈرے اللہ تعالیٰ اس کے لئے نکلنے کے راستے بنا دیتے ہیں، اور بے وہم وگمان اسے روزی عطا فرماتے ہیں، اور جو اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہے۔

نبیٔ اکرم ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے، اور آپ ﷺ نے قبیلۂ بنو سالم میں سب سے پہلے جمعہ کا خطبہ ارشاد فرمایا اس میں ایک جملہ یہ تھا کہ:

مَنْ يُصْلِحُ مَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللّٰهِ يُصْلِحُ اللّٰهُ مَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ النَّاسِ.
(سيرة المصطفىٰ ٤٠٤)

جو آدمی اپنا معاملہ اپنے خدا سے درست کرلے، تو اللہ تعالیٰ اس کا معاملہ لوگوں کے درمیان میں درست فرمادیتے ہیں۔

یہ ایسا نصیحت آموز جملہ ہے جو ہر مسلمان کو ہر وقت پیش نظر رکھنا چاہئے، اور اپنے ہر معاملہ میں اولاً رضاء خداوندی کو ملحوظ رکھ کر ہی اقدام کرنا چاہئے۔ اگر ہم اس کا اہتمام کریں گے اور زندگی کے آخری لمحہ تک اسی طرز پر قائم رہیں گے تو ہم خواہ کسی بھی خاندان سے تعلق رکھتے ہوں، خواہ کسی بھی علاقہ سے ہماری وابستگی ہو، ہماری ظاہری شکل وصورت خواہ کیسی ہی ہو؟ ہم پیغمبر علیہ السلام کے بشارت آمیز وعدہ کے مطابق آخرت میں آپ کے تقرب اور نظر کرم کے مستحق قرار پائیں گے، انشاء اللہ تعالیٰ۔ اگر ہم ہمت کریں گے تو اللہ کی مدد بھی شامل حال رہے گی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی جولائی ۲۰۰۶ء)

❑❖❑

اِیمان کے بنیادی تقاضے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ایک حکیمانہ ارشاد کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو علم وحکمت کی بے مثال دولت سے سرفراز فرمایا تھا آپ کے زبان مبارک سے نکلے ہوئے کلمات اور حکمت آمیز اقوال نہ صرف اسلامی علمی ذخیرہ میں امتیازی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ انہیں عربی زبان وادب کے اعتبار سے بھی شہ پاروں کے مقام پر رکھا جاتا ہے۔آپ کا اسم گرامی اولین اسلام لانے والے صحابہؓ میں سرفہرست ہے، آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبی اور روحانی ہر طرح کی قرابت حاصل تھی بعثت سے پہلے اور بعثت کے بعد آپ کو جلوت وخلوت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کی سعادت نصیب ہوئی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ پر بے حد اعتماد تھا، جس کا مظاہرہ سفر ہجرت، غزوۂ خیبر اور غزوۂ تبوک کے موقع پر خاص طور سے ہوا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ''باب العلم'' کا لقب عنایت فرمایا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ، وَعَلِيٌّ بَابُهَا، فَمَنْ اَرَادَ الْعِلْمَ فَلْيَأْتِ بَابَهَا.

(اسد الغابة ٤٩٧/٣، كشف الخفاء عن ابن عباس ١٨٤/١، والحديث حسن)

میں علم کا شہر ہوں، اور علی اس کا دروازہ ہیں، بس جو شخص علم حاصل کرنا چاہے وہ اس کے دروازہ پر آئے۔

دور صحابہؓ میں جب بھی کوئی مشکل اور لاینحل مسئلہ اور قضیہ سامنے آتا تو بے اختیار نظریں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف اٹھ جاتیں اور آپ بڑے سے بڑے الجھے ہوئے معاملے کو چٹکیوں میں حل فرمادیتے، آپ کی یہ علمی گیرائی اور معاملہ فہمی دراصل اس دعا کی برکت تھی جو آپ کو

آنحضرت ﷺ نے یمن روانہ کرتے ہوئے دی تھی، حضرت علی رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ نے مجھے یمن جانے کا حکم دیا تو میں نے عرض کیا کہ: ''اے اللہ کے رسول! آپ مجھے یمن بھیج رہے ہیں اور وہاں لوگ مجھ سے قضاء کے بارے میں سوال کریں گے (یعنی اپنے نزاعات کے فیصلے مجھ سے کرائیں گے) حالاں کہ مجھے اس کا علم اور تجربہ کچھ نہیں ہے''، تو نبی اکرم ﷺ نے مجھے اپنے سے قریب فرما کر میرے سینے پر اپنا دست مبارک رکھا، پھر یہ دعا دی: ''اللّٰھم ثبت لسانہ واھد قلبہ'' (اے اللہ ان کی زبان کو حق پر جما دے اور ان کے دل کو راہ حق کی رہنمائی فرمایئے) حضرت علیؓ اللہ کی قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ اس کے بعد کبھی دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے میں میں نے دل میں کوئی تردد محسوس نہیں کیا۔ (اسد الغابہ ۳/۵۹۶)

الغرض سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مشکوٰۃ نبوت سے براہ راست علوم نبوت کو اپنے مبارک سینہ میں منتقل کیا تھا، اور عمر بھر اپنے فیوض عالیہ سے امت کو مستفیض فرماتے رہے، آپ کے جامع خطبات ومواعظ سے ہر زمانہ میں فیض اٹھایا جاتا رہا ہے اور تا قیامت اٹھایا جاتا رہے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اسی سلسلہ کا ایک جامع ملفوظ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے ہمیں چاہیئے کہ ہم اسے بار بار پڑھیں اور اپنے ایمان کو اس حکیمانہ ارشاد کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کریں :

قبیصہ ابن جابر اسدیؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص امیر المؤمنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا، اور عرض کیا اے امیر المؤمنین یہ بتایئے کہ ایمان کس چیز کا نام ہے؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ ایمان کی عمارت ۴ ستونوں پر قائم ہے: (۱) صبر (۲) یقین (۳) جہاد (۴) عدل۔

الف : پھر صبر کے ۴/شعبے ہیں: (۱) جنت کا شوق (۲) دوزخ کا ڈر (۳) دنیا سے بے رغبتی (۴) آخرت کا استحضار — لہٰذا جو شخص جنت کا مشتاق ہوگا وہ دنیا کی فانی لذتوں سے اپنی توجہ ہٹا لے گا — اور جو شخص جہنم سے ڈرے گا وہ حرام اور ناجائز اعمال سے بچ جائے گا — اور جو دنیا کی حقیقت سے واقف ہو جائے گا اس کے لیے دنیا کی مصائب اور مشکلات آسان ہو جائیں

گی —— اور جو موت کا منتظر ہوگا وہ اعمال خیر کی طرف تیزی سے سبقت کرے گا۔

ب: اور یقین کے بھی ۴؍شعبے ہیں: (۱) طبعی بصیرت (۲) حکمت کی باتوں کی سمجھ (۳) حالات وواقعات سے عبرت حاصل کرنا (۴) سلف صالحین کی اقتداء —— پس جو شخص بصیرت سے کام لے گا اس پر حکمت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے ---اور جو شخص حکمت کی باتوں کے معانی سمجھ لے گا وہ انقلابات زمانہ اور حوادث سے عبرت حاصل کرنے سے پیچھے نہیں رہے گا—— اور جو شخص عبرت حاصل کرنے والا بن جائے گا وہ گویا خود ہی سلف صالحین میں شامل ہو جائے گا۔

ج: اسی طرح ''عدل'' کے بھی چار شعبے ہیں: (۱) فہم کی گیرائی (۲) علم کی روشنی (۳) شرعی احکام پر پابندی (۴) حلم وبردباری —— پس جو شخص اپنی فہم وفراست کو صحیح جگہ استعمال کرے گا تو علم کے معانی تک اس کو رسائی حاصل ہو جائے گی —— اور جو شخص علم تک رسائی حاصل کرلے گا اس کے لیے شرعی احکام پر قائم رہنا آسان ہو جائے گا —— اور جو شخص بے قابو ہونے کے وقت ضبط وتحمل اور حلم وبرباری سے کام لے گا وہ لوگوں کے درمیان بہت عافیت اور آرام سے وقت گذارے گا۔

د: اور ایمان کے چوتھے ستون ''جہاد'' کے بھی ۴؍شعبے ہیں: (۱) اچھی باتوں کی تلقین کرنا (امر بالمعروف) (۲) بری باتوں سے لوگوں کو روکنا (نہی عن المنکر) (۳) قربانی کے موقع پر ثابت قدم رہنا (۴) اور فاسقین کو (ان کے اعمال کی بنا پر) دل سے ناپسند کرنا—— پس جو شخص اچھائیوں کی تلقین کرے گا وہ گویا اہل ایمان کی پیٹھ کو مضبوط کرے گا—— اور جو شخص برائیوں پر روک ٹوک کرے گا وہ منافقین کی ذلت کا سامان کرے گا—— اور جو دین کے لیے قربانی کے وقت استقامت اور شجاعت کے جوہر دکھائے گا وہ اپنی ذمہ داری بجالائے گا—— اور جو شخص فسق وفجور اور اسلام دشمنی کی بنا پر فاسقوں سے ناپسندیدگی ظاہر کرے گا اور اللہ کی رضا کے لئے بدعملوں سے ناخوش ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے دفاع فرمانے والے ہوں گے۔

راوی کہتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے ایمان کی اس شاندار اور جامع تشریح وتفسیر سن کر سوال کرنے والا شخص بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا، اور فرط عقیدت میں آپ کی پیشانی مبارک چوم لی۔ (موسوعۃ آثار الصحابہ ۲/۱۱۶)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس ارشاد میں جن ایمانی شعبوں کی طرف رہنمائی فرمائی ہے ہمیں خاص طور پر ان کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے، آپ کا یہ قیمتی ملفوظ دراصل فکری اصلاح کے بنیادی نکات کو جامع ہے، فکر اصل ہے اور عملی زندگی اس کی فرع ہے اگر فکر درست ہوجائے تو عملی زندگی کی درستی آسان ہوجاتی ہے، اور آج بگاڑ پھیلنے؛ بلکہ برابر پھیلتے چلے جانے کی اصل وجہ یہی ہے کہ ہماری فکر بدل گئی ہے، ہم نے ایمان اور ایمانی اعمال کو مسجد اور مدرسہ کی زندگی تک محدود کرلیا ہے، اور چند مخصوص عبادات تک دین کا دائرہ سمیٹ دیا ہے حالانکہ ہمارا دین ہمہ گیر ہے، عبادات، معاملات، اخلاق، معاشرت اور تہذیب وتمدن ہر شعبہ میں دینی ہدایتیں موجود ہیں جن پر عمل کرکے اہل ایمان دنیا اور آخرت کی بھلائیوں سے بہرہ ور ہوسکتے ہیں، ضرورت ہے کہ ہم غفلت سے بیدار ہوں اور اپنے ایمانی معیار کو بلند کرنے کے لیے فکری درستگی کی جانب مخلصانہ قدم اٹھائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت پر استقامت کی دولت سے نوازیں۔ آمین۔

(ندائے شاہی فروری ۲۰۰۶ء)

پانچ عمومی ہدایات

بنی اسرائیل (یہود ونصاریٰ) کے اعمال واخلاق اور امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے کردار میں بڑی حد تک مشابہت؛ بلکہ موافقت پائی جاتی ہے، اسی بنا پر قرآنِ کریم میں بہت کثرت کے ساتھ بنی اسرائیل کے حالات وواقعات ذکر فرمائے گئے ہیں، اوران کے تناظر میں امت محمدیہ کو ہدایات سے نوازا گیا ہے۔اسی طرح احادیث شریفہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کو دی جانے والی ہدایات کا ذکر فرمایا ہے؛ تاکہ امت محمدیہ کے افراد بھی ان ہدایات پر عمل پیرا ہوں۔اسی سلسلہ کی ایک روایت صحابی رسول حضرت حارث اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ وہ پانچ ہدایات پر خود بھی عمل کریں اور بنی اسرائیل کو بھی ان پر عمل کرنے کی تاکید کریں، کسی وجہ سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو یہ باتیں عوام کے سامنے بیان کرنے میں تاخیر ہوگئی، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ آپ کو جن باتوں کا حکم ہوا یا تو آپ بیان فرمائیں ورنہ میں ان کا اعلان کئے دیتا ہوں۔ یہ سن کر حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا: ”بھائی جان! ایسا مت کیجئے گا اگر آپ ان باتوں کو بیان کرنے میں مجھ سے سبقت لے گئے تو مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمین میں دھنسا دیئے جانے یا سخت عذاب دیئے جانے کا اندیشہ ہے“۔ بعدازاں حضرت یحییٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس میں جمع فرمایا، تا آں کہ پورا بیت المقدس حاضرین سے کھچا کھچ بھر گیا اور اردگرد کی گیلریوں تک میں لوگ اکھٹے ہوگئے، اس کے بعد آپ نے اعلان فرمایا کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے میرے پاس پانچ باتوں کی وحی بھیجی ہے کہ میں خود ان پر عمل کروں اور بنی اسرائیل کو ان پر عمل کرنے کا حکم دوں۔ (جن کی تفصیل یہ ہے:)

شرک وریا سے اجتناب

حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا:

أُولَاهُنَّ أَنْ لَا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا، فَإِنَّ مَثَلَ مَنْ أَشْرَكَ بِاللّٰهِ كَمَثَلِ رَجُلٍ اشْتَرٰى عَبْدًا مِنْ خَالِصِ مَالِهٖ بِذَهَبٍ أَوْ وَرِقٍ ثُمَّ أَسْكَنَهٗ دَارًا فَقَالَ: اِعْمَلْ وَارْفَعْ إِلَيَّ فَجَعَلَ يَعْمَلُ وَيَرْفَعُ إِلٰى غَيْرِ سَيِّدِهٖ فَأَيُّكُمْ يَرْضٰى أَنْ يَكُوْنَ عَبْدُهٗ كَذٰلِكَ فَإِنَّ اللّٰهَ خَلَقَكُمْ وَرَزَقَكُمْ فَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا.

ان میں سے پہلی بات یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ؛ کیوں کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے اپنے ذاتی خالص مال سونے یا چاندی سے کوئی غلام خریدا ہو پھر اسے اپنے گھر میں ٹھہرا کر یہ کہہ دیا ہو کہ تم کام کرو اور آمدنی مجھے دیا کرو، مگر وہ غلام یہ کرے کہ کام کر کے سب آمدنی اپنے مالک کے علاوہ کسی دوسرے کو دے دیا کرتا ہو، تو بھلا کون آدمی اس پر راضی ہوگا کہ اس کا غلام یہ حرکت کرے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہیں روزی دی پس اس کے ساتھ شرک مت کیا کرو۔

مطلب یہ ہے کہ آدمی جب اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں سے فیض یاب ہو رہا ہے تو لازم ہے کہ شکر گذاری بھی اسی کی کرے اور صرف اسی کے لئے عبادت بجالائے، ورنہ اس کی مثال اس نمک حرام ملازم کی ہوگی جو کھاتا کسی کا ہے اور گن دوسرے کے گاتا ہے، یہ شرک اور ریا کاری چوں کہ عقل و دیانت کے اعتبار سے بھی بدترین صفت ہے، اسی لئے اسے قرآنِ کریم میں ''ظلم عظیم'' قرار دیا گیا ہے۔ اگر آدمی بار بار اس حدیث میں بیان کردہ مثال پر نظر رکھے گا تو یقیناً اس کے دل سے ریا کاری کے ناپسندیدہ خیالات نکل جائیں گے اور ہر کام خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ پوری امت کو جذبہ اخلاص سے سرفراز فرمائیں، آمین۔

نماز میں خشوع وخضوع کی تاکید

حضرت یحییٰ علیہ السلام نے دوسری ہدایت یہ بیان فرمائی:

وَاِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلَاۃِ فَلَا تَلْتَفِتُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالیٰ یُقْبِلُ بِوَجْھِہٖ اِلٰی وَجْہِ عَبْدِہٖ مَا لَمْ یَلْتَفِتْ.

اور جب تم نماز کے لئے کھڑے ہوتو ادھر اُدھر متوجہ مت ہو؛ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اسی وقت تک اپنے بندے کی طرف توجہ فرماتے ہیں جب تک کہ وہ دوسری طرف متوجہ نہ ہو۔

ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے نیاز ہے، اگر بندہ عاجزی اور خشوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اسے اپنی توجہات وعنایات سے نوازتے رہیں گے، اور جب بندہ خود ہی غفلت اور لاابالی پن کا شکار ہوجائے، اور نماز اور عبادت کے دوران دل ودماغ کسی اور کی طرف لگائے رہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی طرف سے توجہ ہٹالیتے ہیں، اس لئے اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے منظورنظر بن جائیں تو ہمیں اپنی عبادات میں خشوع وخضوع کی کیفیت پیدا کرنی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں جہاں اہل ایمان کی صفات بیان فرمائی ہیں ان میں نماز کے خشوع وخضوع کو خصوصیت سے ذکر فرمایا ہے، اس کے برخلاف نماز میں خشوع وخضوع سے محرومی یہ منافقین کی علامت بتلائی گئی ہے، کہ وہ اولاً تو نماز ہی نہیں پڑھتے اور اگر پڑھتے بھی ہیں تو صرف بیگار ٹالتے ہیں، نماز کی روح یعنی خشوع وخضوع سے محروم رہتے ہیں۔

روزہ: خوشبودار عمل

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بیان کردہ باتوں میں سے تیسری بات یہ تھی:

وَاَمَرَکُمْ بِالصِّیَامِ وَمَثَلُ ذٰلِكَ کَمَثَلِ رَجُلٍ فِیْ عِصَابَۃٍ مَعَہٗ صُرَّۃُ مِسْكٍ کُلُّھُمْ یُحِبُّ اَنْ یَّجِدَ رِیْحَھَا وَاِنَّ الصِّیَامَ اَطْیَبُ عِنْدَ اللّٰہِ مِنْ رِیْحِ الْمِسْكِ.

اور اللہ تعالیٰ نے تم کو روزے رکھنے کا حکم دیا ہے اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی جماعت میں ہو اور اس کے پاس مشک کی ڈبیا ہو اور ہر ایک اس کی خوشبو سونگھنے کا مشتاق ہو اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک روزہ مشک سے زیادہ خوشبودار عمل ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ’’آدمی کا ہر عمل اپنے لئے ہوتا ہے سوائے روزہ کے، کہ وہ میرے لئے ہی کیا جاتا ہے اور میں ہی (اپنی شان کے مطابق) اس کا بدلہ عطا کروں گا، اور روزہ (گناہوں یا جہنم سے) ڈھال ہے، پس جس دن تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو نہ تو بے حیائی کی بات کرے اور نہ کسی کو ڈانٹ ڈپٹ کرے، پھر اگر کوئی اس سے گالم گلوچ کرے یا لڑائی پر آمادہ ہو تو اس سے کہہ دے کہ میرا روزہ ہے، اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے روزہ دار کے منہ سے آنے والی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ عمدہ ہے، اور روزے دار کے لئے دو خوشیاں ہیں، ایک یہ کہ جب وہ افطار کرتا ہے تو اسے خوشی ہوتی ہے، اور دوسرے جب قیامت میں اپنے رب سے ملاقات ہوگی تو اپنے روزہ رکھنے پر خوشی ہوگی‘‘۔

(بخاری شریف: ۱۹۰۴، ۲، مسلم شریف: ۱۱۵۱، الترغیب والترہیب: ۱۴۶۲)

روزہ کی عبادت کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں ریا کا احتمال کم سے کم ہے؛ کیوں کہ روزہ دار کی ظاہری ہیئت دیکھ کر کوئی اس کے روزے دار ہونے کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔ دوسرے یہ کہ اس عبادت سے چوں کہ قوتِ روحانیہ میں استحکام اور قوتِ بہیمیہ وشہوانیہ میں اضمحلال آتا ہے، جس سے انسان کی زندگی میں تقویٰ کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اس کی بناء پر روزے دار میں ظاہری و باطنی اعتبار سے خوشبو ظاہر ہونا فطری ہے؛ کیوں کہ جس قدر روح میں پاکیزگی ہوگی اسی قدر دل و دماغ اطاعت کی خوشبو سے معطر ہو جائیں گے۔

صدقہ؛ ذریعۂ نجات

اس کے بعد حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اعلان فرمایا:

وَاَمَرَكُمْ بِالصَّدَقَةِ وَمَثَلُ ذٰلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ اَسَرَهُ الْعَدُوُّ فَاَوْثَقُوْا يَدَهُ اِلٰى عُنُقِهِ وَقَرَّبُوْهُ لِيَضْرِبُوْا عُنُقَهُ فَجَعَلَ يَقُوْلُ: هَلْ لَكُمْ اَنْ	اور اللہ تعالیٰ تمہیں صدقہ وخیرات کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اس کی مثال اس شخص کے مانند ہے جس کو دشمن نے گرفتار کر کے اس کے ہاتھ گردن تک باندھ دئے ہوں اور اس کی گردن

اُفْدِیَ نَفْسِیْ مِنْکُمْ وَجَعَلَ یُعْطِیْ الْقَلِیْلَ وَالْکَثِیْرَ حَتّٰی فَدیٰ نَفْسَهٗ.

مارنے کی تیاری ہو، پس یہ محبوس شخص اپنی جان کا فدیہ پیش کرنے لگے اور تھوڑا اور زیادہ مال دے کر اپنی جان چھڑا لے (اسی طرح قیامت میں صدقہ کی بدولت جہنم سے گلوخلاصی ہوگی)

بلاشبہ صدقہ کی وجہ سے آدمی آخرت میں اپنے کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا سکے گا۔ ایک روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو آدمی اس پر قدرت رکھے کہ اپنے آپ کو جہنم سے پردے میں رکھے اگرچہ ایک کھجور کے ٹکڑے کے ذریعہ ہی ہو تو اسے ضرور ایسا کر لینا چاہئے''۔ (بخاری شریف: ۶۵۳۹، الترغیب والترہیب: ۱۲۹۳)

اور ایک روایت میں پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ: ''صدقہ خیرات اللہ تعالیٰ کے غصہ کو اس طرح ٹھنڈا کر دیتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھا دیتا ہے''۔ (ترمذی شریف: ۲۶۱۵، الترغیب والترہیب: ۱۲۹۹)

انہی احادیث کی بنا پر سلف صالحین نفلی صدقات کا بہت اہتمام کیا کرتے تھے۔ چناں چہ ایک جلیل القدر تابعی حضرت مرثد ابن ابی عبداللہ الیزنیؒ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ ہر نماز میں سب سے پہلے مسجد میں تشریف لایا کرتے تھے اور آپ کا معمول تھا کہ جب بھی مسجد میں جانے کے لئے نکلتے تو اپنی جیب اور آستین میں کوئی نہ کوئی چیز صدقہ کے لئے ضرور ڈال لیتے، خواہ پیسے ہوں یا روٹی ہو، یا گیہوں وغیرہ ہو، حتی کہ بعض مرتبہ دیکھا گیا کہ آپ پیاز رکھے چلے آ رہے ہیں، تو عرض کیا گیا کہ حضرت! اس سے تو آپ کے کپڑے میں بو آ جائے گی، تو آپ نے فرمایا کہ میں نے ایک صحابی رسول کے واسطے سے پیغمبر علیہ السلام کا یہ ارشاد مبارک سنا ہے کہ: ''قیامت کے دن مؤمن اپنے صدقہ کے سایہ میں ہوگا''۔ (اس بنا پر میں صدقہ دے کر اپنے لئے سایہ کا انتظام کرنا چاہتا ہوں اور آج گھر میں پیاز کے علاوہ کوئی صدقہ کے قابل چیز نہ آئی؛ اس لئے پیاز ہی لے آیا) (الترغیب والترہیب: ۱۳۰۷)

اس لئے ضروری ہے کہ ہر مسلمان فرض زکوٰۃ (اگر اس پر فرض ہو) کے علاوہ گاہے بگاہے نفلی صدقات اور عطایا دینے دلانے کا بھی اہتمام کیا کرے، ہوسکتا ہے دنیا میں اس عمل کا اصل فائدہ نہ دکھائی دے؛ لیکن آخرت میں جب نفسا نفسی پڑی ہوگی تو یہ صدقہ بہت کام آئے گا اور اس

وقت اس کی قدر معلوم ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو خیر کی توفیق سے نوازیں، آمین۔

ذکر خداوندی؛ محفوظ قلعہ

اور آخری بات حضرت یحییٰ علیہ السلام نے یہ بیان فرمائی:

وَاَمَرَکُمْ بِذِکْرِ اللّٰہِ کَثِیْراً وَمَثَلُ ذٰلِکَ کَمَثَلِ رَجُلٍ طَلَبَہُ الْعَدُوُّ سِرَاعاً فِیْ اِثْرِہٖ حَتّٰی اَتٰی حِصْنًا حَصِیْناً فَاَحْرَزَ نَفْسَہُ فِیْہِ وَکَذٰلِکَ الْعَبْدُ لَا یَنْجُوْ مِنَ الشَّیْطَانِ اِلَّا بِذِکْرِ اللّٰہِ. (رواہ الترمذی: ۲۸۶۳ وغیرہ، الترغیب: ۲۳۲۰)

اور اللہ تعالیٰ نے تم کو کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے کا حکم دیا ہے، اور ذکر کی مثال ایسی ہے جیسے کسی آدمی کے پیچھے اس کا تیز رفتار دشمن لگ گیا ہو، پھر وہ شخص کسی مضبوط اور محفوظ قلعہ میں پہنچ کر اپنے کو دشمن سے بچالے، اسی طرح آدمی صرف اللہ کے ذکر کے ذریعہ ہی شیطان کے شر سے بچ سکتا ہے (اس کے بغیر نہیں بچ سکتا)

زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر مبارک ایسی عظیم نعمت ہے جس کی بدولت انسان آخرت میں اعلیٰ سے اعلیٰ درجات سے نوازا جائے گا، اور دنیا میں شیطان لعین کی ریشہ دوانیوں اور فتنہ سامانیوں سے محفوظ رہے گا۔ ایک روایت میں وارد ہے کہ: ''شیطان آدمی کے دل میں اپنی سونڈ رکھے رہتا ہے، پس اگر وہ اللہ کے ذکر میں مشغول ہو تو وہاں سے اپنی سونڈ ہٹا لیتا ہے اور اگر آدمی اللہ کی یاد سے غافل ہو تو اس کا دل اپنے منہ میں رکھ لیتا ہے، یعنی اپنے وساوس اور واہی تباہی خیالات دل میں بھر دیتا ہے''۔ (بیہقی فی شعب الایمان: ۵۴۰، الترغیب: ۲۳۲۸)

اس لئے ہر مسلمان کو کثرت سے اللہ کا ذکر کرتے رہنا چاہئے، اور ہماری زبانیں اٹھتے بیٹھتے اور چلتے پھرتے اللہ تعالیٰ کے مبارک ذکر میں تر رہنی چاہئیں۔ ایک شخص نے پیغمبر علیہ السلام کے پاس آکر عرض کیا کہ حضرت! دین کے بہت سے مسائل میرے سامنے آچکے، اب کوئی ایسی بات مجھے بتادیجئے جس پر میں مضبوطی سے عمل پیرا ہوسکوں، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نصیحت فرمائی کہ: ''تمہاری زبان برابر اللہ کے ذکر میں تر بتر رہنی چاہئے''۔ (ترمذی شریف: ۳۳۷۵

وغیرہ، الترغیب: ۱۱۲۳) اور بھی بہت سے احادیث شریفہ میں کثرت سے ذکراذکار کرنے کے فضائل اور ترغیبات وارد ہوئی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ذکر کا اس قدر فائدہ ہے کہ زبان سے اس کی تفصیل بیان نہیں کی جاسکتی، بعض روایات میں ہے کہ اہل جنت کو اگر کوئی غم ہوگا تو صرف یہ ہوگا کہ دنیا میں خالی لمحات ذکر سے خالی کیوں گذر گئے، وہاں جب ایک ایک مرتبہ سبحان اللہ اور الحمد للہ کہنے کا عظیم ثواب نظر آئے گا جب اس کی قدر معلوم ہوگی۔

مگر آج افسوس کا مقام ہے کہ ہم اپنے بیشتر اوقات فضول اور لغو گفتگو، جھک بازیوں اور واہیات مشاغل میں ضائع کردیتے ہیں، اور ہمیں ان عظیم نقصانات کا احساس تک نہیں ہوتا، بالخصوص سفر کے دوران ’’ٹائم پاس کرنے‘‘ کے بہانے سے یا تو مخرب اخلاق ناولوں اور میگزینوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے، یا گانے وغیرہ سن کر اوقات کو برباد کیا جاتا ہے۔ حالاں کہ ان خالی اوقات کو تسبیحات یا قرآنِ کریم کی تلاوت یا دینی کتابوں کے مطالعہ وغیرہ میں لگا کر کارآمد بنایا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ جبھی ہوگا جب ہمیں آخرت کی زندگی کی فکر ہوگی، اور دنیا کی نام نہاد لذت کوشیوں کے مقابلہ میں آخرت کی راحتوں کے حصول کا داعیہ دل میں ہوگا۔ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ شیطان لعین پوری انسانیت کا دشمن ہے، وہ ہمیں ہمارے رب سے دور کرکے اس کی رحمت سے محروم کردینا چاہتا ہے، اس کی یہ سازش اسی وقت ناکام ہوگی جب ہم کثرت سے اللہ کی یاد اور اس کے ذکر میں مشغول رہیں۔ ذکر اللہ ہی شیطان کے مقابلہ کے لئے تیر بہدف نسخہ ہے، اس سے ہرگز غفلت نہ برتنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق سے نوازیں اور ذکر کی حلاوت اور برکات سے سرفراز فرمائیں۔ آمین۔

(ندائے شاہی ستمبر ۲۰۰۸ء)

چند زریں نصیحتیں

سیدنا حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ خاندانِ نبوت کے چشم وچراغ ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کے مبارک سینہ کو علم وحکمت اور معرفت سے معمور فرمایا تھا، عبادت وریاضت، حسن اخلاق اور شرافت وانسانیت کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز تھے، آپ کی مجلسیں حکمت ریز اور آپ کی صحبتیں انقلاب انگیز ہوتی تھیں، نہ صرف عوام؛ بلکہ امت کے ممتاز علماء، فقہاء اور محدثین آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر استفادہ فرماتے تھے، اور آپ کے معرفت پر مبنی ارشادات کو محفوظ فرماتے تھے۔ اسی سلسلہ کا واقعہ منقول ہے کہ مشہور فقیہ اور محدث حضرت سفیان ثوریؒ ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: ''اے رسول اللہ کے نور نظر! مجھے کچھ نصیحت فرمائیے! تو حضرت جعفر صادقؒ نے فرمایا کہ سفیان! یاد رکھو:

(۱) جھوٹا شخص مروت سے محروم ہوتا ہے [لَا مُرُوْئَةَ لِكَذُوْبٍ] ــــ یعنی جو شخص جھوٹ بولنے کا عادی ہو اس میں حیا اور مروت نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی، جب چاہتا ہے جو چاہے بول دیتا ہے اور اسے قطعاً احساس نہیں ہوتا کہ اس سے کیا نقصان ہوگا؟

(۲) حاسد شخص کبھی چین سے نہیں رہتا [لَا رَاحَةَ لِحَسُوْدٍ] ــــ یعنی جو شخص دوسرے کی کسی خوبی پر حسد یا جلن کا شکار ہو اس کو کبھی دلی سکون اور چین نصیب نہیں ہوسکتا؛ بلکہ ہمہ وقت وہ دلی کڑھن اور الجھن میں مبتلا رہے گا۔

(۳) ترش رو شخص دوستی کے قابل نہیں [وَلَا اِخَاءَ لِمَلُوْلٍ] ــــ یعنی جو شخص ترش رو اور اکھڑ مزاج ہو اور بے تکلفی اور بشاشت وانبساط سے محروم ہو، اس سے دوستی برقرار نہیں رکھی جاسکتی اور اس کے ساتھ گذارا کرنا بہت مشکل کام ہے۔

(۴) بد اخلاق آدمی قیادت کے لائق نہیں [وَلَا سُؤْدَدَ لِسَيِّءِ الْخُلُقِ] ــــ یعنی جو آدمی اخلاق حسنہ سے عاری ہو وہ کسی اجتماعی کام کی قیادت نہیں کرسکتا؛ اس لئے کہ اجتماعی کام میں

بہت سے متضاد صفت کے لوگوں کو جوڑنے اور بڑے صبر و تحمل سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے، اور جو شخص ان ناگوار امور کے تحمل کی صلاحیت نہ رکھتا ہو وہ اجتماعی ذمہ داری بحسن و خوبی نبھا نہیں سکتا۔

یہ سن کر حضرت سفیانِ ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے مزید نصیحت کرنے کی درخواست کی، تو حضرت جعفر صادقؒ نے فرمایا کہ:

(۱) ''سفیان! اللہ کی حرام کردہ باتوں سے رک جاؤ تو تم پل صراط بآسانی پار کر جاؤ گے'' —— یعنی جو شخص یہ چاہے کہ آخرت میں پل صراط سے اس کا گذر بلا کسی خوف و خطر کے بسہولت ہو جائے تو اسے چاہیے کہ اپنے کو گناہوں سے بچانے کا خاص اہتمام کرے، گناہوں سے بچے بغیر آدمی خطرہ سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

(۲) ''اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے جو روزی مقرر فرمادی ہے اسی پر خوش رہو تو تم کامل مسلمان ہو جاؤ گے'' —— یعنی سچا مسلمان (فرماں بردار) وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر دل سے راضی رہے اور شکوے شکایت کا خیال زبان پر نہ لائے۔

(۳) ''اور کسی فاجر گنہ گار کی صحبت مت اختیار کرو؛ اس لئے کہ وہ تمہیں بھی بد عملی کے راستہ پر لگادے گا'' —— کیوں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''آدمی اپنے دوست کے ہی نظریات پر سمجھا جاتا ہے؛ اس لئے ہر آدمی غور کرے کہ وہ کس کو دوست بنا رہا ہے''؟ —— یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ انسان جیسی صحبت اختیار کرتا ہے ویسا ہی رنگ اس پر چڑھ جاتا ہے اور کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں تو بہت پارسا ہوں، مجھے کون بگاڑ سکتا ہے؛ اس لئے کہ انسان کی فطرت یہ ہے کہ وہ اپنے ساتھی کے اثرات سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہتا؛ اس لئے کسی شخص کو بھی بد عمل اور فاسق و فاجر لوگوں کی صحبت اختیار نہیں کرنی چاہیے، ورنہ یقیناً اس کو دنیا اور آخرت میں اس کا نقصان اٹھانا پڑے گا۔

(۴) ''اور اپنے معاملات میں ہمیشہ ایسے لوگوں سے ہی مشورے لیا کرو جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہوں'' —— اس لئے کہ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہو وہی بے لاگ صحیح مشورہ دے سکتا ہے، اور جس کا دل خوفِ خدا سے عاری ہو وہ یا تو محض جی حضوری کرے گا یا اپنے مفاد کو پیشِ نظر رکھ کر غلط مشورے دے گا، حالاں کہ حدیث میں وارد ہے کہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد

فرمایا: **اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ.** (فیض القدیر عن الترمذی ۳۳۰/۶) یعنی جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہوتا ہے؛ لہٰذا اسے پوری دیانت کے ساتھ صحیح مشورہ دینا چاہئے خواہ وہ مشورہ لینے والے کی معلوم رائے کے خلاف ہی کیوں نہ ہو؛ بلکہ مخلص مشیر کی علامت ہی یہ ہے کہ وہ برملا اپنی رائے ظاہر کردیتا ہے اور کسی کی خوشی ناخوشی کا لحاظ نہیں کرتا۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے عرض کیا کہ ''حضرت! کچھ اور نصیحت فرمایئے''۔ تو حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ''جو شخص خاندان اور قبیلہ کے بغیر عزت ووقعت، اور حکومت وسلطنت کے بغیر رعب داب کا طالب ہو، تو اسے چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ذلت سے نکل کر اللہ رب العزت کی اطاعت شعاری اختیار کرلے''۔ یعنی گناہوں اور نافرمانیوں سے پرہیز کرنے والا شخص قدرتی طور پر لوگوں کی نظروں میں باعزت اور باوقعت بن جاتا ہے، اور اس کی ہیبت لوگوں کے دلوں میں بیٹھ جاتی ہے، جب کہ گنہ گار شخص لوگوں کی نظر میں بھی ذلیل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بھی دور ہوتا ہے، اس لئے جو شخص بھی عزت کا طالب ہو اسے سب سے پہلے مرحلہ میں نافرمانی کا ذلت ناک طوق اپنی گردن سے اتارنا پڑے گا۔

اس کے بعد حضرت سفیان ثوریؒ کی طرف سے مزید نصیحت فرمانے کی درخواست پر حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ گویا ہوئے کہ مجھے میرے والد محترم (حضرت محمد بن علیؒ) نے تین آداب سکھائے تھے:

(۱) ''میرے بیٹے! جو غلط صحبت میں پڑے گا وہ کبھی برائی سے محفوظ نہ رہے گا'' —— یعنی کبھی نہ کبھی اور کسی نہ کسی درجہ میں برائی کے اثرات اس میں ضرور داخل ہوجائیں گے، اور بچنے کی خواہش کے باوجود وہ بچ نہ پائے گا۔

(۲) ''اور جو برائی کی جگہوں پر آنا جانا رکھے گا وہ متہم ضرور ہوجائے گا'' —— یعنی گناہوں کی جگہوں پر آمد ورفت کی بنا پر وہ لوگوں کی نظر میں تہمت سے نہیں محفوظ رہ پائے گا۔ اسی بنا پر امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

مَنْ عَرَّضَ نَفْسَهُ لِلتُّهْمَةِ فَلَا يَلُوْمَنَّ مَنْ اَسَاءَ بِهِ الظَّنَّ. (کشف الخفاء ۳۷/۱)	جو شخص اپنے کو تہمت کی جگہ پر پیش کرے تو وہ اپنے سے بدگمانی کرنے والے کو ہرگز ملامت نہ کرے۔

بالخصوص دینی اعتبار سے مقتدا حضرات کے لئے یہ نصیحت گرہ سے باندھ لینے کے قابل ہے؛ کیوں کہ ان کی تہمت زدگی اور بے وقعتی سے صرف وہی متہم نہیں ہوتے؛ بلکہ ان کے حوالہ سے پورا دین نشانہ پر آجاتا ہے۔

(۳) اور تیسری بات یہ فرمائی کہ: ''جو شخص اپنی زبان قابو میں نہ رکھے وہ بعد میں ضرور شرمندہ ہوگا''۔ (الزواجر عن اقتراف الکبائر لابن حجر المکی ۱/۲۸)

یہ بات بھی حقیقت کے بالکل مطابق اور تجربات کی روشنی میں سو فیصد صادق ہے کہ زبان کی بے احتیاطی کا انجام ہمیشہ ندامت اور شرمندگی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، وقتی طور پر آدمی اپنی زبان سے کتنی ہی بھڑاس نکال لے؛ لیکن بعد میں جب بھی غور کرے گا تو اس کا ضمیر یقیناً اسے اس بے احتیاطی پر ملامت کرے گا، اس کا واحد علاج یہی ہے کہ آدمی پہلے ہی سے صبر وتحمل اور حوصلہ سے کام لے اور زبان کو بے قابو نہ ہونے دے۔

درج بالا نصیحتوں میں ہر ایک نصیحت آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے، ہمیں چاہئے کہ ہم انہیں بار بار غور سے پڑھیں اور ایک ایک نصیحت پڑھتے وقت اپنی زندگی اور اپنے اعمال واخلاق، اور دلی جذبات وکیفیات کا محاسبہ وموازنہ کرتے رہیں۔

دنیا میں کوئی بھی شخص کمزوری اور عیب سے خالی رہنے کا دعویٰ نہیں کرسکتا اور جو شخص اپنے کو بے عیب سمجھتا ہو وہ محض جہالت اور خام خیالی اور خوش فہمی میں مبتلا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ، هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ اتَّقٰى. (النجم)

اور اپنے آپ کو پارسا مت سمجھو، اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ کون متقی ہے۔

لہٰذا کسی بھی انسان کو کبھی بھی اپنے محاسبہ سے غافل نہیں رہنا چاہئے؛ بلکہ محاسبہ کرکے اپنی کمزوریوں کو بالا رادہ دور کرنے اور غلطیوں سے سچی توبہ کا اہتمام کرتے رہنا چاہئے، ایسا ہی شخص دنیا اور آخرت میں کامیابی سے ہم کنار ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی کوتاہیاں معاف فرمائیں، اور دارین کی صلاح وفلاح سے سرفراز فرمائیں۔ آمین۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۸ء)

اصلاحِ معاشرہ کی ضرورت اور اُس کا

طریقۂ کار

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد:

معاشرہ کی اصلاح اور منکرات پر نکیر ہر مسلمان بالخصوص علماء کرام اور ائمۂ مساجد کی دینی اور منصبی ذمہ داری ہے، معاشرہ کی اصلاح کے بغیر مسلمانوں کے لئے عزت وعافیت کی امید رکھنا محض فریب ہے، جمعیۃ علماء ہند اور دیگر ملی تنظیمیں جو مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور ترقی کے لئے کوشاں ہیں ان کے دائرۂ کار میں اصلاح معاشرہ کی تحریک بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ ذیل میں اصلاح معاشرہ کے کام کو مؤثر بنانے کے لئے کیا کیا چیزیں ضروری ہیں ان کے بارے میں کچھ اشارات ذکر کئے جارہے ہیں:

(۱) فرد کی اصلاح

جو شخص بھی اصلاحی تحریک لے کر کھڑا ہو وہ اس وقت تک ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک کہ خود اپنی ذات پر اصلاح کے اثرات نمایاں نہ کرلے، اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں کو معصومیت یعنی گناہوں سے محفوظ رہنے کی صفت سے سرفراز فرمایا ہے، تاکہ جب وہ دعوتی میدان میں جائیں تو کوئی ان کی ذاتی زندگی پر انگلی نہ اٹھا سکے۔ نبی اکرم ا کی نبوت سے پہلے چالیس سالہ حیات طیبہ ایسی پاکیزہ تھی کہ قرآنِ کریم میں اسے بطور شہادت بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے: ﴿فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُراً مِّنْ قَبْلِهٖ أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ. (یونس ۱۶)﴾ (کیوں کہ میں رہ چکا ہوں تم میں ایک عمر اس سے پہلے کیا پھر تم نہیں سوچتے) اس لئے سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اصلاح کرنے والے افراد اپنے قول وعمل میں مکمل مطابقت کی کوشش کریں اور تضاد روی سے بچتے رہیں، اس لئے

کہ یہ تضاد روی اصلاح معاشرہ کی تحریک کے لئے سب سے زیادہ نقصان دہ گویا کہ سم قاتل ہے۔ بالخصوص جو حضرات بفضل خداوندی دینی وملی جماعتوں اور اداروں کے ذمہ دارانہ مناصب پر فائز ہیں انہیں حد درجہ محتاط رہنے اور تہمت کے مواقع سے بچنے کی ضرورت ہے۔ بہتر ہے کہ کسی متبع سنت شیخ کامل سے اصلاح کا تعلق قائم کر کے ان کی ہدایات پر عمل کریں تو انشاء اللہ اصلاح کی زیادہ امید ہوگی۔ ہماری طبعیت میں ایسا اعتدال اور انصاف پسندی کا جذبہ ہونا چاہیئے کہ اگر کوئی شخص ہماری کسی بات پر اعتراض کرے تو ہم اس پر غیظ وغضب کے اظہار کے بجائے اپنی زندگی کا جائزہ لیں، اور اگر کہنے والے کی بات بجا ہو تو اسے قبول کرنے میں دریغ نہ کریں۔

(۲) گھر کی اصلاح

اپنی اصلاح کے بعد دوسرا مرحلہ اپنے گھرانے کی اصلاح کا آتا ہے یعنی جو لوگ ہمارے ماتحت ہیں خواہ وہ بیوی ہو، یا بچے ہوں، یا اور قریبی اعزہ ہوں ہماری کوشش ہونی چاہیئے کہ وہ سب اولین اصلاح قبول کرنے والوں میں شامل ہوں۔ چناں چہ جناب رسول اللہ اکو اللہ تعالی نے حکم دیا: ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ. (الشعراء: ٢١٤)﴾ (اور ڈر سنائیے اپنے قریب کے رشتہ داروں کو) اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر آدمی خود داعی ہو لیکن اس کے گھر والوں میں منکرات پائے جائیں تو عام لوگ اس کی دعوت کو قبول نہیں کریں گے۔

(۳) عوامی اصلاح

اس کے بعد ہماری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ پورا مسلم معاشرہ منکرات سے بچ جائے اور منکرات خواہ انفرادی ہوں یا اجتماعی ان سب پر نکیر کرنے کی ضرورت ہے، عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ تحریک اصلاح معاشرہ کا تعلق صرف شادی بیاہ کی رسومات سے ہے حالاں کہ یہ سمجھنا درست نہیں ہے، منکر بہر حال منکر ہے خواہ وہ تقریبات میں ہو، معاشرت میں ہو، معاملات میں ہو یا عبادات میں ان سب میں اصلاح کی ضرورت ہے۔

جس طرح سرکاری محکمۂ صحت کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ شہر میں نگاہ رکھے اور جو وبائی مرض پھیل رہا ہو یا جس مرض کے پھیلنے کا خطرہ ہو اس کے سد باب کے لئے فوری طور پر دوا اور علاج اور احتیاطی تدابیر اپنانے کا اعلان کرے۔ اسی طرح ہر علاقہ اور شہر کے علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ آبادی میں پھیلنے والے منکرات پر نگاہ رکھیں اور ایک ایک منکر کو معاشرہ سے مٹانے کے لئے مناسب تدبیریں اور اسباب اختیار کریں، ورنہ معاشرہ اخلاقی اور روحانی اعتبار سے تباہ اور برباد ہوجائے گا۔ اس دین کی بقا کا مدار ہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر ہے، اگر اس کام کو جاری نہ رکھا جائے تو امت کبھی بھی عافیت سے نہیں رہ سکتی۔ اب اصلاح کے کیا طریقے اپنائے جائیں یہ بات قابل غور ہے اس سلسلہ میں بنیادی بات تو یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی فکر کو اپنے اوپر اوڑھ لیتا ہے تو اس کے لئے کام کرنے کے دروازے خود بخود کھلتے چلے جاتے ہیں۔ یہی حال اصلاح معاشرہ کی تحریک کا بھی ہے کہ اس کے لئے کوئی خاص طریقہ شرعی طور پر متعین نہیں ہے بلکہ جب اور جس موقع پر جو صورت مناسب ہو اسے اختیار کیا جاسکتا ہے، تاہم اس راہ میں جو طریقے تجربہ سے مفید ثابت ہوئے ہیں ان کو ذیل میں ذکر کیا جارہا ہے:

(۱) درسِ قرآنِ کریم

اللہ کی کتاب قرآنِ مقدس سے زیادہ ہدایت کی تاثیر کسی چیز میں نہیں پائی جاتی، اس لئے علماء کو چاہئے کہ وہ مساجد میں درسِ قرآن کا سلسلہ ضرور جاری کریں اس کا نفع عام اور تام ہے، خود درس دینے والا اس کے مبارک اثرات کو محسوس کرسکتا ہے اور اس کے سامعین خواہ مختصر ہی کیوں نہ ہوں لیکن وہ اثر قبول کئے بغیر نہیں رہتے۔ قرآنِ پاک کا مخصوص اندازِ تعبیر دلوں کی بند کھڑکیوں کو کھولنے میں سب سے زیادہ اثر رکھتا ہے، اور اس کی بے لاگ لپٹ ضمیر کو جھنجوڑنے والی آیتیں منٹوں سکنڈوں میں دل کی دنیا بدل دیتی ہیں، اور اہل ایمان کے دلوں میں ایمانی حلاوت اور چاشنی میں اضافہ کا سبب بنتی ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ　　　ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ کا نام آئے تو

وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيَاتُهٗ زَادَتْهُمْ إِيْمَاناً. (الأنفال : ۲)

ان کے دل ڈر جائیں اور جب ان پر اللہ کا کلام پڑھا جائے تو ان کا ایمان زیادہ ہو جائے۔

(۲) درس حدیث شریف

ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے امت کے لئے ایسی قیمتی ہدایات دی ہیں جن پر عمل کر کے دینی و دنیوی فلاح حاصل کی جاسکتی ہے اس لئے جا بجا درس حدیث کا سلسلہ بھی جاری کرنا چاہئے۔اس میں یا تو کسی کتاب مثلاً ریاض الصالحین یا مشکاۃ شریف کو سامنے رکھ کر بالترتیب درس دیا جائے، یا پھر حالات کے اعتبار سے احادیث منتخب کر کے گفتگو کی جائے۔

(۳) اصلاحی جلسے

تجربہ سے یہ ثابت ہوا ہے کہ موجودہ دور میں منکرات پر نکیر کے لئے عمومی انداز میں اصلاحی بیانات کا سلسلہ جاری رکھنا بھی مفید ہے، اور بہتر یہ ہے کہ یہ جلسے صرف مساجد میں نہ ہو کر میدانوں اور پبلک مقامات پر رکھے جائیں؛ تا کہ وہ طبقہ جو مساجد سے دور ہے اس کے کانوں میں بھی آواز پہنچے۔

(۴) نوجوانوں کی خصوصی میٹنگیں

اس دور میں نوجوان طبقہ منکرات وفواحش میں سب سے زیادہ مبتلا ہے اس لئے خاص طور پر ہر ہر محلّہ میں اور بستی میں نوجوانوں کو جوڑ کر ان سے گفتگو کرنے کی ضرورت ہے، الحمد للہ اس سلسلہ کے بھی مفید اثرات ہم نے محسوس کئے، اور اندازہ ہوا کہ ہزار خرابیوں کے باوجود ہمارے نوجوان بات کو سمجھنے کے لئے تیار ہیں بس ان پر محنت کرنے اور انہیں مانوس کرنے کی ضرورت ہے۔

(۵) اصلاحی کمیٹیاں

علاقہ کے بااثر افراد علماء، ائمہ اور نوجوانوں کو جوڑ کر اصلاحی کمیٹیوں کی تشکیل اور پھر ان کی سرگرمیوں کی نگرانی بھی ایک اہم کام ہے، جہاں جہاں بھی اس سلسلہ میں محنت ہوئی ہے اس کے اچھے اثرات سامنے آئے ہیں۔

(۶) ہفتہ واری اجتماعات

اصلاحی کام کو مسلسل جاری رکھنے کے لئے ہفتہ واری اصلاحی اجتماع کا تجربہ بھی کامیاب ثابت ہوا ہے اس اجتماع میں پورے شہر کا جوڑ رکھا جائے اور مختصر وقت میں حالات کی مناسبت سے اصلاحی گفتگو کی جائے تو لوگ اسے بآسانی قبول کرتے ہیں۔ الحمد للہ شہر مراد آباد میں یہ سلسلہ پانچ چھ سال سے بلا ناغہ جاری ہے، ہر جمعہ کو مغرب کے بعد جامع مسجد میں آدھے گھنٹہ کا اجتماع ہوتا ہے جس میں مقررہ نظام کے مطابق شہر کے کسی عالم کا خطاب ہوتا ہے اور اس میں سینکڑوں لوگ شریک ہوتے ہیں۔

(۷) جمعہ کے بیانات

الحمد للہ جمعہ کی نماز میں مساجد میں بڑا اجتماع ہوتا ہے، اس اجتماع کو مزید مفید بنانے کے لئے اس موقع پر مختصر اصلاحی گفتگو بڑے بڑے جلسوں سے زیادہ فائدہ مند ثابت ہوتی ہے؛ اس لئے علماء اور ائمہ کو چاہئے کہ وہ آسان اور مثبت انداز میں جمعہ کی اذان ثانی سے پہلے یا نماز کے بعد مستند اصلاحی بیانات کا سلسلہ جاری رکھیں۔

(۸) خواتین کے اجتماعات

گاہے بگاہے مختلف محلوں میں خواتین کے اجتماعات سے بھی اصلاحی ماحول بنانے میں مدد ملتی ہے؛ لیکن ضروری ہے کہ پردہ کا معقول انتظام ہو اور بیان کرنے والا کوئی مستند عالم ہو۔

(۹) انسداد منکرات مہم

عام اصلاحی پروگراموں میں تو عمومی انداز میں سب منکرات پر روشنی ڈالی جاتی ہے لیکن جب کوئی منکر اور گناہ زیادہ تیزی سے پھیلنے لگے تو خاص اس گناہ کے سد باب کے لئے اسی کو عنوان بنا کر کوشش کرنی چاہئے۔ مثلاً شعبان کے مہینہ میں بہت سی جگہوں پر آتش بازی کا رواج ہے تو اس رسم بد کو مٹانے کے لئے مستقل مہم چلائی جائے، اسی طرح آج کل فحاشی اور عریانیت بڑھتی جارہی ہے تو اس کے سد باب کے لئے ”انسداد فحاشی مہم“ جا بجا چلانے کی ضرورت ہے۔ اس مہم کے

دوران عمومی اور خصوصی میٹنگیں کی جائیں، اسکول اور کالجوں میں اصلاحی پروگرام رکھے جائیں اور مختلف زبانوں میں مؤثر پمفلٹ شائع کئے جائیں اور انہیں گھر گھر پہنچانے کی کوشش کی جائے۔

(۱۰) اصلاحی لٹریچر کی اشاعت

گھروں میں دینی ماحول بنانے کے لئے موجودہ دور میں لٹریچر بھی بہت ضروری ہے، چھوٹے چھوٹے پمفلٹ، کتابچے چھاپ کر مناسب قیمت میں انہیں لوگوں تک پہنچانا چاہئے۔

(۱۱) انفرادی اصلاح کی جدوجہد

اجتماعی جدوجہد کے ساتھ انفرادی ملاقاتوں اور اپنے ہم جنسوں کی ذہن سازی بھی ایک اہم کام ہے اس سے بھی غافل نہیں رہنا چاہئے اور اس کا کوئی ضابطہ مقرر نہیں ہے بس یہ خیال رہے کہ اس میں تحقیر یا تشدد کا عنصر شامل نہ ہو، بلکہ شفقت اور خیرخواہی کا جذبہ غالب رہے۔

مذکورہ بالا امور کو سامنے رکھ کر اگر دل جمعی تسلسل اور خلوص سے محنت کی جائے گی تو انشاء اللہ اس کے اثرات ضرور سامنے آئیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ **و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔**

(ندائے شاہی ستمبر ۲۰۰۵ء)

بدنگاہی سے بچنے کا نایاب نسخہ

عارف باللہ حضرت صوفی عبدالرب صاحب کا ایک اہم مکتوب گرامی

بدنظری شیطان کے زہر میں بجھے ہوئے تیروں میں سے ایک تیر ہے، جس سے وہ انسانوں کا شکار کرتا ہے، اور جو شخص بدنظری کی چسک میں مبتلا ہو جاتا ہے اس کا دل ایمانی حلاوت سے محروم کر دیا جاتا ہے، اور طرح طرح کے گندے خیالات اس کے دل میں جگہ پکڑ لیتے ہیں۔ یہ ایسا خفیہ مرض ہے جس پر دوسرے لوگ مطلع نہیں ہو پاتے؛ اس لئے بظاہر آدمی پارسا اور متقی بنا رہتا ہے؛ لیکن اندر اندر اس کا باطن سیاہ ہو جاتا ہے، اور رب العالمین علیم وخبیر کی نظر میں وہ شخص ذلیل قرار پاتا ہے؛ اس لئے ہر مسلمان کو اپنی نگاہ کی حفاظت پر خاص توجہ دینی چاہئے۔ نگاہ میں احتیاط کئے بغیر آدمی ہرگز متقی نہیں بن سکتا، اور اس دور میں جو شخص اپنی نظر پر قابو پالے وہ یقیناً ولایت کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہو سکتا ہے۔ معروف عالم دین حضرت مولانا محمد ہاشم ابن حسن جوگواڑی زید مجدہم استاذ دارالعلوم بری مانچسٹر انگلینڈ خلیفہ حضرت شیخ الحدیث سہارن پوریؒ نے اس موضوع پر ایک اچھا رسالہ ترتیب دیا ہے، جس کا عنوان ہے: ''بدنظری کا علاج قرآن وحدیث کی روشنی میں''۔ اس کے آخر میں موصوف نے صاحب کشف بزرگ عارف باللہ حضرت صوفی عبدالرب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مکتوبِ گرامی نقل کیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے ذیل میں درج کر دیا جائے، جس کے مطالعہ سے انشاء اللہ اس مرض سے بچنے میں مدد ملے گی۔ ملاحظہ فرمائیں، مولانا ہاشم صاحب لکھتے ہیں:

''ایک دوست نے بتلایا کہ تقریباً ۲۰-۲۲ سال پہلے حضرت صوفی صاحب سفر حج کے سلسلہ میں بمبئی تشریف لائے اور چند روز قیام فرمایا، اپنے دوسرے اکابر کی طرح میں ان کی خدمت میں بھی حاضری کا اہتمام کرتا تھا۔ میرے بعض بزرگوں نے حضرت صوفی صاحب سے میرا تعارف بھی کرایا تھا، ایک دن تنہائی میں حضرت صوفی صاحب نے مجھ سے فرمایا: تمہارے بارے میں بڑا حسن ظن بھی ظاہر کیا ہے؛ لیکن میں اپنے دل میں تکدر محسوس کرتا ہوں، کیا بات ہے؟ پھر کئی

معصیتوں کا ذکر کیا، پھر آخر میں فرمایا: ''تمہارے اندر بدنگاہی تو نہیں ہے''، جب صوفی صاحب نے یہ فرمایا، تو میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور میں نے عرض کیا کہ واقعہ یہ ہے کہ میں اس بیماری میں بہت بری طرح مبتلا ہوں اور اس پر کسی طرح میرا قابو نہیں چلتا۔ صوفی صاحب نے کچھ پڑھا مجھے سینہ سے لگا کر دبایا اور توجہ دی اور دعا فرمائی، مجھے بالکل ایسا معلوم ہوا کہ وہ بیماری اس طرح نکل گئی جس طرح آٹے میں سے بال کھینچ لیا جائے، پھر مدت تک میرا یہی حال رہا اور میں اس بیماری سے بالکل محفوظ رہا۔ کئی سال کے بعد پھر وہی مرض پیدا ہو گیا، میں نے حضرت صوفی صاحب کو خط لکھا اور اپنی حالت عرض کی، اس کے جواب میں ان کا مفصل مکتوب آیا۔ مکتوب کا وہ حصہ جو مرض بدنگاہی سے متعلق ہے، ناظرین کرام بلفظہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

مرد اور عورت کے مابین جنسی میلان بالکل فطری چیز ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے بہت مصالح اور فوائد کے لئے بنایا ہے، مثلاً نسل کا چلنا، تمدن قائم ہونا، معاشرت کا درست ہونا، محبت کے جذبات کا لطف حاصل ہونا اور محبت کے فوائد کو دیکھنا، اور ان سب کو آخرت کے لئے اور اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص کرنے کی لیاقت پیدا کرنا۔ جب اس رجحان میلان کا غلط استعمال ہوتا ہے، تو نتائج بھی بالکل الٹے اور خوف ناک پیدا ہوتے ہیں، مثلاً نسل کا خراب ہونا، تمدن کے نظام کا درہم برہم ہونا، بے حیائی پیدا ہونا، معاشرت کا شر انگیز ہونا، شیطان کی حکومت کا قائم ہو جانا، اللہ تعالیٰ سے تعلق ختم ہو جانا اور اس کے برے نتائج دیکھنا وغیرہ وغیرہ۔ یوں تو ہر شخص بدنگاہی کو برا کہتا ہے؛ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ آیا یہ کہنا رسمی ہے یا حقیقی؟ اگر رسمی ہوگا تو اس سے کبھی نجات نہیں ملے گی اور اگر حقیقی ہوگا تو اس کی کبھی ہمت نہیں ہوگی، اور اگر اغواء شیطان سے ابتلا ہو گیا ہوگا تو جلد توبہ نصیب ہوگی، حقیقی حیثیت حاصل کرنے کی کچھ تدابیر ہیں اور آپ کو انہیں کی ضرورت ہے؛ اس لئے ان تدابیر کو درج ذیل کرتا ہوں:

(۱) اپنی بیوی کی صحت اور تندرستی کی حفاظت کیجئے۔

(۲) پوشاک زیورات اور آرائش سے اس کو اپنے لئے دیدہ زیب بنایئے۔

(۳) ادنیٰ درجہ کی بدنگاہی کی برانگیختگی پر اپنی بیوی سے خواہش پوری کر کے شیطانی تیروں کا ترکش خالی کر دیجئے۔

تنبیہ :- لیکن ان تینوں باتوں میں اس کا خیال رہے کہ یہ صرف نفسانی لہوولعب کی شکل اختیار نہ کرے اور شہوانی خواہشات ان باتوں کی طرف اس قدر متوجہ نہ ہوجائیں کہ دوسرے امور میں خلل پڑنے لگے۔

(۴) جس طرح ہر مرض مکروہ اور خوفناک ہوتا ہے اور سب مانتے ہیں؛ لیکن اگر اس مرض کی شکل مثالی دکھادی جائے، تو شاید ہمیشہ کے لئے اس سے نفرت پیدا ہوجائے۔ مثلاً ڈاکٹر کہتے ہیں کہ تپ دق کے کیڑے یعنی جراثیم الگ ہوتے ہیں، کوڑھ کے الگ، یہ بالکل صحیح ہے۔ بالکل اسی طرح ہر گناہ کے جراثیم الگ الگ رنگ اور قسم کے ہوتے ہیں اور ان کے مخصوص اثرات پیدا ہوتے ہیں۔

بدنگاہی بھی ایک مرض اور معصیت ہے اس کے جراثیم کی شکل دکھادینا میرے امکان میں نہیں ہے؛ لیکن ان کا کچھ بیان کئے دیتا ہوں۔ بدنگاہی کے ساتھ ہی کچھ جراثیم پیدا ہوجاتے ہیں۔ جو طرح طرح کے خوف ناک اثرات پیدا کرتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے معاصی کے جراثیم بنتے ہیں۔ جراثیم کے ساتھ کچھ خوف ناک گیس بھی بنتی ہے، بعض کی شکل دھوئیں کی ہوتی ہے، بعض کی شکل خون کی، بعض کی پیپ کی وغیرہ وغیرہ۔ پھر ایک بار جب یہ جراثیم اور زہر پیدا ہوجاتے ہیں، تو یہ برابر ترقی کرتے رہتے ہیں اور اپنا اثر ڈالتے رہتے ہیں، بعض گیس بینائی کو ضعیف کرتے ہیں۔ بعض زہر قلب کو کمزور کرتے ہیں اور بعض جراثیم کسی اور عضو کو نقصان پہنچاتے ہیں، حتی کہ زندگی بھر ان کے نقصانات چلتے رہتے ہیں، اور بندہ غافل رہتا ہے، خسارے طرح طرح کے ہوتے ہیں، اور بندے کی سمجھ میں نہیں آتا۔ احادیث میں اس کے اشارے موجود ہیں، مثلاً زنا سے قحط پڑتا ہے، طاعون آتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح بدنگاہی سے رزق کی تنگی، اولاد کی حرماں نصیبی اور دل کی پریشانی وغیرہ جیسی بلائیں لاحق ہوتی ہیں، ان سب کا جی لگا کر تصور باندھنا، خوب بار بار سوچنا، مراقبہ کرنا حقیقی حیثیت پیدا کرنے میں معین ہوگا۔ آپ کو چاہئے کہ جب ایسی برانگیختگی پیدا ہو تو اولین فرصت میں باوضو ہو کر نماز توبہ دو رکعت پڑھ کر توبہ کریں اور اس خبیث شیطانی مرض اور

معصیت کے دنیاوی اور اخروی نقصانات سوچیں، حتی کہ دل میں یہ بات بیٹھ جائے کہ یہ محض حماقت اور بے سود شغل ہے اور اس کے نقصانات بیش از بیش ہیں، اصل میں معصیت صدور پر مواخذہ ہوتا ہے؛ اس لئے کافی تو شرعاً اتنا بھی ہے کہ جب برانگیختگی پیدا ہو تو اس کو دبا دیا جائے اور اس کو نہ تو باقی رکھا جاوے اور نہ اس سے لطف اٹھایا جائے، اس پر عمل کیا جائے تو مواخذہ نہ ہوگا اور جراثیم اور زہر اور گیس پیدا نہ ہوں گے؛ لیکن مجاہدہ کر کے اس مرض کو ضعیف نہ کیا جائے تو برابر یہ کشمکش رہے گی؛ اس لئے صوفیائے کرام نے مجاہدات کو اختیار کیا اور کرایا ہے، بدنگاہی کا مرض مجاہدہ سے اس طرح بدل جاتا ہے اور دور ہو جاتا ہے کہ سوا اپنی منکوحہ کے دوسری غیر منکوحہ پر نظر پڑنے سے اندر سے متلی ہونے لگتی ہے اور گھن معلوم ہوتی ہے، اس کے لئے کوشش کرنا محض اس لئے ضروری ہے کہ آسانی سے راہ حق پر چلا جا سکے؛ اس لئے میں ان مجاہدات کا ذکر ذیل میں کرتا ہوں۔

(۱) راستہ چلتے وقت آنکھ سے صرف اس قدر کام لیا جائے جتنا راستہ دیکھنے کے لئے ضروری ہو ورنہ نگاہ کو نیچا رکھا جائے۔ راستہ چلنے سے پہلے اس کا ارادہ کیا جائے اور راستہ چلتے وقت اس پر عمل کیا جائے اور راستہ ختم ہو جانے پر اس کا جائزہ لیا جائے کہ آیا نظر نیچی رکھنا نصیب ہوا یا نہیں؟

(۲) اگر نظر نیچی رکھنا نہ نصیب ہوا، تو باوضو ہو کر دو رکعت نفل توبہ پڑھی جائے اور از سر نو پھر عہد کیا جائے حتی کہ آہستہ آہستہ چند روز میں یہ بات پیدا ہو جائے کہ راستہ چلتے وقت آنکھ نہ بہکے۔

(۳) راستہ چلتے وقت تسبیح رکھی جائے اور راستہ ہی کے لئے کوئی معمول مقرر کیا جائے مثلاً راستہ چلنا ہو تو استغفر اللہ کا ورد رکھیں یا ''لا الہ الا اللہ'' کا ورد رہے گا۔

(۴) اگر اجنبیہ یعنی غیر محرم عورت پر نظر پڑ جائے تو فوراً نظر نیچی کر کے اپنی ماں کی صورت کا تصور کرنا شروع کیا جائے اور جب تک دل اور نظر پاک نہ ہو جائے ماں کا تصور باقی رکھا جائے۔

(۵) اگر عمداً شرارت نفس یا اغوائے شیطانی سے غیر محرم کو دیکھنے کے لئے نظر اٹھائی جائے تو فوراً نظر نیچی کر کے جہنم کا تصور کیا جائے اور سوچا جائے کہ اس کی سزا میں آنکھوں میں سیسہ بھرا جا رہا ہے۔

(۶) جہنم کے تصور کے علاوہ جتنی مرتبہ نظر پڑے اتنے تازیانے اپنے ہاتھ سے تنہائی میں اپنی ننگی پیٹھ پر لگائے جائیں۔ ایک سوت کی دو گز کی رسّی کو دوہری کر کے جیب میں رکھیں اور اس کا نام تازیانہ شریعت رکھیں اور جب بدنگاہی ہوجائے، تو کسی قریب کی مسجد میں یا کسی تنہائی کی جگہ میں جا کر اپنی برہنہ پیٹھ پر تازیانے لگائیں، اور اگر کوئی تنہائی کی جگہ راستہ میں میسر نہ آئے، تو یہ عمل واپسی پر گھر میں کریں۔

(۷) جب بدنگاہی ہوجائے تو ہر بدنگاہی پر اتنی رکعتیں نفل بطور جرمانہ پڑھیں کہ نفس کو شاق ہو، مثلاً بیس رکعت۔

(۸) جب بدنگاہی ہوجائے تو ذیل کی عبارت اپنے کو اپنے نام سے مخاطب کر کے سنائیں: ''اے فلاں! تیرا نام اتنا بلند، مگر تیری حرکتیں ایسی پست، اے فلاں! تو مخلوق کے سامنے مولوی، مولانا بنا پھرتا ہے اور مخلوق سے نظر چرا کر زانیوں کی حرکتیں کرتا ہے، جو مخلوق سے پوشیدہ ہوتی ہیں؛ لیکن خالق پر آشکارا ہوتی ہیں۔ اے فلاں! تو تصوف اور سلوک پر مخلوق کے نزدیک گامزن ہے اور بزرگوں سے تعلق رکھتا ہے، اور تیرا اصل تعلق ان حرکتوں سے ہے جو جہنم تک پہنچانے والی ہیں۔ اے فلاں! تو ہوش وحواس رکھتا ہے؛ لیکن ایسی حماقت میں مبتلا ہے جو سراسر خسارے کا موجب ہے اور نفع مطلق نہیں، اے فلاں! تیری کیا اچھی تجارت ہے کہ ان حرکتوں کے سبب تو دنیا کے عذاب کما رہا ہے اور آخرت کا عذاب تیرا منتظر ہے، کیا تو اس وقت تک توبہ نہ کرے گا جب تک تو اس کام سے مجبور نہ ہوجائے؟ بس اب توبہ کر۔ میں امید کرتا ہوں کہ انشاء اللہ اس قدر تحریر اگر آپ غور سے پڑھیں گے اور اس پر عمل کریں گے تو یہ خبیث مرض باقی نہ رہے گا''۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو طہارت اور پاکیزگی ارزانی فرمائیں اور گندگیوں سے بچائیں، آمین۔

(ماخوذ از: بدنظری کا علاج ۱۴۵-۱۵۰)

(ندائے شاہی جنوری ۲۰۰۷ء)

❑❖❑

کامیاب اجتماعی زندگی

- تنبیہات
- چند قیمتی جواہر پارے
- باہمی ربط و تعلق کی روشن مثال
- اختلاف کا حل؛ ایثار
- خدام دین کی خدمت میں!

تنبیہات

آدمی کا حال یہ ہے کہ وہ اکثر اپنے کو بے عیب سمجھتا ہے، دوسروں کے عیوب تو اس کی نظر میں رہتے ہیں؛ لیکن وہ اپنا بڑے سے بڑا عیب تاویلات کے پردوں میں چھپا لیتا ہے، انسان کی یہ روش نہایت خطرناک اور سخت فتنہ کا باعث بن جاتی ہے، اس کے برخلاف جو شخص دوسروں کی خوبیوں پر اور اپنے عیوب پر نظر رکھتا ہے، تو انسانیت کے ایسے جوہر سامنے آتے ہیں کہ پورا معاشرہ گہوارۂ امن وامان بن جاتا ہے؛ اس لئے آج ضرورت ہے خود احتسابی کی، ہر آدمی فیما بینہ وبین اللہ اپنے کردار اعمال، اخلاق اور طور طریقے کا جائزہ لے، اور قرآن وحدیث کی ہدایات، ارشادات اور تنبیہات کے آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھے اور پھر اللہ کی دی ہوئی عقل سے صحیح فیصلہ کرے، اسی ضمن میں نبی اکرم ﷺ کی ایک جھنجھوڑ دینے والی حدیث کی تشریح ذیل میں پیش کی جارہی ہے:

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ :

(۱) وہ شخص بہت برا ہے جو اتراہٹ اور غرور میں ''اللہ علی وکبیر'' کو بھول بیٹھے: [بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ تَخَيَّلَ وَاخْتَالَ وَنَسِيَ الْكَبِيْرَ الْمُتَعَالَ] یعنی مغرور شخص جو اپنی بڑائی کے نشہ میں ایسا مست ہو کہ اسے اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا بھی خیال نہ رہے، یہ انسان اللہ تعالیٰ اور پیغمبر علیہ السلام کی نظر میں سخت مبغوض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ﴾ (لقمان: ۱۸) یعنی اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے فخر کرنے والے کو پسند نہیں فرماتے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ''جو شخص اپنے آپ کو بڑا سمجھے اور اترا کر چلے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے گا کہ وہ اس پر سخت ناراض ہوں گے''۔ (رواہ الطبرانی واحمد، تنبیہ الغافلین ۲۲۶)

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ: ''جب میری امت کے

لوگ اتراہٹ والی چال چلنے لگیں گے اور فارس اور روم کے لوگ ان کے خدمت گزار ہوں گے تو ان میں سے بعض کو بعض پر مسلط کر دیا جائے گا'' (یعنی آپس میں خونریزی اور اختلاف عام ہو جائے گا)۔ (ترمذی شریف حدیث:۲۲۶۱، تنبیہ الغافلین ۲۲۹)

الغرض اتراہٹ بہت بری چیز ہے جس کا انجام دنیا و آخرت میں سوائے ذلت اور رسوائی کے کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے، اترانے والا شخص خواہ اپنے کو کتنا ہی بڑا سمجھے مگر لوگوں کے دلوں میں اس کی عظمت ہرگز قائم نہیں ہوسکتی؛ اس لئے ہر انسان کو اس سے بچنے کی ضرورت ہے، اور جب بھی اس طرح کے شیطانی اثرات ذہن میں پیدا ہوں تو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی پیش نظر رکھے، اللہ تعالیٰ کی عظمت کا استحضار آدمی کو بہت سی خوش فہمیوں میں مبتلا ہونے سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔

(۲) وہ انسان بھی بہت برا ہے جو جبر وتعدی اور سختی پر عمل پیرا ہو اور ''اللہ عزیز و جبار'' کو بھول جائے [بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ تَجَبَّرَ وَاعْتَدٰى وَنَسِيَ الْجَبَّارَ الْاَعْلٰى] ظلم وعدوان شریعت کی نظر میں انتہائی ناپسندیدہ عمل ہے۔ خاص طور پر اپنے ماتحتوں کے ساتھ برتاؤ کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی سطوت وقدرت کا استحضار ضروری ہے۔

ایک صحابی حضرت ابومسعود بدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز مجھے اپنے غلام پر غصہ آ گیا تو میں اس کو کوڑے سے مارنے لگا، اسی درمیان میں نے آواز سنی کہ کوئی مجھے پکار رہا ہے، مگر میں غصہ کی شدت کی وجہ سے یہ نہ سمجھ سکا کہ آواز دینے والا کون ہے؛ تا آں کہ جب وہ شخص قریب آئے تو میں نے دیکھا کہ وہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام ہیں جو یہ فرمارہے ہیں کہ ''اے ابومسعود! اچھی طرح جان لو کہ جتنا تم اس غلام پر قدرت رکھتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ (تمہیں سزا دینے پر) قادر ہیں''۔ حضرت ابومسعودؓ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میں نے عرض کیا کہ: ''میں آئندہ کبھی کسی غلام کو نہیں ماروں گا''۔ اور ایک روایت میں ہے کہ یہ عرض کیا کہ ''اے اللہ کے رسول! یہ غلام اللہ واسطے آزاد ہے''۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''اگر تم ایسا نہ کرتے تو جہنم کی آگ تمہیں جھلسا ڈالتی''۔ (مسلم شریف حدیث:۱۶۵۹، ابوداؤد شریف:۵۱۵۹، الترغیب والترہیب:۳۴۸۲)

اس حدیث کی روشنی میں ہمیں جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ ہمارا اپنے ماتحتوں کے ساتھ کیا

معاملہ رہتا ہے؟ ذرا ذرا سی بات پر بے رحمی سے مار پیٹ اور طعن و تشنیع عام معمول ہے، یہ غریب کمزور لوگ، اگر چہ یہاں گھٹ گھٹ کر زندگی گزار لیتے ہیں؛ لیکن آخرت میں ان غریبوں کو ستانے کا انجام بہت برا ہوگا۔

بلاشبہ اچھا انسان وہ ہے جس کے معاملات غرور اور رعونت سے خالی ہوں، اور ہر معاملہ میں حسن تدبیر اور نرم روی اختیار کرے، نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ نرمی فرمانے والے ہیں اور ہر چیز میں نرمی پسند فرماتے ہیں''۔ (مسلم شریف ۲/۳۲۲)

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ ''نرمی جہاں بھی پائی جائے گی وہ اس کو مزین بنادے گی، اور اس کے برخلاف سختی جہاں بھی پائے جائے گی وہ اس کو عیب دار بنادے گی''۔ (مسلم شریف ۲/۳۲۲)

بہر حال جو شخص اللہ کی نظر میں برائی سے بچنا چاہتا ہے اسے اپنے کو جبر و تعدی سے بچانا ہوگا، اس کے بغیر آدمی تقربِ خداوندی حاصل نہیں کرسکتا۔

(۳) وہ آدمی بھی بہت برا ہے جو غفلت اور لاابالی پن میں قبر کے حالات اور اپنے بدن کی بوسیدگی کو بھول جائے۔ [بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ سَهَا وَلَهَا وَنَسِيَ الْمَقَابِرَ وَالْبِلٰى] موت ایک حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں؛ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ دنیا میں اس عظیم حقیقت سے جتنی غفلت ہے اتنی کسی اور چیز سے نہیں؛ اس لئے شریعت میں موت کو کثرت سے یاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے؛ تاکہ زندگی سے غفلتوں کا تسلسل ٹوٹ سکے؛ کیوں کہ موت کی یاد غفلت کو ہٹانے میں اکسیر کی حیثیت رکھتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''لذتوں کو توڑنے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو؛ کیوں کہ جو بھی اسے تنگی کے زمانہ میں یاد کرے گا تو اس پر وسعت ہوگی، اور جو شخص اسے عافیت اور خوش حالی میں یاد کرے گا تو یہ اس پر تنگی کا باعث ہوگا، (یعنی خوشی کے زمانہ میں موت کی یاد گناہ اور نافرمانی سے روکنے کا سبب بنے گی)''۔ (شرح الصدور ۴۷)

جو شخص قبر اور آخرت کے مراحل کو بھولا رہے گا وہ یقیناً دنیا میں لہو ولعب میں پڑا رہے گا اور آخرت میں اسے سخت خسارہ سے دوچار ہونا پڑے گا، پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے مذکورہ بالا ارشاد میں ایسے ہی غافل شخص کی مذمت کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس غفلت سے محفوظ فرمائیں، آمین۔

(۴) وہ شخص بھی برا ہے جو طغیان وسرکشی میں اس قدر آگے بڑھے کہ اپنی ابتداء اور انتہاء کو بھول جائے۔ [بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ عَتَا وَطَغٰی وَنَسِيَ الْمُبْتَدَأَ وَالْمُنْتَهٰی] طغیان اور سرکشی کا مطلب یہ ہے کہ آدمی حق واضح ہونے کے باوجود دھڑلّے کے ساتھ حق کا انکار کرے اور من چاہی زندگی گزارے اور اپنی خواہش کا غلام بن جائے، ایسے شخص کا ٹھکانہ یقیناً جہنم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿فَاَمَّا مَنْ طَغٰی وَاٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِيَ الْمَأْوٰی. (النازعات: ۳۷ تا ۳۹) ﴾ جس شخص نے حق سے سرکشی کی ہوگی اور دنیاوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی سو دوزخ اس کا ٹھکانہ ہوگا۔

اس لئے کسی بھی مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ طغیان وسرکشی والی زندگی گزارے اور اپنی ابتداء اور انتہاء کو بھول جائے، آدمی کو اپنی اوقات ہر وقت یاد رکھنی چاہئے کہ وہ کس طرح عدم سے وجود میں آیا اور وجود سے لے کر اب تک کن مراحل سے گزرا اور اس کا کیا انجام ہونے والا ہے؟ جو آدمی ان باتوں کو پیش نظر رکھے گا وہ کبھی بھی سرکشی پر آمادہ نہیں ہوگا؛ بلکہ ہمیشہ شریعت کی تابع داری کی زندگی گزارے گا۔

(۵) وہ انسان بھی بہت برا ہے جو دین کے ذریعہ سے دنیا کا شکار کرے۔ [بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ یَخْتِلُ الدُّنْیَا بِالدِّیْنِ] مطلب یہ ہے کہ جو شخص اخلاص کے بجائے اپنی شہرت یا اور کسی دنیوی منفعت کے لئے بظاہر دین داروں کا حلیہ اختیار کرے تو وہ قابل صد مذمت ہے۔ ایک روایت میں پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ: ''جو شخص آخرت کے کسی عمل سے دنیا کا طالب ہو اس کے چہرے پر پھٹکار ہوتی ہے، اس کا ذکر مٹا دیا جاتا ہے اور اس کا نام جہنم میں درج کر دیا جاتا ہے''۔ (الترغیب والترہیب مکمل ۳۲) اللہ تعالیٰ کو یہ بات ہرگز پسند نہیں ہے کہ اس کی عبادت میں کسی بھی درجہ میں غیر اللہ کا کوئی حصہ رکھا جائے، ایسی مشترکہ عبادت کا ثواب قطعاً غارت ہو جاتا ہے، اور اس کے عامل کے حصہ میں محرومی کے سوا کچھ نہیں آتا؛ اس لئے ہر مسلمان کو اپنے ظاہر و باطن میں یکسانیت کی طرف توجہ دینی چاہئے اور کبھی بھی اس سے غافل نہیں رہنا چاہئے۔

(۶) وہ شخص بھی بہت برا ہے جو مشتبہ اعمال میں مبتلا ہو کر اپنا دین بگاڑ لے۔ [بِئْسَ

الْعَبْدُ عَبْدُ یَخْتِلُ الدین بالشبهات] یعنی وہ شخص بہت مذمت کے قابل ہے جو تاویلات کر کے حرام میں مبتلا ہوتا ہے؛ تاکہ لوگوں کو دھوکہ دے کر اپنے کو دین دار ثابت کر سکے۔ (حاشیہ مشکوٰۃ شریف ۲/۴۴۳) کیوں کہ اگر صریح حرام کا ارتکاب کرے گا تو لوگوں میں بدنام ہو جائے گا؛ اس لئے مشتبہ امور کو اپناتا ہے؛ تاکہ لوگوں میں اس کا بھرم باقی رہے اور اسے دین داری سے الگ نہ سمجھا جائے، تو اللہ کی نظر میں یہ دھوکہ دہی اور فریب چلنے والا نہیں ہے، ایسا شخص ممکن ہے دنیا میں لوگوں کی نظروں میں پسندیدہ بنا رہے؛ لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں جواب دہی سے نہ بچ پائے گا؛ اس لئے ہر مسلمان کو شبہ والے معاملات سے دور رہنے کی ضرورت ہے جبھی وہ عند اللہ وعند الناس معتبر قرار پا سکتا ہے۔

(۷) وہ شخص بھی بہت برا ہے جو ایسی لالچ کا غلام ہو جو اسے کھینچے لے جا رہی ہو۔ [بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدُ طَمْعٍ یَقُوْدُهٗ] واقعہ یہ ہے کہ مال اور جاہ کی حرص وطمع آدمی کو دنیا یا دین کہیں کا نہیں چھوڑتی اور لالچی شخص اپنے لالچ کے نرغہ میں ایسا پھنس جاتا ہے کہ کوشش کے باوجود وہ اس سے باہر نہیں نکل پاتا۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''دو بھوکے بھیڑئے جنہیں بکری کے ریوڑ پر چھوڑ دیا جائے وہ بکریوں کے لئے اتنے مضر نہیں ہوتے جتنا کہ مال اور جاہ کی حرص آدمی کے دین کو تباہ کر دیتی ہے''۔ (ترمذی شریف حدیث: ۲۳۷۶، تنبیہ الغافلین ۱۴۱ ۳) اس لئے دینی ودنیوی عزت کے لئے حب مال اور حب جاہ کی نحوست سے اپنے کو بچانا لازم ہے، ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اپنے اوپر حرص کو غالب نہ ہونے دے؛ بلکہ حوصلہ مندی اور جرأت کے ساتھ قناعت کا راستہ اختیار کرے، یہی عافیت کا راستہ ہے۔

(۸) وہ شخص بھی بہت برا ہے جو گمراہ کن خواہش نفس کا رسیا ہو۔ [بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدُ هَوًی یُضِلُّهٗ] کبھی آدمی پر بدعقیدگی اور کج روی کا ایسا نشہ چڑھ جاتا ہے کہ وہ اس کے خلاف کلمہ حق سننے تک کا روادار نہیں ہوتا، جس کے نتیجہ میں وہ راہِ حق اور مسلک اعتدال سے محروم رہتا ہے، اور بڑا بے توفیق اور خائب وخاسر قرار پاتا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا:

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ. (القصص: ۵۰)

اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کی رہنمائی کے بغیر اپنی خواہش پر چلے۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہوا:

اَفَرَأَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوٰہُ وَاَضَلَّہُ اللّٰہُ عَلٰی عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰی سَمْعِہٖ وَقَلْبِہٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِہٖ غِشَاوَۃً. (الجاثیۃ: ۲۳)

بھلا دیکھ تو جس نے ٹھہرالیا اپنا حاکم اپنی خواہش کو، اور راہ سے بھلا دیا اس کو اللہ نے جانتا بوجھتا، اور مہر لگادی اس کے کان پر اور دل پر اور ڈال دی اس کی آنکھ پر اندھیری۔

اور ایک روایت میں ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ: ''تین چیزیں مہلک ہیں: (۱) ایسا لالچ جس کی پیروی کی جائے (۲) ایسی خواہش جس کی اتباع کی جائے (۳) اور یہ کہ آدمی اپنے کو سب سے اچھا سمجھے۔ (الترغیب والترہیب ۴۰) اس لئے ضروری ہے کہ انسان اپنے اندر منصف مزاجی پیدا کرے اور حق سامنے آنے پر اسے قبول کرنے میں تأمل نہ کرے۔

(۹) وہ انسان بھی بہت ناپسندیدہ ہے جو ذلت آمیز من پسند مقصد کے پیچھے پڑ جائے۔ [بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدُ رَغَبٍ یُذِلُّہٗ] (طبراني كبير: ٤٠١، مستدرك حاكم: ٧٨٨٥، شعب الإيمان: ٨١٨١، مشكوٰة شريف ٤٣٤/٢، الترغيب والترهيب مكمل ٦١٣) کسی جائز مقصد کے حصول کے لئے کوشش کرنا شریعت میں کوئی منع نہیں ہے؛ لیکن اگر کسی مقصد کے حصول میں اپنی عزت داؤ پر لگ جائے تو اب اس مقصد سے دست بردار ہو جانا ہی عین دانش مندی ہے، اگر ذلتوں کو برداشت کر کے اپنے مرغوب مقصد کے پیچھے آدمی پڑا رہے گا تو وہ پیغمبر علیہ السلام کے مذکورہ بالا ارشاد کی روشنی میں قابل مذمت قرار پائے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درج بالا ارشادات دراصل امت کے لئے ''تنبیہات'' ہیں، جن کے آئینہ میں ہمیں اپنے کردار کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر ہم خود احتسابی کے جذبہ سے اس روایت کے مضامین پر غور کریں گے تو یقیناً نفع ہوگا اور اصلاح کا جذبہ بیدار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو محض اپنے فضل سے ہر طرح کی بری باتوں سے حفظ وامان میں رکھیں اور دارین کی عافیت سے نوازیں۔ آمین۔ (ندائے شاہی اپریل ۲۰۰۸ء)

چند قیمتی جواہر پارے

افادات: داعی الی اللہ جناب ڈاکٹر غلام کریم صاحب خلیل آبادیؒ

گذشتہ سال (۲۰۰۶ء کے اواخر میں) گورکھ پور کے سفر کے دوران راستہ میں قصبہ خلیل آباد سے گذر ہوا، دفعۃً خیال آیا کہ اس بستی کی مایۂ ناز شخصیت جناب ڈاکٹر عبداللہ قاسمی صاحب کی زیارت وملاقات کا شرف حاصل کیا جائے؛ کیوں کہ موصوف سے چند ماہ قبل دہلی میں ملاقات ہوچکی تھی اور احقر ان کی بے مثال متانت اور حلم ووقار سے بہت متأثر تھا۔ الغرض موصوف کے مطب (روشن کلینک) پر حاضری ہوئی، ڈاکٹر صاحب اس غیر متوقع آمد پر نہایت مسرور ہوئے، حسن اتفاق کہ موصوف کے برادر عزیز جناب مولانا فضل الرحمٰن صاحب (مقیم حال بمبئی) جو مدرسہ شاہی کے قدیم فیض یافتہ اور ہمارے خانوادہ سے دیرینہ مراسم رکھتے ہیں وہ بھی وطن آئے ہوئے تھے، ان سے بھی ملاقات ہوئی۔ دیر تک گفتگو رہی اسی دوران معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب موصوف کے والد ماجد جناب ڈاکٹر غلام کریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ جماعت دعوت وتبلیغ کے مضبوط ستون اور نہایت مخلص، فعال اور صاحب تدبیر داعی الی اللہ تھے، اصلاح امت کی فکر اور کڑھن ان کے رگ وپے میں بسی ہوئی تھی، اور مشرقی یوپی میں جماعت تبلیغ کی محنت کو عام کرنے میں ڈاکٹر صاحب موصوف کا بڑا حصہ ہے۔ دینی محنت کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ان کی طبعیت میں سلامت روی، انصاف پسندی، حقیقت شناسی اور معرفت کی صفات پیدا کردی تھیں۔ اب خوشی کی بات یہ ہوئی کہ ڈاکٹر عبداللہ صاحب نے اپنے والد ماجد کی حیات وخدمات اور ملفوظات پر مشتمل ایک کتاب مرتب فرماکر ان کے فیض کو عام کرنے کا واجبی فرض انجام دیا ہے۔ یہ کتاب ڈاکٹر صاحب موصوف نے استفادہ کے لئے احقر کو بھی مرحمت فرمائی، سرسری مطالعہ سے ہی احقر کو اندازہ ہوا کہ یہ مجموعہ ملفوظات بڑے نفع بخش اور قیمتی جواہرات اور اقوال حکمت پر مشتمل ہے اور جماعت تبلیغ میں ہمہ تن مشغول رہنے کے باوجود صاحب افادات نے جس اعتدال پسندی اور میانہ روی کا مظاہرہ کیا ہے وہ نہ صرف تبلیغی جماعت سے جڑے ہوئے کارکنان؛ بلکہ سبھی اجتماعی کام کرنے والوں کے لئے بہترین رہنما ہے۔ اسی وقت سے ارادہ تھا کہ اس کتاب کے بعض قیمتی مشمولات انتخاب کے بعد ''ندائے شاہی'' کی زینت بنائے جائیں گے؛ لیکن آج کل میں پورا سال گذر گیا، اور ارادہ کی تکمیل نہ ہوسکی، اب انتخاب کے بعد چند گراں قدر باتیں شائع کی جاتی ہیں، امید ہے کہ ''ندائے شاہی'' کے باذوق قارئین ان سے نفع اٹھائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب لوگوں کو دینی خدمت کے تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔ (مرتب)

(ندائے شاہی اکتوبر-نومبر ۲۰۰۷ء)

معاشرت کیسے سدھرے؟

ایک دن بندہ نے عرض کیا کہ عمومی طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ معاشرت کا سدھارنا آسان نہیں ہے، فرمایا اللہ کے ہر حکم کو اور جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر طریقہ کو عمل میں لانا آسان ہے، صرف کرنا کیا ہے عزم وارادہ اور فیصلہ! لیکن عزم وارادہ اور فیصلہ اپنی ذات کو سامنے رکھ کر نہیں؛ بلکہ اللہ کی ذات کو سامنے رکھ کر ﴿فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ اللہ پر بھروسہ کرنے والے کے لئے اللہ کافی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے رہن سہن کے لئے یہ بنیادی سات اصول بتائے ہیں:

(۱) تم ایک دوسرے پر حسد نہ کرو۔

(۲) تم کسی کو دوسرے کی دشمنی اور مخالفت پر نہ اکساؤ۔

(۳) تم آپس میں ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو۔

(۴) تم ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرو۔

(۵) تم میں سے کوئی کسی کی بیع پر بیع نہ کرے

(۶) اللہ کے بندوں تم بھائی بھائی بن جاؤ، مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ نہ تو اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے بے یار ومددگار چھوڑتا ہے، اور نہ اس کی تحقیر کرتا ہے، تقویٰ یہاں ہے آپ نے اپنے سینۂ مبارک کی طرف تین بار اشارہ کیا کسی شخص کے شر کے لئے کافی ہے کہ وہ اپنے بھائی کی تحقیر کرے۔

(۷) ہر مسلمان پر مسلمان کا خون مال اور اس کی عزت حرام ہے۔ (ایضاً:۲۵-۲۶)

تقویٰ کیسے پیدا ہوگا؟

فرمایا: تقویٰ وجود میں آتا ہے اپنا احتساب کرنے سے، نہ کہ احتسابِ غیر سے، اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہو اور اللہ کے یہاں محاسبہ کا خوف ہو، خلوت اور جلوت میں اللہ کی معیت کا استحضار ہو، دم واپسیں تک اپنے نفس کو تقویٰ اور خوفِ الٰہی کی لگام دیتا رہے۔ (ایضاً:۲۶)

مشورہ کی اہمیت

ایک بار عرض کیا گیا کہ اس دور میں ہر شخص اپنی حیثیت منوانا چاہتا ہے اب اگر اس کی حیثیت نہ مانی جائے تو اختلاف کا دروازہ کھل جاتا ہے، جس کی وجہ سے اصل کام میں بھی رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ فرمایا:

(۱) کسی کے نفس کو مطمئن کرنے کا اور اس کی حیثیت کو ماننے کا بہترین ذریعہ اس کو مشورہ میں شریک رکھنا ہے۔

(۲) ہر شخص کی صلاحیتیں جدا جدا ہیں، اب مختلف صلاحیتوں سے نفع اٹھانا سوائے مشورہ کے اور کسی دوسری شکل سے ممکن نہیں۔

(۳) مشورہ کبر و تکبر سے بچنے اور بچانے کا بہترین ذریعہ ہے؛ کیوں کہ اگر مشورہ نہیں ہوگا تو امر ہوگا، حکم ہوگا، امر اور حکم کبر تک پہنچنے اور پہنچانے کا ایک آسان ذریعہ ہے۔

(۴) مشورہ سے قوم کو نفاق سے بچایا جا سکتا ہے؛ کیوں کہ انسان کا مزاج حکم ماننے کا نہیں ہے چاہے وہ کمزور ہو چاہے طاقت ور، اگر وہ حکم مانتا ہے تو کسی ڈر، خوف یا لالچ کی وجہ سے، اور جو چیز خوش دلی سے نہ مانی جائے تو اس سے نفاق پیدا ہوتا ہے، بغض و حسد پیدا ہوتا ہے۔

(۵) مشورہ سے طے کئے ہوئے کام میں ہر عمل کا اجر ہر شخص کو ملتا ہے، ایک شخص گھر بیٹھا ہوگا اور ایک شخص میدانِ کارزار میں ہوگا، لیکن دونوں اجر و ثواب میں برابر کے شریک ہوں گے؛ کیوں کہ گھر بیٹھنے والا اپنی خواہش سے گھر نہیں بیٹھا ہوگا؛ بلکہ مشورہ سے گھر بیٹھا ہوگا۔ (ایضاً: ۱۷-۱۸)

اختلاف رائے حدود کے اندر رہنا چاہئے!

فرمایا: اختلاف رائے ایک فطری اور طبعی امر ہے جس سے نہ کبھی انسانوں کا کوئی گروہ خالی رہا ہے اور نہ رہ سکتا ہے، کسی جماعت میں ہر کام اور ہر بات میں مکمل اتفاق رائے صرف دو صورتوں میں ہو سکتا ہے: ایک یہ کہ ان میں کوئی سوجھ بوجھ والا انسان نہ ہو جو معاملہ پر غور کر کے کوئی رائے

قائم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو؛ اس لئے مشورہ میں ایک شخص کوئی بات کہہ دے تو دوسرے سب اس پر اس لئے اتفاق کرسکتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی رائے اور بصیرت ہی نہیں۔

دوسرے اس صورت میں مکمل اتفاق رائے ہوسکتا ہے کہ لوگ ضمیر فروش اور خائن ہوں کہ ایک بات کو غیر مناسب اور مضر جانتے ہوئے محض دوسروں کی رعایت سے اختلاف رائے کا اظہار نہ کریں؛ اس لئے جہاں عقل بھی ہو اور دیانت بھی، یہ ممکن نہیں کہ ان میں اختلاف رائے نہ ہو، اس سے معلوم ہوا کہ اختلافِ رائے عقل و دیانت سے پیدا ہوتا ہے اس لئے یہ اپنی ذات کے اعتبار سے مذموم نہیں، اگر حالات اور معاملات کا صحیح جائزہ لیا جائے تو اختلافِ رائے کا ہونا یقینی ہے؛ لیکن اگر اختلافِ رائے اپنی حدود کے اندر ہے تو کسی جماعت کے لئے مضر نہیں ہوتا؛ بلکہ بہت سے مفید نتائج پیدا کرتا ہے، اسلام میں مشورہ کی تکریم اور تاکید فرمانے کا یہی منشا ہے کہ معاملہ کے متعلق مختلف پہلو اور آراء سامنے آجائیں تو فیصلہ بصیرت کے ساتھ کیا جاسکے، اگر اختلاف رائے کو مذموم سمجھا جائے تو مشورہ کا فائدہ ہی ختم ہوجائے، اسلام کی اجتماعی زندگی محض ظاہری رکھ رکھاؤ کا نام نہیں، اس میں ایک طرف اپنے عقیدہ اور اصول پر مضبوطی سے جمنے کی دعوت ہے، تو دوسری طرف اجتماعی فیصلوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کردینے کی بھی تلقین ہے۔ (ڈاکٹر غلام کریمؒ حیات وخدمات ۱۵-۱۶)

اختلاف کیسے دور ہو؟

ایک بار عرض کیا کہ بہت سی جگہ ساتھیوں میں اختلافات ہیں۔ فرمایا: جہاں کے لوگ کام کو مقصد بنائے ہوئے ہیں وہاں اختلاف نہیں، لیکن جہاں ذات کو مقصد بنائے ہوتے ہیں وہاں اختلاف ہونا یقینی ہے؛ اس لئے کہ ہر ایک اپنی ذات کو نمایاں کرنے کی فکر میں رہے گا، اس لئے اس کا علاج یہ ہے کہ کام کو مقصد بنایا جائے، جب کام مقصد بن جائے گا تو اختلاف بھی ختم ہوجائے گا۔ (ایضاً: ۴۵)

اجتماعی کام کب ناکام ہوتے ہیں؟

ایک بار عرض کیا کہ مسلمان جو بھی کام اجتماعی طور پر شروع کرتے ہیں اس کام کو پائے تکمیل تک پہنچانے سے پہلے ہی اختلافات کا شکار ہوجاتے ہیں، اور اختلافات پیدا ہونے کا الزام باہری

دشمنوں پر رکھ دیتے ہیں اور اپنے کو برئ الذمہ سمجھ لیتے ہیں۔ فرمایا: کوئی نظام یا تنظیم اگر ناکام ہوتی ہے تو وہ اپنی داخلی کمزوریوں کی وجہ سے ناکام ہوتی ہے، باہر والوں کو موقع بھی اسی وقت ملتا ہے جب ہم میں داخلی کمزوریاں پیدا ہو جائیں، تاریخ اسلام کا اگر مطالعہ کرو گے تو یہ بات صاف طور سے معلوم ہوگی کہ دوسروں کو موقع بھی اسی وقت ملتا ہے جب ہم میں میر جعفر میر صادق پیدا ہو جاتے ہیں۔ (ایضاً:۵۱)

اعتراض آسان ہے، کام مشکل ہے

ایک بار ایک مجلس میں ایک صاحب نے دین کی محنت کرنے والوں (خصوصاً اہل مدرسہ) پر نکتہ چینی کی، فرمایا: نکتہ چینی اور اعتراض سے زیادہ سہل اور آسان دنیا میں کوئی کام نہیں، آج جو چاہتا ہے بغیر اپنی ذمہ داری محسوس کیئے دین کی محنت کرنے والوں پر اور اس کے کارکنوں پر الزامات لگا ڈالتا ہے، کاش بجائے اس کے ہم میں سے ہر شخص صرف اپنے سے یہ سوال کرے کہ دین (مدرسہ) تو میرا بھی ہے اور میں نے اب تک دین کی مدرسہ کی عملی امداد کتنی کی ہے؟ اپنے وقت کے کتنے گھنٹے اس کام کے لئے نکالے ہیں؟ فرمایا: اعتراض اور نکتہ چینی کرنے والوں کی ذمہ داری اور بڑھ جاتی ہے، اعتراض اور نکتہ چینی کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس کے اندر کام کو اچھے ڈھنگ سے کرنے کی استعداد اور صلاحیت زیادہ ہے اور زیادہ استعداد اور صلاحیت والوں کی ذمہ داری بھی زیادہ ہوتی ہے۔ (ایضاً:۴۹)

علماء ربانیین کی تلاش؟

ایک بار عرض کیا کہ اہل علم کی بھیڑ میں علماء کو کیسے تلاش کیا جائے؟ فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود ہی علماء کی شان بتلا دی ہے: ''اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ'' اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔ فرمایا: جتنا ہی جس کے اندر خوف وخشیت اور معرفت ہوگی اتنا ہی وہ علم والا ہے۔ (ایضاً:۵۶)

اجتماعی ذمہ داری کون قبول کرے؟

ایک بار ایک اجتماعی کام کی ذمہ داری (مدرسہ کی) راقم کے ذمہ آنے کی بات چلی، تو فرمایا:

اگر تمہارے اندر اس کی طلب اور خواہش نہ ہو اور تم اس کو اعزاز کی بات نہ سمجھتے ہو؛ بلکہ ذمہ داری کی بات سمجھتے ہو تو قبول کر سکتے ہو۔ اس کے بعد فرمایا کہ جو لوگ اجتماعی معاملات کے ذمہ دار ہوں ان کے لئے افراد کی بے حد اہمیت ہوتی ہے، کسی ادارہ یا کسی اجتماعی عمل میں اچھے نتیجہ کے ضامن ہمیشہ مخلص اور صالح افراد ہی ہوا کرتے ہیں جن ذمہ داروں کے ہاتھ میں انتخاب کی ذمہ داری ہو ان کو اس بات کا خیال لازمی طور سے رکھنا چاہئے کہ انتخاب اخلاص اور ذاتی خوبیوں اور کام کرنے کی لگن اور فکر کی بنیاد پر ہونا چاہئے۔ فرمایا کہ اگر کسی کے ہاتھ میں عہدوں کا تقرر ہو تو اگر امیدواروں میں اس کا کوئی قرابت دار بھی ہے اور دوسرے لوگ بھی، تو ایسی حالت میں اس کو چاہئے کہ بہتر اور لائق امیدوار کا انتخاب کرے صرف اپنی قرابت کی وجہ سے اپنے قرابت دار کا انتخاب نہ کرے، لیکن اگر وہ قرابت دار ہی سب امیدواروں سے زیادہ لائق ہے تو اس کا صرف اس لئے کہ وہ قرابت دار ہے اس کو نظر انداز کر کے اس سے ادنی درجہ کے امیدوار کا انتخاب کرنا صرف لوگوں کے طعنہ اقرباء پروری کے خوف سے مناسب نہیں۔ فرمایا کہ آج خوشامدی انسانوں یا کمتر صلاحیتوں کے لوگوں کو پسند کیا جاتا ہے؛ تاکہ اس کی بڑائی قائم رہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے ادارے کباڑ خانے بنتے چلے جا رہے ہیں۔ فرمایا کہ ذاتی مفاد سے بچ کر جو لوگ اخلاص کی بنیاد پر کام کریں گے درحقیقت وہی کامیاب ہونے والے ہیں۔ (ایضاً ۵۷-۷۶)

چھ نمبر کی دعوت

ایک بار فرمایا: دعوت و تبلیغ محض چھ اعمال کی دعوت نہیں ہے؛ بلکہ پورے دین کے احیاء (صورت سے حقیقت) کی پورے عالم میں کوشش ہے، ہم حقیقت حال کی ناواقفیت سے اس کو محض چھ نمبر کی دعوت سمجھتے ہیں، درحقیقت یہ چھ اعمال ایسے ہیں جن کے آ جانے سے مکمل دین پر چلنا آسان ہو جاتا ہے۔

فرمایا: ایمان و نماز کے ذریعہ حقوق اللہ کو ادا کرنے اور فواحش و منکرات سے بچنے کی قوت و استعداد حاصل ہوگی، اور علم کے ذریعہ حقوق اللہ و حقوق العباد کے ادا کرنے کا طریقہ آئے گا۔ اور

ذکر کے ذریعہ اس کے ادا کرنے کا استحضار (دھیان) حاصل ہوگا۔ اور اخلاص نیت کے ذریعہ کمال بندگی حاصل ہوگی اور تفریغ وقت، یعنی جان و مال کے مجاہدے کے ذریعہ جب مندرجہ بالا چیزوں کو حاصل کرنے والا ہوگا تو اب مکمل دین سو فیصد دین پر عمل کرنے کے لئے جو بھی مجاہدہ برداشت کرنے کی ضرورت پیش آئے گی اس کو برداشت کرے گا؛ اس لئے کہ دین میں کہیں مالی مجاہدہ ہے تو کہیں جانی مجاہدہ اور جماعت میں جانے والا جان و مال کو لگاتے لگاتے جان و مال کے مجاہدوں کو کرنے کی قوت و استعداد حاصل کر لیتا ہے۔ (ایضاً ۷۳)

مسلم سیاسی پارٹی؟

ایک بار ایک مسلم سیاسی پارٹی کے کچھ احباب تشریف لے آئے اور کہا کہ مسلمان اس وقت تک ہندوستان میں عزت والی زندگی نہیں حاصل کر سکتے جب تک وہ اپنی ایک سیاسی پارٹی بنا کر سیاست میں حصہ نہ لیں، فرمایا: کہ یہ اس وقت ممکن ہے کہ جب مسلمان آپس میں متحد ہوں اور مسلمانوں کی اکثریت کے اندر ماننے اور اطاعت کرنے کا مادہ اور جذبہ موجود ہو۔ فرمایا کہ اس وقت عملی طور پر مسلمانوں کی حالت آپس میں لڑنا اور جھگڑنا اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی فکروں میں اپنی صلاحیتوں کو ضائع کرنا ہے، اور یہ حالت کسی ایک شہر اور ملک کی نہیں ہے؛ بلکہ عالمی طور پر امت اختلافات کا شکار ہے تو ایسی حالت میں بنیادی اور اصلی کام یہ ہوگا کہ پہلے امت میں اتحاد پیدا کیا جائے۔ فرمایا دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ اتحاد وجود میں آئے کیسے؟ فرمایا کہ اس کے لئے ہمارا ایک طبقہ تقریروں، کانفرنسوں اور اخباروں رسالوں میں مضامین لکھ دینے کو کافی سمجھے ہوئے ہے، لیکن اتحاد ایک عملی چیز کا نام ہے، عملی چیزیں عملی محنت سے وجود میں آیا کرتی ہیں۔ فرمایا کہ ہمارے لئے اور امت کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ سے بڑھ کر کس کی بات ہوسکتی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی کتاب مبین میں فرمارہے ہیں:

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ. (الانفال)

مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو آپس میں جھگڑا نہ کرو، ورنہ تمہارے اندر کمزوری آجائے گی۔

یا﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ جب آج امت اللہ اور اس کے رسول کی بات نہیں مان رہی ہے تو ہماری اور آپ کی کیا حیثیت ہے؟ اس لئے پہلے اس بات پر محنت کرنے کی ضرورت ہے کہ امت اللہ اور نبی کریم ﷺ کی بات ماننے والی ہوجائے، جب امت اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی بات ماننے والی ہوجائے گی، تو اتحاد خود بخود وجود میں آجائے گا؛ اس لئے خود حق سبحانہ وتقدس اتحاد کے ساتھ مل جل کر رہنے کا حکم فرما رہے ہیں۔ فرمایا یہ دعوت وتبلیغ کی محنت اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت اور رسول کریم ﷺ کی اطاعت پر آنے اور لانے کی محنت ہے، اور ساتھ ہی ساتھ اس کے نہج کا ایک خاص نفع یہ بھی ہے کہ امت کے مختلف طبقات ایک ساتھ مل کر ایک امیر کی مان کر چلنے کی عملی مشق بھی کرتے ہیں جو اتحاد کی بنیاد ہے۔ (ایضاً ۷۹-۸۰)

سیکولر سیاسی پارٹی؟

ایک بار ایک سیکولر سیاسی پارٹی کے کچھ مسلمان احباب تشریف لے آئے اور کہا کہ مسلمان ہندوستان میں اپنی الگ سیاسی پارٹی بنا کر کامیاب نہیں ہوسکتے، ان کو کسی سیکولر سیاسی پارٹی میں شامل ہوکر اپنے حقوق حاصل کرنے چاہئے؛ اس لئے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی یہ پوزیشن ہے کہ اگر مسلمانوں کی اکثریت کسی سیکولر سیاسی پارٹی میں شامل ہوکر الیکشن میں حصہ لیں تو یقینی ہے کہ وہی سیاسی پارٹی کامیاب ہوگی جس کے ساتھ مسلمانوں کی اکثریت ہوگی، اس طرح مسلمان اپنے حقوق حاصل کرسکتے ہیں۔ فرمایا یہ اسی وقت ممکن ہے جب وہ سیکولر سیاسی پارٹی انصاف والی ہو، اس پارٹی کے افراد انصاف پر چلنے والے ہوں؛ اس لئے کہ انصاف پر چلنے والا ہی دوسروں کے حقوق کو ادا کرسکتا ہے۔ فرمایا: لیکن اس وقت کی حقیقی اور عملی صورتِ حال یہ ہے کہ سیاسی پارٹیوں کا خمیر ظلم، دھوکہ، فریب اور جھوٹ پر ہے اور یہ کوئی قیاسی بات نہیں ہے؛ بلکہ عملی اور حقیقی صورتِ حال ہے۔

ہم کو ان سے وفا کی ہے امید ☆ جو نہیں جانتے وفا کیا ہے؟

اس لئے سب سے پہلی محنت ہم کو تمام سیاسی پارٹیوں کو انصاف پر لانے کی کرنی چاہئے اور انصاف آتا ہے آخرت کی پکڑ اور جواب دہی کی بنیاد پر۔ ایک صاحب نے فرمایا کہ جب تک ہم

سیاسی پارٹیوں میں شامل نہیں ہوں گے تو ان کو انصاف پر کیسے لے آئیں گے؟ اس لئے انصاف پر لانے کے لئے بھی ان میں شمولیت ضروری ہے۔ فرمایا اس کے لئے ان میں ان افراد کو شامل ہونا چاہئے جن کے پاس ایمان واسلام کا وہ درجہ ہو جو ان کو احساس کمتری اور مرعوبیت سے نکال چکا ہو، جو برسر عام ہی نہیں؛ بلکہ برسر دار بھی اپنے مؤمن ومسلم ہونے کا اعلان کر رہے ہوں، جو اپنے کو بیچنے کے لئے کسی حال میں بھی تیار نہ ہوں، جیسے حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ، حضرت مولانا محمد علی صاحب جوہرؒ، لیکن اس وقت کا حال تو یہ ہے کہ:

وہ مرد مجاہد تو نظر آتا نہیں مجھ کو ☆ ہو جس کے رگ وپے میں فقط مستی کردار

فرمایا: بغیر صاحب کردار بنے شامل ہونے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شامل ہونے والوں کا کام صرف ہاں میں ہاں ملانا رہ جاتا ہے، اور مسلمانوں جیسے نام رکھنے والے کچھ لوگ حکومتی عہدوں پر پہنچ جاتے ہیں، اور حکومت ان کو شوبوائے کی طرح استعمال کرتی ہے، لیکن اس سے من حیث القوم مسلمانوں کا کوئی بھی مسئلہ حل نہیں ہو پاتا، اس لئے پہلے ہم کو اپنے ایمان ویقین کو بنا کر دنیا کی مختلف لائنوں میں جانا چاہئے، صرف جانا ہی نہیں چاہئے؛ بلکہ قائدانہ رول ادا کرنا چاہئے، جیسے ہمارے اسلاف نے کیا۔ (ایضاً ۸۰-۸۱-۸۲)

امت کے امراض کا مداوا

ایک بار کالج کے کچھ احباب تشریف لے آئے اور کہا کہ اس وقت امت مختلف مسائل میں گھری ہوئی ہے اور ان میں سے اہم مسئلے سیاسی، تعلیمی اور اقتصادی ہیں، اور آپ حضرات ہر مسئلہ کا حل ایمانی محنت کو قرار دیتے ہیں۔ فرمایا: مطب میں ایک شخص آتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ کو چکر آتے ہیں، چلنے میں سانس پھولتی ہے، گھبراہٹ رہتی ہے، نیند کم آتی ہے وغیرہ۔ تو معالج اس کو صرف ایک دوا تجویز کرتا ہے ٹانک، اور کہتا ہے کہ تمہارے مختلف امراض اور مختلف قسم کی تکلیفیں صرف اسی ایک دوا سے دور ہو جائیں گی؛ اس لئے کہ تمہاری ساری پریشانیاں صرف ایک مرض کمزوری کی وجہ سے ہیں، اسی طرح اہل دین بھی کہتے ہیں کہ امت کی ساری پریشانیاں ضعف ایمان کی وجہ سے

ہیں۔فرمایا کہ: ہم سیاسی مسئلہ کو لیں کہ اس کا دین سے کیا تعلق ہے؟ تو معلوم ہوگا کہ اس کا دین سے بہت گہرا تعلق ہے۔فرمایا: سیاسی زوال ہمیشہ عدم اتحاد ظلم آپس میں سر پھٹول، عیاشیوں اور لہو ولعب میں پڑنے سے آتا ہے، فرمایا یہ ساری چیزیں جن سے زوال آیا کرتا ہے یہ سب کے سب دین کے ایمان کے خلاف ہیں، جب ایمان رہے گا دین رہے گا، تو زوال کے اسباب سے ہم اپنے کو بچائیں گے۔فرمایا: عروج حاصل ہوتا ہے اتحاد، انصاف، عزم واستقلال اور صبر وشجاعت اور بے خوفی ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ قوت وطاقت کے ظاہری اسباب کی تیاری سے۔فرمایا: عروج اور سر بلندی کے لئے جو صفات ضروری ہیں وہ ساری کی ساری دینی صفات ہیں، اسلامی صفات ہیں، جب دین آئے گا ایمان آئے گا، تو اپنے ساتھ عروج اور سر بلندی حاصل ہونے کی صفات بھی لائے گا۔اس سے معلوم ہوا کہ سیاسی سر بلندی حاصل کرنے کے لئے بھی ایمانی محنت ضروری ہے، لازمی ہے۔(ایضاً ۸۳)

تعلیمی نظریہ

فرمایا: اسی طرح ہم تعلیمی مسئلہ کو لیں تو معلوم ہوگا کہ اس کا بھی دین سے بہت گہرا اور بنیادی تعلق ہے، مسلمانوں پر تحصیل علم فرض ہے۔اسلام اور جہالت دونوں میں کوئی جوڑ ہی نہیں، علم کے معنی جاننا، جاننے کے معنی پہچاننا، پہچاننے کے معنی کسی چیز کی بھلائی اور برائی سے واقف ہونا۔علم کا جوہر غور وفکر تدبر وتفکر ہے جس کی تاکید خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے کی ہے، اسی غور وفکر نے مسلمانوں کو عمل کا امین اور ناشر بنا رکھا تھا۔فرمایا: علم نیک وبد میں امتیاز کرنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے اور بھلائی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔فرمایا: آج عمومی طور سے ہم اس غلط فہمی میں پڑے ہوئے ہیں کہ اہل دین اور اہل علم (علماء) کا علم کے بارے میں تصور بہت محدود ہے۔فرمایا: یہ علماء اور اہل دین پر سراسر ایک الزام ہے، اہل علم علم کی مخالفت کیسے کر سکتے ہیں؟ اور اہل دین، دین کی مخالفت کیسے کر سکتے ہیں؟ جب کہ علم کی تحصیل کا حکم اسلام دے رہا ہے، قرآن دے رہا ہے، علماء اور اہل دین تو صرف امت سے یہ چاہتے ہیں کہ آغاز سفر ہی میں اسلام کی بنیادی اقدار، بچوں کے دل

نشیں کردی جائیں؛ تاکہ ان پر زندگی کے کسی بھی دور میں کسی کا جادو چل نہ سکے، علماء اور اہل دین تو صرف اس ماحول کی مخالفت کرتے ہیں جو مرعوبیت اور احساس کمتری میں مبتلا کر دیتا ہے اور دین کو اسلام کو ہم دوسروں کی نگاہوں سے دیکھنے لگتے ہیں۔ علماء اور اہل دین نہ علم کی مخالفت کرتے ہیں اور نہ ہی کر سکتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ تعلیمی مسئلہ کا حل بھی دینی اور ایمانی محنت میں ہے، جب ہم میں دین آئے گا، ایمان آئے گا، تو تعلیم کی اہمیت اور ضرورت کا احساس بھی آئے گا۔

اقتصادی نظریہ

فرمایا :اسی طرح ہم اقتصادی مسئلہ کو لیں۔ فرمایا: اس سے پہلے کہ ہم اقتصادی مسئلہ کا حل ڈھونڈھیں، ایک بنیادی بات ذہن نشیں کر لیں کہ روزی کی تقسیم اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے، اور ساتھ ہی ساتھ االلہ تبارک وتعالیٰ جس کے لئے چاہتے ہیں روزی فراخ اور کشادہ فرمادیتے ہیں اور جس کے لئے چاہتے ہیں روزی تنگ کر دیتے ہیں، اس لئے دنیا میں کبھی بھی معاشی برابری نہیں قائم ہوسکتی، اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے زکوٰۃ کو فرض قرار دیا کہ امت میں ہمیشہ ایک تعداد مستحقین زکوٰۃ کی رہے گی۔ فرمایا کہ اس کے ساتھ ایک اور بات ذہن نشیں کر لیں کہ دنیا میں صرف ضروریات پوری ہوسکتی ہیں، خواہشات نہیں۔ فرمایا: اگر یہ دو باتیں ہمارے ذہن نشیں رہے گی تو اقتصادی مسئلہ کے حل کو سمجھنے میں آسانی رہے گی۔ فرمایا: اقتصادی اور معاشی مسئلہ پیدا ہوتا ہے، عدم قناعت اور فضول خرچی اور اسراف سے، قناعت کے معنی ہیں اپنی ضرورتوں کو نہ بڑھانا، موجود میں سادگی کے ساتھ ضرورتوں کو پورا کرنا اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایمان والوں کی صفت بیان فرماتا ہے جو خرچ کرنے میں فضول خرچی نہیں کرتے۔ فضول خرچی نہ کرو، فضول خرچ شیطان کے بھائی ہیں۔ فرمایا: دوسری وجہ اور دوسرا سبب اپنی قوت واستعداد کے مطابق محنت اور کوشش نہ کرنا، محنت اور کوشش سے جی چرانا، اسلام رہبانیت نہیں سکھاتا، اسلام محنت اور کوشش کو ضروری قرار دیتا ہے، اسلام تو ہم سے صرف یہ چاہتا ہے۔ ﴿رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ وہ ایسے لوگ ہیں جنہیں خرید وفروخت اور تجارت خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔ فرمایا: اس سے

معلوم ہوا کہ معاشی اور اقتصادی مسئلہ عمومی طور سے انہیں تین وجوں سے پیش آتا ہے: (۱) عدم قناعت (۲) اسراف اور فضول خرچی (۳) محنت اور کوشش سے جی چرانا۔ فرمایا: یہ تینوں باتیں ایمان واسلام کے خلاف ہیں، جب ایمان واسلام اپنی حقیقت کے ساتھ ہماری زندگیوں میں آئے گا، تو یہ تینوں باتیں ہماری زندگیوں سے نکل جائیں گی، جب یہ تینوں باتیں نکل جائیں گی، تو معاشی مسئلہ حل ہوجائے گا، اس سے معلوم ہوا کہ معاشی مسئلہ کا حل بھی ایمانی واسلامی صفات میں ہے، ایمانی واسلامی صفات کو لانے کے لئے یہ دین کی محنت ہے۔ (ایضاً ۸۲تا۸۶)

آپس میں جوڑ کیسے باقی رہے؟

آپس میں توڑ پیدا کرنے میں ان چند باتوں کا خاص رول ہوا کرتا ہے، اگر ہم اپنے کو ان سے بچائیں گے تو انشاء اللہ آپس میں جوڑ باقی رہے گا، دل ملے رہیں گے۔

(۱) ان میں سے پہلی چیز زبان کی حفاظت ہے، باہمی تعلقات کو خراب کرنے اور آپس میں توڑ پیدا کرنے میں زبان کی بدولت جو فتنے پیدا ہوتے ہیں، ان کا شمار اور تفصیل ممکن نہیں، درحقیقت دس خرابیوں میں نو کا سبب زبان ہی ہوا کرتی ہے، سختی سے بات کرنا، ترش روئی سے جواب دینا، طعنہ دینا، برا بھلا کہنا، منہ پر برا بھلا کہنے سے کہیں سخت بات یہ ہے کہ ہم دوسرے کو پیٹھ پیچھے برا کہیں، اسلام نے اسے بدترین غیبت بتلایا ہے، اسلام میں غیبت کرنے کی مثال مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے دی گئی ہے، آپس کے تعلقات کو اس عیب کی وجہ سے بہت سخت نقصان پہنچا ہے، ایسے لوگوں کے دل کبھی ایک دوسرے سے نہیں ملتے ہیں۔ زبان کی ایک دوسری خرابی کسی کے منہ پر یا اس کے پیٹھ پیچھے عیب لگانا ہے، یہ ایک شخص کی عزت پر براہِ راست حملہ ہے، اگر محض سنی سنائی باتوں پر یقین کر کے یا اپنے دل سے گڑھ کر کسی پر الزام لگاتے ہیں تو یہ چیز تعلقات کو ختم کرنے میں آگ کا کام دیتی ہے، اگر کسی کے اندر کوئی کمی ہے تو ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ ہم اس کی خیر خواہی کے جذبہ کے تحت تنہائی میں محبت اور ہمدردی کے ساتھ اس کو متوجہ کریں۔

(۲) تجسس: آپس کے تعلقات کو ختم کرنے والی ایک چیز یہ بھی ہے کہ ہم لوگوں کی ٹوہ

لگاتے پھریں، اس میں ایک خرابی تو یہ ہے کہ چوں کہ ٹوہ لگانے والا کھل کر سامنے نہیں آتا، اس لئے اس کی معلومات اکثر ناقص اور غلط ہوجاتی ہیں، اور وہ ادھوری معلومات پر کوئی نتیجہ نکال لیتا ہے، اس طرح ایک انسان اکثر دوسرے کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہوجاتا ہے۔

(۳) بدگمانی: تعلقات کو برباد کرنے والی ایک اور چیز بدگمانی بھی ہے، اکثر لوگ دوسرے کے بارے میں ایک رائے قائم کرلیتے ہیں، حالاں کہ اس کے بارے میں ان کے پاس نہ کھلی ہوئی کوئی شہادت ہوتی ہے اور نہ ہی دلائل، محض سنی سنائی باتوں پر یا دوسرے کی رائے سے متأثر ہوکر آدمی دوسرے کے بارے میں ایک رائے قائم کرلیتا ہے، بدگمانی کی دوسری وجہ بعض دفعہ یہ بھی ہوجاتی ہے کہ انسان دوسرے کی نیت کے بارے میں ایک رائے قائم کرلیتا ہے، اور یہ ایک بڑی خرابی کی جڑ ہے، نیت ایک ایسی چیز ہے جس کے بارے میں دوسرے کو کوئی علم نہیں ہوسکتا ہے، اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جہاں ہم اپنے دل کو بدگمانی سے پاک رکھیں، وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اپنی طرف سے کسی کو بدگمانی کا موقع بھی نہ دیں، جہاں کسی بدگمانی کا موقع ہو، اندیشہ ہو، وہاں خود موقع نکال کر بات صاف کردیں، اپنی گفتگو، طرز عمل معاملات وغیرہ میں ایسی پوزیشن اختیار کرنے سے بچیں، جس سے خواہ مخواہ کسی کو بدگمانی کا ڈر ہو۔

(۴) ہنسی مذاق کو لوگ بے تکلفی اور خوش دلی کی علامت سمجھتے ہیں، لیکن بہت کم لوگ ایسے ہیں جو ہنسی مذاق کی صحیح حدوں کا لحاظ کرسکیں، عام طور سے ہنسی مذاق اپنے حدود سے نکل کر رسوا کرنے کی حد تک پہنچ جاتی ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے آئے، اور آپ نے فرمایا: اے وہ لوگو! جو زبان سے اسلام لائے ہو، اور ان کے دلوں میں ابھی ایمان پوری طرح نہیں اترا ہے، مسلمان بندوں کو ستانے سے اور ان کو عار دلانے سے اور شرمندہ کرنے سے باز رہو؛ کیوں کہ اللہ جل جلالہ کا قانون ہے کہ جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کے چھپے عیبوں کے پیچھے پڑے گا اور اس کو رسوا کرنا چاہے گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے عیوب کے پیچھے پڑے گا، اور جس کے عیوب کے پیچھے اللہ پڑے گا وہ اس کو ضرور رسوا کرے گا اگرچہ وہ اپنے گھر کے اندر ہی ہو۔

(۵) حسد: ایک انسان دوسرے انسان پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی کسی نعمت مثلاً علم وفضل، قوت وتوانائی، مال ودولت، حسن وجمال وغیرہ دیکھ کر اندر ہی اندر کڑھے، اور اس کا برا چاہنے لگے، اس برا چاہنے کی ایک شکل تو یہ ہوتی ہے کہ آدمی یہ خواہش کرتا ہے کہ اس کی یہ نعمت چھن جائے، یا اسے کوئی نقصان یا تکلیف پہنچے۔ اور دوسری شکل یہ ہوتی ہے کہ انسان اس کے خلاف بغض وعناد میں مبتلا ہوجاتا ہے، اور اس کے مقابلہ میں احساس کمتری کا شکار ہوکر عجیب عجیب حرکتیں کرنے لگتا ہے۔ حضور پاک ﷺ نے اس بیماری سے دل کو محفوظ رکھنے کی بہت تاکید فرمائی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ دیکھو حسد سے بچو، یہ نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے، دل کی یہ بیماری جس کو حسد کہا جاتا ہے، یہ دراصل ہمارے قلب وذہن کی ایک خرابی کا پتہ دیتی ہے کہ حسد کرنے والا اللہ تبارک وتعالیٰ کی تقسیم پر راضی نہیں ہے، جب کہ اگر ہم اپنے قلب وذہن میں تبدیلی پیدا کرلیں، تو کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی ہم اجر وثواب میں شریک ہوسکتے ہیں، اگر کسی کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل سے کوئی نعمت دے رکھی ہے اور وہ اس کو اللہ کے لئے اور اللہ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق خرچ کررہا ہے، تو ہم اس کے لئے دعا کرتے رہا کریں، اور زیادہ رضائے الٰہی میں استعمال ہونے کی اور دل میں یہ ارادہ اور نیت رکھیں کہ اگر اللہ نے مجھ کو بھی اپنے فضل سے یہ نعمتیں عطا فرمائیں، تو میں بھی اس کو اللہ کے لئے اور اللہ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق استعمال کروں گا، اگر یہ چند باتیں ہم اپنے اندر داخل کرلیں گے تو انشاء اللہ تعلقات خوش گوار رہیں گے، دل جڑے رہیں گے، اور آپس میں محبتیں قائم رہیں گی، صرف آپس میں محبتیں قائم ہی نہیں رہیں گی؛ بلکہ خدانخواستہ اگر تعلقات ٹوٹ گئے ہوں گے، دل پھٹ گئے ہوں گے، وہ بھی ان عملوں سے جڑ جائیں گے، مل جائیں گے؛ بلکہ پہلے سے زیادہ تعلقات میں خوش گواری آجائے گی، اول ہمیشہ اس حدیث پاک پر عمل کرنا، جس میں حضور پاک ﷺ نے مؤمن کی اس صفت کو ایمان کے لئے ایک لازمی شرک ٹھہرایا ہے: ''وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ''. اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، کوئی بندہ مؤمن

نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔تو تکلیف ہوتی ہے،اسی طرح دوسروں کے جذبات کو جب ہماری طرف سے ٹھیس پہنچے گی تو اس سے ان کو بھی تکلیف ہوگی۔المختصر ہم دوسروں کے لئے بھی وہی پسند کریں جو اپنے لئے پسند کرتے ہیں۔

عفو و درگذر

(۶) غلطیاں کس سے نہیں ہوتیں، ہم سے بھی ہوتی ہیں،صرف دوسروں سے ہی نہیں، اس لئے جب تک ہم ایک دوسرے کو معاف کرنے اور درگزر کرنے کی صفت اپنے اندر نہیں لائیں گے، اس وقت تک آپس کے جوڑ کے باقی رکھنے کی کوئی حقیقی بنیاد بھی نہیں بن سکتی ہے۔ (بعض حالات میں برابر سرابر بدلہ لینے کی اجازت اسلام نے ضرور دی ہے،لیکن معاف کرنے کو اسلام نے بہت ہی زیادہ پسند کیا ہے بعض مرتبہ ہم اسلام کی اسی تعلیم کا سہارا لے کر بدلہ لینے پر اتر آتے ہیں،اور بجائے اس کے کہ بدلہ برابری سرابری کا ہو،ہم زیادتی کر بیٹھتے ہیں،اور اینٹ کا جواب پتھر سے دے بیٹھتے ہیں،اور ابتداءً ہم مظلوم ہوکر خدا کی مدد کے مستحق ٹھہرتے ہیں،لیکن ثانیاً ہمارا عمل ہم کو ظالم بنا کر خدا کی مدد کے نہ آنے دینے کا سبب بن جایا کرتا ہے) درگزر کرنے پر اللہ تبارک وتعالیٰ صرف آخرت ہی میں نہیں صلہ دیں گے؛ بلکہ دنیا میں بھی اس کا صلہ عطا فرماتے ہیں، اور دشمن تک کو دوست بنا دیتے ہیں۔سورۂ حٰم سجدہ رکوع ۵ میں ارشاد ہے: نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، برائی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کرو کہ وہ بہت اچھا ہو تم دیکھ لوگے کہ تم میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ اب تمہارا دلی دوست بن گیا ہے،بعض دفعہ ہمارے قلب وذہن میں آتا ہے کہ ہم کتنی بار درگزر کریں اور معاف کریں۔سورۂ بقرہ ۱۰۹ میں عام لوگوں کو ہدایت فرمائی، پس معاف کردیا کرو،اور درگزر کرتے رہو، یہاں تک کہ اللہ کی طرف سے کوئی فیصلہ نہ ہوجائے۔

ملاقاتیں اور ہدیہ

(۷) بہت سی غلط فہمیاں ملاقاتوں اور ملنے جلنے سے ختم ہوجایا کرتی ہیں، آپس میں محبت

پیدا کرنے اور دلوں کو جوڑنے میں ہدیہ ایک مؤثر ذریعہ ہے، حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''ایک دوسرے کو ہدیہ بھیجا کرو، تو آپس میں محبت پیدا ہوگی اور دلوں کی دشمنی اور بعد دور ہو جائے گا''۔ (مشکوٰۃ شریف) ہدیہ کی اصل قیمت اس کی مالیت اور حیثیت نہیں؛ بلکہ دینے والے کا خلوص و محبت ہے۔

سلام

(۸) آپس کے تعلقات کو خوش گوار بنانے اور خوش گوار رکھنے کے لئے سلام انتہائی مفید ذریعہ ہے، سلام سلامتی اور عافیت کی ایک بہترین دعا ہے، لیکن ضروری ہے کہ سلام رسمی طور پر نہ کیا جارہا ہو؛ بلکہ شعوری طور سے، جب ہم سوچ سمجھ کر کسی کے بارے میں یہ کہیں کہ آپ پر سلامتی ہو، آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں، اور آپ سے ہر طرح کی مصیبت اور تکلیف دور رہے، جب یہ کلمات ہم کسی سے کہیں گے یا کوئی ہم سے کہے گا، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک دوسرے کے دل میں خیر خواہی کے جذبات نہ پیدا ہوں اور ایک دوسرے میں اور زیادہ قربت نہ پیدا ہو۔

دعاء

(۹) آپس میں جوڑ کے لئے ایک تیر بہدف تدبیر ایک دوسرے کے لئے اللہ سے دعا کا مانگنا ہے، جب ہم اپنے بھائی کی حاجت کے لئے اور اس کی ہدایت و اصلاح کے لئے اسی طرح اللہ سے دعا کریں گے، جس طرح خود اپنے لئے کرتے ہیں، تو یہ ممکن ہی نہیں کہ ایک دوسرے کے دل آپس میں قربت نہ محسوس کریں، اللہ تبارک وتعالیٰ جو انسان اور انسانی نفسیات کے خالق ہیں، ٹوٹے ہوئے تعلقات کو جوڑنے اور ناخوش گوار تعلقات کو خوش گوار بنانے، اور خوش گوار تعلقات میں اور زیادہ الفت و محبت بڑھانے کے لئے یہ دعا بتلائی ہے:

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ. (الحشر: ۱۰)

اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دیجئے، جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں، اور ہمارے دلوں میں مؤمنوں کی طرف سے کینہ وحسد نہ پیدا ہونے دیجئے، اے ہمارے رب! آپ بڑے شفقت کرنے والے اور بڑے مہربان ہیں۔

اللّٰھم الف بین قلوبنا واصلح ذات بیننا. اے اللہ! ہمارے دلوں میں الفت پیدا کردیجئے اور ہمارے باہمی تعلقات کو درست فرمادیجئے۔

یہ ساری باتیں علم سے نکل کر جب عمل میں آئیں گی تو انشاء اللہ اس کا نفع بھی سامنے آئے گا، اس کا سب سے بڑا نفع اجتماعی قلوب ہے اور ایک اسلامی معاشرے کی تشکیل ہے۔ (ایضاً ۱۵۴ تا ۱۱۶)

ایثار سے کام لیں

(۱۰) ایک بار حیاۃ الصحابہ کی تعلیم کے درمیان (جس کا گھر میں معمول تھا) فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک صفت یہ بھی تھی کہ وہ اپنے اوپر دوسرے کو ترجیح دئے جانے کی صورت میں بھی اجتماعیت سے الگ نہیں ہوتے تھے، فرمایا: انصار کی پوری جماعت سے آپ نے یہ فرمایا کہ میرے بعد تقسیم اموال اور حکومت کے معاملہ میں ترجیح دیکھو گے، یعنی غیروں کو تم پر ترجیح دی جائے گی، پس صبر کرنا یہاں تک کہ تم مجھ سے حوض کوثر پر ملو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات انصار کے معرفت قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو بتادی کہ ایسا جان بوجھ کر اور انجانے میں بھی ہوتا رہے گا، لیکن جس کے ساتھ یہ بات پیش آئے اس کو بجائے مطالبہ حقوق کا جھنڈا لے کر کھڑا ہونے کے صبر کا طریقہ اختیار کرنا چاہئے؛ تاکہ وہ بھی حوض کوثر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کر سکے۔

فرمایا: تاریخ اسلام کے اس مشہور واقعہ پر نظر ڈالیں، شاید اس سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی اس صفت کو سمجھنے میں آسانی ہو، جیش اسامہ رضی اللہ عنہ نے ابھی خندق پار نہیں کی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ لوگوں کو لے کر ٹھہر گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس جائیں اور ان سے ہمارے واپس آنے کی اجازت لیں کہ وہ مجھے اجازت دیں، تو سب لوگ مدینہ واپس چلے جائیں؛ کیوں کہ میرے ساتھ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لشکر میں ہیں، اور مجھے خطرہ ہے کہ کہیں مشرکین خلیفہ رسول پر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں اور مسلمانوں کے گھروں پر حملہ کردیں، اور جاتے وقت انصار رضی اللہ عنہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اپنی طرف سے ایک پیغام بھجوایا، اور انصار نے کہا کہ اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہمارے جانے ہی کا فیصلہ کریں تو ان کو ہماری طرف سے یہ

پیغام دے کر مطالبہ کریں کہ وہ ہمارا امیر ایسے آدمی کو بنادیں جو عمر میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے بڑا ہو، چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا یہ پیغام لے کر گئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جا کر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی ساری بات بتادی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر کتے اور بھیڑئے مجھے اچک لیں تو بھی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو واپس نہیں لے سکتا ہوں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھ سے انصار نے کہا تھا کہ میں آپ کو ان کا پیغام پہنچادوں کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ آپ ان کا امیر ایسے آدمی کو بنادیں جو عمر میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے بڑا ہو، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے، یہ سن کر ایک دم جھپٹے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی داڑھی پکڑ کر کہا اے ابن الخطاب تیری ماں تجھے گم کرے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ان کو امیر بنایا ہے اور تم مجھ سے کہہ رہے ہو کہ میں ان کو امارت سے ہٹادوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں سے نکل کر لوگوں کے پاس آئے، لوگوں نے پوچھا کہ آپ کیا کر آئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا چلو اپنا سفر شروع کرو، تمہاری مائیں تمہیں گم کریں، آج تو مجھے تمہاری وجہ سے خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سب کچھ برداشت کرنا پڑا۔ (ایضاً: ۱۸۷تا۱۸۹)

باہمی ربط وتعلق کی روشن مثال

حضرت شیخ الاسلامؒ اور حضرت حکیم الاسلامؒ کے کردار کے آئینہ میں

احقر نے شعور آنے کے بعد جن بزرگوں کا تذکرہ اپنے کانوں سے عظمت کے ساتھ سنا، ان میں ایک اہم شخصیت حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کی بھی تھی، جن کو ''حضرت مہتمم صاحب'' کے نام سے جانا جاتا تھا۔ ہمارے بچپن کا ابتدائی شعور کا زمانہ امروہہ میں گذرا، جہاں کے قدیم مدرسہ ''جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ'' میں والد مکرم حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب زید مجدہم تدریسی خدمات پر مامور تھے، یہ ۱۹۷۰ء سے ۱۹۸۰ء کے درمیانی عرصہ کی بات ہے، اس عرصہ میں متعدد بار حضرت مہتمم صاحب رحمۃ اللہ علیہ دمہ دارانِ مدرسہ کی دعوت پر مدرسہ کے سالانہ جلسہ دستار بندی وختم بخاری شریف میں تشریف لائے۔ جب آپ تشریف لاتے تو آپ کے بیان کو سننے کے لئے عوام وخواص کا بہت بڑا اجتماع جمع ہوجاتا، امروہہ کی عظیم جامع مسجد باوجود وسعت دامانی کے تنگ پڑ جاتی، اسٹیج پر الگ سے تخت بچھا کر اس کے اوپر آپ کی کرسی رکھی جاتی؛ تاکہ حاضرین آپ کی زیارت سے مشرف ہوسکیں، پھر جب آپ کا بیان شروع ہوتا تو اس کی مٹھاس کا تو پوچھنا ہی کیا؟ دو ڈھائی گھنٹہ مسلسل اور بلا تکان انتہائی آسان اور ہلکے؛ بلکہ پھلکے انداز میں وقیع مضامین پر مشتمل علوم ومعارف کا فیضان جاری رہتا، اور پورا مجمع دم بخود ہوکر ہمہ تن گوش ہوتا۔ درمیان میں کبھی لوگ کسی نادر نکتہ پر بے اختیار عش عش کر اٹھتے تو کبھی کسی لطیفہ پر لطیف مسکراہٹ پھیل جاتی۔ الغرض شروع سے آخر تک بیان میں ایسی دل چسپی قائم رہتی کہ جو شخص جہاں ہوتا وہیں جما رہتا اور گویا سانس روک کر تقریر سنتا رہتا۔

آخری مرتبہ آپ ۱۹۸۰ء میں تشریف لائے، اچانک آمد کا پروگرام بنا تھا، اس لئے رات ہی کو شہر

میں اعلان کرایا گیا اور چوں کہ سردی کا زمانہ تھا اس لئے صبح دس بجے ہلکی ہلکی دھوپ میں جامع مسجد کے صحن میں آپ نے بڑے مجمع کو اسی شان سے خطاب فرمایا۔ حضرت موصوف جب امروہہ تشریف لاتے تو اکثر حضرت والد صاحب مدظلہ ناشتہ میں حضرت کو مدعو فرماتے، حضرت بڑی بشاشت سے تشریف لاتے، آخری مرتبہ جب گھر تشریف لائے تو فرمایا کہ: ''جس طرح یہ نہیں ہوسکتا کہ بمبئی جاؤں اور ''بجیہ'' (حضرت قاری صاحبؒ کی صاحب زادی جو حضرت مولانا حامد الانصاری سے منسوب تھیں اور بمبئی میں مقیم تھیں، جن کا قلمی نام ''ہاجرہ نازلی'' ہے) کے یہاں نہ جاؤں، اسی طرح یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ امروہہ آؤں اور ''عمرانہ'' (احقر کی والدہ مکرمہ صاحب زادی حضرت شیخ الاسلامؒ) کے یہاں نہ جاؤں، اسی جملہ سے آپ کی حضرت شیخ الاسلامؒ اور ان کے خاندان سے انسیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ رواداری، خاطر داری اور خاندانی وطبعی شرافت آپ کے چہرے مہرے سے عیاں رہتی تھی اور اوپر سے حسن صورت اور حسن تکلم کی بنا پر آپ کی زیارت کرنے والا متأثر ہوئے بغیر نہ رہتا تھا۔ ۱۹۸۱ء میں ہم لوگ دیوبند آگئے، تا آنکہ ۱۹۸۲ء میں علوم قاسمی وولی اللہی کا یہ امین اور علم وعمل کا نیر تاباں دیوبند میں غروب ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کے عظیم جنازہ میں شرکت کی احقر کو بھی سعادت ملی جو آج تک ذہن کے نہاں خانوں میں محفوظ ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت موصوفؒ کو اعلیٰ ترین درجات پر فائز فرمائیں اور آپ کا نام دارین میں روشن فرمائیں، آمین۔

احقر اپنے اس مقالہ میں صرف حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ اور حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے آپسی ربط واعتماد پر کچھ روشنی ڈالنا چاہتا ہے۔ یہ دونوں اکابر متواتر ۳۲؍سال ادارہ سے وابستہ رہے اور دونوں ہی حضرات کا دارالعلوم دیوبند کے نظم وانتظام میں دخل رہا، حضرت حکیم الاسلامؒ اگرچہ عمر میں حضرت شیخ الاسلامؒ سے ۱۹؍سال چھوٹے تھے، لیکن خانوادۂ قاسمی کے فرد فرید اور دارالعلوم کے مہتمم ہونے کے اعتبار سے حضرت شیخ الاسلامؒ نے آپ کے ساتھ جس شفقت ومحبت کا معاملہ فرمایا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ دوسری طرف حضرت حکیم الاسلامؒ نے جس نیازمندی اور حسن تدبیر سے تمام تر نزاکتوں کا خیال رکھتے

ہوئے اس طویل عرصہ رفاقت کو جس طرح یادگار بنایا وہ بھی آنے والوں کے لئے نمونہ عمل ہے۔

حضرت شیخ الاسلامؒ ۱۳۴۶ھ میں دارالعلوم دیوبند کے منصب صدارت تدریس پر فائز ہوئے، اس وقت حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب نائب مہتمم تھے، اس کے تین سال بعد ۱۳۴۸ھ میں آں موصوف کو دارالعلوم کے منصب اہتمام پر فائز کیا گیا، حضرت قاری صاحب خود فرماتے ہیں کہ: ’’جب مجھے مہتمم بنایا گیا تو میں دارالاہتمام میں جا کر ایک کونہ میں پھوہڑی بچھا کر بیٹھ گیا، مجھے شرم آئی کہ میں اپنے بزرگوں کی جگہ پر بیٹھوں‘‘۔ اسی دوران حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ تشریف لائے اور فرمایا کہ: ’’ان سخن سازیوں سے بات نہیں چلے گی اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے مسند اہتمام پر بٹھا دیا، حضرت مدنیؒ بہت ہی مشفق بزرگ تھے‘‘۔ (بروایت عبدالرشید ارشد بیس مردان حق ۹۲/۲-۷)

اس کے بعد ملک کی تحریکات کا دور دورہ شروع ہوا جس کے اثرات سے دارالعلوم کی انتظامیہ بھی متأثر بغیر نہیں رہ سکی، مگر ان تمام مواقع پر حضرت شیخ الاسلامؒ حضرت مہتمم صاحبؒ کے سب سے بڑے پشت پناہ بن کر سامنے آئے اور سخت سے سخت حالات میں بھی مسلسل سرپرستی اور تسلیوں کا سلسلہ جاری رکھا، حتیٰ کہ تحریکات کے سلسلہ میں جب حضرت شیخ الاسلامؒ جیلوں میں رہے تو بعض وجوہ سے دونوں کے درمیان بداعتمادی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی، لیکن جلد ہی براہِ راست مکاتبت سے اعتماد بحال ہوگیا، اس موقع پر حضرت شیخ الاسلامؒ نے جیل سے حضرت مہتمم صاحبؒ کے نام تسلی کا ایک خط لکھا جس کے الفاظ یہ تھے: ’’میرے محترم! قومی واجتماعی کاموں میں ایلوے کے گھونٹ پینے پڑتے ہیں؛ بلکہ جس قدر زیادہ خدمات انجام دینی ہوتی ہیں اُسی قدر زیادہ صبر وتحمل کی ضرورت ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو بہت ہی زیادہ مصائب کا سامنا ہوتا ہے اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً اَلْأَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ. شاہد عدل ہے، قرآن میں جس قدر صبر کے لئے آیات ہیں کسی اور خلق اور عمل کے لئے نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت بڑا منصب دیا ہے اس میں آپ کو بہت زیادہ تحمل اور صبر کی ضرورت ہے اور بہت زیادہ خدمت خلق کا موقع ہے، جس طرح آپ کے لئے خدماتِ مفوضہ کو باحسن الوجوہ انجام دینے پر بہت زیادہ اجر وثواب بھی

ہے......الخ‘‘۔آگے مزید فرمایا:’’مت گھبرایئے!اور صبر واستقلال اور عالی ہمتی اور خوش دلی کے ساتھ اس باغ محمدی علیہ السلام کو سرسبز شاداب کیجئے، فیوض قاسمیہ کو چار دانگ عالم میں منتشر کیجئے، ٹھوکریں لگیں تو آہ نہ کیجئے ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾۔

صبر کن حافظ بسختی روز و شب

عاقبت روز بیابی کامرا

اخلاص وللّٰہیت اور خشیت کو ہاتھ دل اور زبان میں محفوظ رکھئے، یہی قاسمیت ہے، یہی رشیدیت ہے، یہی امدادیت ہے، کان اللّٰہ فی عونکم۔زمانہ کی تیز وتند ہوائیں چلیں گی، سمندروں کی موجیں تھپیڑے ماریں گی، خواہشات کے زلزلے آئیں گے، اصحابِ اغراض جھڑ جھڑائیں گے، مگر آپ کو ہمالیہ بننا چاہئے، پرواہ مت کیجئے اور سعی پیہم میں مردانہ گامزنی کرتے رہئے۔حضرت قاسم قدس سرہ العزیز نے اگر لوگوں کی چلمیں بھر بھر کر اور پاؤں دبا دبا کر ان کو راہ پر لانے کا شیوہ اختیار کیا تھا تو ان کے اخلاف صدق کو بھی اس میں عار نہ آنی چاہئے اور نہ گھبرانہ چاہئے اور ہمت بلند ہی رہنی چاہئے، حسن تدبیر اور حکمت صدق کو اختیار کر کے سلف صالح اور ان کے فیض کو زندہ کرنا چاہئے، ہم ناکارے بدنام کنندہ نکونام آپ کے ساتھ ہیں، حسب طاقت خدمات انجام دیتے ہیں اور انشاء اللہ دیں گے‘‘۔واللّٰہ یھدینا وایاکم لما یحبہ ویرضاہ، آمین۔(مکتوبات شیخ الاسلام ۲/۱۹۵تا۱۹۹)

۳۲؍سال کا طویل عرصہ ان دونوں اکابر نے جس خوش اسلوبی کے ساتھ نبھایا، اس کا راز حضرت شیخ الاسلامؒ کے درج ذیل مکتوب میں مضمر ہے: حضرت موصوف مہتمم صاحب کے نام اپنے ایک والا نامہ میں ارشاد فرماتے ہیں:’’ہم تینوں کا اشتراک عمل مدرسہ کی بہبود اور ترقی کے لئے ضروری ہے......الخ‘‘۔ پھر فرمایا:’’دارالعلوم کی بہبود اور ترقی کے لئے ہم تینوں میں سے ہر ایک کو ایک دوسرے کی حاجت ہے، آپ اور میں سر جوڑ کر ہم اپنی جدوجہد جاری رکھیں، تمام امور مہمہ میں مشورہ کریں اور یکجہتی سے کام لیں، صاف دلی کے ساتھ دوسرے کے مشورہ کو قبول کریں، کبھی اپنی رائے پر ہٹ نہ کریں، جو مفید اور حق بات ہو قبول کریں، خواہ اپنی رائے اس کے خلاف ہی ہو، اپنی

بات کی پچ نہ ہونی چاہئے، جیسا کہ حضرت نانوتوی قدس سرہ العزیز کی ہدایت ہے۔ منفرد ہوکر یا آمر وڈکٹیٹر بن کر کام نہ چلائیں، میں نے اپنے کو آج تک امور مدرسہ بالخصوص انتظامات میں اسی درجہ کا سمجھا ہے اور جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے کہ ممبروں نے بھی ہم تینوں کو یہی درجہ دیا ہے، بحیثیت اہتمام اگرچہ قوتِ عاملہ آپ کے ہاتھ میں ہے اور تھی، مگر یہ قید کہ تینوں کی رائے کا اعتبار ہو اور اختلاف کی صورت میں کثرتِ رائے کا اعتبار ہو، اسی لئے تھی، ممکن ہے کبھی آپ نے میرے اکھڑ پنے کی وجہ سے یہ خیال فرمایا ہو کہ یہ اپنی بات منوانا چاہتا ہے اور آمریت کو عمل میں لاتا ہے، مگر میرے دل میں کبھی مشورہ سے زیادہ کا خیال نہیں رہا ہے، اور بسا اوقات میں نے اپنی رائے کے خلاف آپ حضرات کی رائے کے سامنے سر جھکایا ہے''۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ۲/۲۰۰ تا ۲۰۲) یہ مکتوب تمام ہی اجتماعی اداروں اور جماعتوں کے لئے نقشۂ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت شیخ الاسلامؒ خانوادۂ قاسمی کے انتہائی قدرداں تھے، جس کا اظہار حضرت مہتمم صاحب کے نام اپنے ایک مکتوب میں اس طرح فرمایا ہے: ''میں ہمیشہ کا خادم ہوں مگر نالائق، آپ حضرات بالخصوص حضرت نانوتوی قدس سرہ العزیز کے خاندان کا خیرخواہ ہوں مگر اکھڑ دریوزہ گر ہوں، ناکارہ غلام ہوں مگر بے وقوف، میری عین خواہش ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاف اس طریقہ پر مضبوطی سے قائم رہیں جس پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ چلتے رہے اور جس پر ہم دور افتادوں کو چلایا...... الخ''۔ میرا کبھی بھی یہ خیال نہیں ہے کہ معاذ اللہ خاندانِ قاسمی کو کوئی گزند پہنچے ارادہ وعمل تو درکنار، اگر کسی بات سے یہ انتزاع کیا جائے تو غیر صحیح ہوگا۔ (مکتوباتِ شیخ الاسلام ۲/۲۰۵)

الغرض حضرت شیخ الاسلامؒ اور حضرت حکیم الاسلامؒ دونوں نے مل کر دارالعلوم دیوبند کو اپنے دور میں جو عروج بخشا وہ تاریخ کا ایک زریں باب ہے، شیخ الاسلامؒ کے دل میں حضرت حکیم الاسلامؒ کی کتنی قدر و قیمت تھی اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ تقسیم ہند کے موقع پر حضرت حکیم الاسلامؒ پاکستان تشریف لے گئے تھے اور وہاں قیام اتنا طویل ہوگیا کہ واپسی کی تاریخیں نکل گئیں اور بعد میں جو واپسی کی کوشش کی گئیں وہ سب ناکام ثابت ہوئیں، جب یہ خبر حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کو ملی تو آپ سخت بے چین ہوگئے اور آپ نے حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب

سیوہارویؒ ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند کو مکلّف کیا کہ وہ حضرت قاری صاحب کی ہندوستان واپسی کی اجازت حاصل کریں، انہوں نے اپنی سی کوششیں کیں، لیکن کوئی کامیابی نہیں ملی، تو مجبور ہوکر حضرت شیخ الاسلامؒ نے دہلی کا سفر فرمایا اور بنفس نفیس امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ وزیر تعلیم حکومت ہند سے ملاقات کر کے ان پر زور ڈالا کہ وہ حضرت مہتمم صاحب کی ہندوستان واپسی کے لئے اپنے ذرائع استعمال کریں، مولانا آزادؒ نے شروع میں حضرت کو بہت سمجھانے کی کوشش کی کہ: ''مولانا! قاری صاحب پاکستان ہی میں بہتر ہیں، ان کو وہیں رہنے دیں واپس نہ بلائیں''، مگر یہ سن کر حضرت شیخ الاسلامؒ نے نہایت جلال سے ارشاد فرمایا کہ: ''ان کو ہر حالت میں ہندوستان بلوانا ہے اور آپ اس معاملہ میں لیت ولعل نہ کریں''، چناں چہ مولانا آزادؒ نے وزیر اعظم ہند جواہر لال نہرو سے رابطہ کیا اور ان سے حضرت قاری صاحبؒ کی واپسی کا پروانہ حاصل کیا، جس کی وجہ سے حضرت قاری صاحب کی واپسی ممکن ہوسکی، جب حضرت قاری صاحب دارالعلوم واپس تشریف لائے تو آپ کے استقبال میں دارالحدیث میں ایک استقبالیہ جلسہ منعقد کیا گیا، جس میں حضرت شیخ الاسلامؒ نے اپنی خیر مقدمی تقریر کا آغاز اس بلیغ شعر سے کیا:

اے تماشا گاہِ عالم روئے تو

تو کجا بہر تماشا می روی

اور دورانِ تقریر فرمایا: ''ہمارے محترم بزرگ حضرت مہتمم صاحبؒ گو عمر میں مجھ سے چھوٹے ہیں، مگر ان کو خاندانی جو نسبت حاصل ہے اور ان کا جو منصب ہے اس کے اعتبار سے وہ ہمارے سب کے سردار ہیں، ہمارے لئے افسوس کا موقع تھا کہ وہ دوسری جگہ پاکستان رہ جاتے اگرچہ جانا عارضی تھا، مگر یہ افواہیں سن سن کر کہ اب واپسی نہیں ہوگی ہم کو تکلیف ہوتی تھی مگر:

یوسف گم گشتہ باز آید بکنعاں غم مخور

الحمدللہ! ہمارے صدر مہتمم صاحبؒ حضرت نانوتویؒ کی آنکھوں کے تارے تشریف لے آئے ہیں، ہم جس قدر بھی خوشی کا اظہار کریں کم ہے، ان کا قیام اگر پاکستان میں ہوتا تو بھی فیض

سے خالی نہ ہوتا، مگر ہمارے لئے قلق کا باعث ہوتا، آپ کے لئے سرچشمہ فیض خانہ کعبہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ (خطباتِ حکیم الاسلام ۹/۲۹۴)

جوابی تقریر میں حضرت مہتمم صاحب نے اپنے خطاب کے آغاز میں حضرت مدنیؒ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ شعر پڑھا:

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل

نسیم صبح تیری مہربانی

اور پھر ایک طویل خطاب فرمایا جس کے اخیر میں یہ بھی الفاظ تھے: ''میرے اصرار واپسی کو دیکھتے ہوئے بعض لوگوں نے یہ بھی کہا کہ آپ کے قلب میں توحش کی بنا در حقیقت حضرت شیخ مدنی کا تصرف ہے، جو وہاں بیٹھ کر وہ وہاں کر رہے ہیں اور اس لئے آپ یہاں سے اکھڑ رہے ہیں۔ باقی اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس وقت کی حاضری حضرت شیخ کی ظاہری و باطنی توجہ؛ بلکہ تصرف سے ہوئی......الخ''۔ (خطباتِ حکیم الاسلام ۹/۳۰۶)

ایک طرف حضرت شیخ الاسلامؒ کا یہ مشفقانہ برتاؤ تھا تو دوسری طرف حضرت حکیم الاسلامؒ نے بھی خلوص ومحبت کے اظہار اور عقیدت وتعلق میں کسی قسم کی کمی نہ آنے دی، موصوف ہر اہم معاملہ میں حضرت شیخ الاسلامؒ سے مشورہ لیتے اور حتی الامکان ان کی رائے کا احترام فرماتے تھے، اور انہیں اپنا مربی اور سرپرست خیال فرماتے تھے، آپ کی نظر میں حضرت شیخ الاسلامؒ کی کیا قدر و قیمت تھی اس کا اندازہ درج ذیل اقتباسات سے لگایا جاسکتا ہے:

(۱) اپریل ۱۹۴۴ء میں جمعیۃ علماء صوبہ سندھ کے منعقدہ حیدرآباد سندھ کا معرکۃ الآراء خطبہ صدارت پیش کرتے ہوئے آپ نے حضرت شیخ الاسلامؒ کے بارے میں یہ کلمات ارشاد فرمائے، جب کہ اس وقت حضرت شیخ الاسلامؒ نینی جیل میں نظر بند تھے: ''حضرت شیخ الہندؒ کی اس سیاسی اولاد اور جمعیۃ علماء ہند کے ذمہ دار رہنماؤں کے سلسلہ میں آپ کی نگاہیں حضرت امیر الہند مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کو بھی یہاں تلاش کر رہی ہیں، اور آپ کے قلوب ان کی ذات سے لگے ہوئے ہیں، اور وہ

کتنی ہی مختلف جیلیں کاٹنے کے بعد آج نینی تال جیل بیٹھے ہوئے اللہ کی تقدیر مبرم کا انتظار کررہے ہیں۔ حضرت محترم اس وقت جمعیۃ علماء کے صدر اور مسلمانوں میں قافلہ آزادی کے سالار کارواں ہیں، حضرت ممدوح اس وقت حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم کے پیدا کردہ جذبات کے امین، حضرت مولانا حاجی امداد اللہ قدس سرہ العزیز مہاجر مکی کے مجاز، حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ کے خلیفہ اور حضرت شیخ الہندؒ کے شہرۂ آفاق شاگرد و جانشین ہیں، ان کے عزم اور قربانیوں سے کوئی ناواقف نہیں، ممدوح کے سیاسی خیالات سے اختلاف کیا جاسکتا ہے، لیکن ان کے جذبہ اخلاص وایثار سے ان کے مخالف بھی انکار نہیں کر سکتے''۔ (خطبات حکیم الاسلام ۸/۱۷۲)

(۲) حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر روزنامہ ''الجمعیۃ'' نے خصوصی نمبر نکالا تھا، جس کے اہم ترین مشمولات میں حضرت حکیم الاسلامؒ کا تعزیتی مضمون بھی تھا، اس میں حضرت حکیم الاسلامؒ نے انتہائی شاندار انداز میں حضرت شیخ الاسلامؒ کو خراج عقیدت پیش کیا ہے، جس کی ایک جھلک درج ذیل الفاظ سے معلوم ہوسکتی ہے۔ حضرت حکیم الاسلامؒ نے فرمایا کہ: ''حضرت شیخ ایشیاء کی سب سے بڑی جامعہ (دارالعلوم دیوبند) کے شیخ اکبر، جمعیۃ علماء ہند کے صدر، جماعت دیوبند کے عظیم روحانی رہنما اور جماعت دیوبند کی سوسالہ تاریخ کی اس صدی کی آخری کڑی تھے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد دارالعلوم دیوبند کے قیام سے جس تعلیمی، دینی، روحانی اور اجتماعی تحریک کا آغاز ہوا تھا، اس کے کئی انقلابوں اور دوروں کی تکمیل مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات سے ہوکر اس ۱۹۵۷ء ہی پر ان کی انتہاء ہوگئی۔ ۱۸۵۷ء کے بعد اس کی ابتدائی کڑی حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات تھی، جس سے اس نئے دور کا آغاز ہوا، درمیانی کڑی حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ تھے، جنہوں نے اسے شباب تک پہنچایا اور آخری کڑی حضرت شیخ الاسلامؒ تھے، جنہوں نے اسے انتہاء تک پہنچایا اور اس طرح ۱۸۵۷ء سے ۱۹۵۷ء تک سو برس کے عرصہ میں اس تحریک کا ایک دور مکمل ہوکر ختم ہوگیا۔ حضرت ممدوح کی وفات اس صدی کا سب سے بڑا المناک سانحہ اور ایک عظیم علمی نقصان ہے، جس کی تلافی بظاہر اسباب مشکل ہے، جامع ہستیاں دیر سے بنتی ہیں اور اُٹھ جاتی ہیں تو

ان کی جگہ لمبی مدت تک خالی پڑی رہتی ہے۔

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حضرت ممدوح کی ہستی نادر روزگار ہستی، عزم وثبات، ہمت مردانہ، اٹل ارادہ، علم وبصیرت اور ایمانی فراست کا ایک متحرک پیکر تھی، آپ نے آج کے لادینی اور مادی دور میں جن دینی، اخلاقی اور علمی اصولوں کا دائرہ خواص وعوام کے لئے وسیع کیا اور انسانیت کی جن قدروں کو اجاگر کیا، دنیا ان پر ہمیشہ فخر کرے گی۔ شیخ الاسلامؒ اسلامی علوم ومعارف اور ایشیائی فنون وآداب کے علم بردار تھے اور آپ کی ہمت ظاہری وباطنی سے ملک اور ملک کے باہر ہزاروں علماء اس علمی امانت کے امین بن گئے جو اس مرکز علم وفن دارالعلوم دیوبند سے آپ کی بدولت نشر ہوتی رہی، آپ اپنے اساتذہ وشیوخ کے ابتدا ہی سے معتمد علیہ اور مرکز توجہ رہے اور بلا استثناء ان کے تمام اکابر وشیوخ انہیں اطمینان واعتماد اور امید بھری نگاہوں سے دیکھتے رہے اس لئے آپ مختلف ماہر فن اساتذہ وشیوخ کی علمی وعملی یادگار رہتے، قرآن وحدیث، فقہ وتفسیر، ادب وخطابت، منطق وفلسفہ کی مہارت وحذافت آپ کے قول وفعل سے نمایاں رہتی تھی، آپ کی اس جامعیت نے علمی دنیا کو جو فائدہ پہنچایا اس پر صدیوں کام ہوتا رہے گا اور دنیا اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتی رہے گی''۔ (روزنامہ ''الجمعیۃ'' شیخ الاسلام نمبر ۲۳)

بہر حال اس مختصر مضمون میں سب باتوں کا احاطہ تو نہیں کیا جا سکتا؛ لیکن جس قدر بھی اقتباسات پیش کئے گئے ہیں ان سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں ہے کہ ان دونوں اکابر نے کس طرح باہمی رواداری اور اعتماد کے ساتھ زندگی گزاری ہے؟ اس کی مثال ڈھونڈے سے بھی نہیں ملے گی۔

ان اکابر کا یہ سلوک آنے والی نسلوں کے لئے نمونہ عمل اور مشعل راہ ہے، اگر صدق دلی کے ساتھ ان باتوں پر غور کیا جائے تو زندگی سے نفسانیت کا خاتمہ ہو جائے گا اور ہر شخص اپنی جگہ مطمئن رہ کر دین کی خدمت انجام دینے کی کوشش کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اکابر کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین۔ (ندائے شاہی جولائی ۲۰۰۷ء)

اجتماعیت برقرار رکھیں!

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں الگ الگ صلاحیتیں رکھی ہیں، کسی کو انتظام میں کمال ہے تو کسی کو رابطہ اور تعلقات کا فن آتا ہے، کوئی تدریس کا ماہر ہے تو کسی کو تصنیف وتالیف کا ذوق ہے، کوئی تجارت میں طاق ہے تو کوئی سیاست میں یکتا ہے وغیرہ۔ ایسا بہت شاذ ونادر ہی ہوتا ہے کہ ایک شخص ہر طرح کی صلاحیتوں کا جامع ہو، اور وہ بیک وقت ہر میدان کی ذمہ داریاں بحسن وخوبی انجام دے لے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ یہ ''جامعیت'' کمزور انسان کے بس کی بات ہے ہی نہیں، یہ تو انبیاء علیہم السلام کی شان ہے، یا بہت ہی خاص موفق من اللہ افراد میں پائی جاتی ہے۔ ہر ایک کو اس معاملہ میں ان کی ریس نہیں کرنی چاہئے؛ تاہم ضرورت اس بات کی ہے کہ ''تقسیم کار'' کا راستہ اپنایا جائے اور ہر کام کے ماہر کو اپنے دائرۂ اثر میں پوری آزادی اور حوصلہ کے ساتھ کام کرنے کا موقع دیا جائے، اور موقع بموقع ایک دوسرے کی حوصلہ افزائی کی جاتی رہے، اور وقت پڑنے پر سب صلاحیت والے اپنے اپنے انداز میں ایک دوسرے کے معاون بن جائیں، تو اس طریقہ سے ہر اجتماعی کام خوبی کے ساتھ انجام پاسکتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک کارخانہ ہے جس میں مختلف کاموں پر مختلف افراد مامور ہوتے ہیں، کسی کو حساب وکتاب کی ذمہ داری ہے، کسی کو مال تیار کرنے کی ذمہ داری ہے، کسی کا کام حفاظت کرنے کا ہے وغیرہ، تو یہ کارخانہ اسی وقت ترقی کی راہ پر قائم رہ سکتا ہے جب کہ تمام صلاحیت والے افراد اپنے اپنے کاموں میں لگ کر ذمہ داریاں بجالاتے رہیں۔ اس کے برخلاف اگر ملازمین اپنا کام چھوڑ کر دوسرے کا کام کرنے کی کوشش کریں گے تو یقیناً کام میں نقص آئے گا، اور کارخانہ روبہ زوال ہوجائے گا۔

بعینہٖ یہی حال دینی وملی شعبوں کا ہے کہ جس کے اندر جو امتیازی صلاحیت ہے وہ اسی کے ذریعہ ملت کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرے، اور دوسرے شعبہ کی ذمہ داری اس کے ماہرین کے

حوالہ کردے اور موقع پڑنے پر آپس میں تعاون وتناصر اور خیر خواہی کا مظاہرہ کیا جاتا رہے، تو پھر دیکھئے کیسے شاندار انداز میں کام ہوتا ہے۔

جذبۂ ایثار کی ضرورت

اب اگر بالفرض کسی ایک شعبہ کی ذمہ داری انجام دینے میں تقابل کی نوبت آجائے اور ہر فریق مخلصانہ طور پر یہ خیال کرے کہ میں ہی اس کام کو بہتر انداز میں انجام دے سکتا ہوں، اور اگر میں نے انجام نہ دیا تو کام خراب ہو جائے گا، تو تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ ایسی صورت میں مقابلہ آرائی کی راہ اپنانے سے فریقین کا نقصان ہو یا نہ ہو، مگر دین کا بہت نقصان ہوتا ہے، اور اربابِ دین کی رسہ کشی کی زہرناک لہریں اوپر سے نیچے تک ملت کی جڑوں کو کمزور کرنے کا سبب بن جاتی ہیں، اور محبت وخیر خواہی کے بجائے نفرت وعداوت اور بغض کی ایسی ہوائیں چل پڑتی ہیں کہ بھائی بھائی کے دل اور چہرے بدل جاتے ہیں۔ اس بدترین نقصان سے بچنے کا واحد حل اہل اخلاص کی نظر میں ایثار وقربانی کے سوا کچھ نہیں ہے، یعنی کوئی ایک فریق محض اللہ کی رضا کے لئے اپنے دعوے سے دست بردار ہو جائے، اور فیما بینہ وبین اللہ دیانت کے ساتھ ذمہ داری دوسرے کے حوالہ کردے، بالفرض اگر اس میں کچھ نقصان نظر بھی آرہا ہو، مگر وہ افتراق بین المسلمین کے بدترین نقصان سے پھر بھی کم ہوگا۔

سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا مثالی کردار

اس سلسلہ میں ہمارے لئے ایک روشن مثال جگر گوشۂ نبوت، محبوبِ رسالت، نوجوانانِ جنت کے سردار سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی ہے کہ آپ نے جب یہ محسوس کیا کہ مسلمانوں کی خوں ریزی اجتماعیت کے بغیر نہیں رک سکتی تو آپ خلیفۂ راشد ہونے کے باوجود اپنے حق خلافت سے دست بردار ہوگئے اور بخوشی اسلامی حکومت سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے فرما کر ہزاروں مسلمانوں کو خوں ریزی سے بچالیا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کے بعد سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا ہے وہ انسانی تاریخ کا ایک یادگار خطبہ کہلائے جانے کے لائق ہے۔ آپ نے حمد وثنا اور پیغمبر علیہ السلام پر درود

شریف پڑھنے کے بعد ارشاد فرمایا:

''اے لوگو! سب سے بڑی عقل مندی تقوی اور پرہیز گاری ہے، اور سب سے بڑی حماقت فسق و فجور ہے، یہ بات آپ لوگوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میرے نانا جان (جناب رسول اللہ ﷺ) کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آپ حضرات کو ہدایت سے نوازا، گمراہی اور جہالت سے نکالا اور ذلت کے بعد عزت سے نوازا، اور اہل ایمان کی قلت کو کثرت سے بدل دیا۔ بات یہ ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے میرے اس حق میں نزاع کیا جس میں ان کا کوئی حق نہ تھا؛ (یعنی خلافت کے دعوے دار ہوئے) لیکن میری نظر امت کی صلاح اور فتنہ کو فرو کرنے پر ہے، اور آپ لوگوں نے میرے ہاتھ پر اس بات کی بیعت کر رکھی ہے کہ میں جس سے صلح کروں اس سے آپ کی بھی صلح ہے اور میں جس سے جنگ کروں اس سے آپ کی بھی جنگ ہے، چناں چہ اب میں مناسب سمجھتا ہوں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرلوں اور میرے اور ان کے درمیان جو جنگ چل رہی ہے اسے بند کردوں، پس میں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی ہے، اور میرے خیال میں خوں ریزی کے مقابلہ جانوں کی حفاظت زیادہ بہتر ہے، اور میرا منشا صرف آپ حضرات کی بھلائی اور حفاظت ہے، اور میں نہیں جانتا کہ یہ آپ کے لئے کچھ وقت کی آزمائش اور برتنے کا موقع ہو''۔ (الصواعق المحرقہ ۲۱۰)

سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے یہ تاریخی صلح فرما کر اپنے نانا جان سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی اس بشارت کی تکمیل فرمائی، جو آپ نے ایک روز منبر نبوی پر بیٹھ کر آپ رضی اللہ عنہ طرف اشارہ کرتے ہوئے سنائی تھی کہ:

إِنَّ ابْنِي هٰذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهٖ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ. (البداية والنهاية ٤/٤٠٥)

یہ میرا بیٹا سردار ہے، اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے مابین مصالحت فرمائیں گے۔

صلح کے لئے بڑی ہمت چاہئے

وقت آنے پر صلح کرنا مقابلہ آرائی سے بڑھ کر ہمت کا کام ہے، خاص کر اس وقت جب کہ

صلح پر آمادہ فریق بجائے خود طاقت ور ہو تو اس وقت صلح کی پیش کش بڑے دل گردے کو چاہتی ہے؛ کیوں کہ آدمی کے اردگرد لگے ہوئے مفاد پرست اور خود غرض لوگ سب سے زیادہ صلح میں آڑے آتے ہیں، اگر آدمی جواں ہمت نہ ہو تو مفاہمت کی راہ ہرگز کھل نہیں سکتی؛ صرف متعلقہ فریق کی بلند ہمتی ہی اس راہ کو آسان کرسکتی ہے۔ چناں چہ سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی یہی صورت پیش آئی کہ مصالحت کے وقت آپ کے حامیوں کی بڑی بھاری تعداد آپ کے اردگرد جمع تھی، اور وہ سب جنگ کے لئے پرجوش تھے، مگر آپ نے اپنے حامیوں کی پروا نہ کرتے ہوئے حتی کہ اپنے برادر عزیز سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی رائے کے علی الرغم صلح کا راستہ اختیار فرمایا۔ اس صلح پر آپ کو بہت طعنے سننے پڑے؛ چناچہ جب آپ صلح کے بعد کوفہ میں داخل ہوئے تو ایک شخص نے آپ کو "یَا مُذِلَّ الْمُؤْمِنِیْنَ" (مسلمانوں کو ذلیل کرنے والا) کہہ کر پکارا، تو آپ نے جواب دیا کہ: "میں مسلمانوں کو ذلیل کرنے والا نہیں ہوں؛ بلکہ بات یہ ہے کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ اپنی حکومت کے لئے مسلمانوں کی خوں ریزی کا سبب بنوں"۔ اس کے بعد آپ کوفہ سے مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئے تو راستہ میں جابجا قبائل کے لوگوں نے صلح کی بنیاد پر آپ پر سخت تنقید کی؛ لیکن آپ اپنے فیصلہ پر پورے شرح صدر کے ساتھ مطمئن رہے اور کسی قسم کی ندامت یا شرمندگی کا احساس نہیں فرمایا؛ بلکہ مسلمانوں کی اجتماعیت پر مسرت اور خوشی کا اظہار فرماتے رہے۔ (البدایہ والنہایہ ۸/۴۰۷)

بعض روایات میں ہے کہ آپ کو "عار المؤمنین" کا طعنہ دیا گیا، تو آپ نے جواب دیا: "اَلْعَارُ خَیْرٌ مِنَ النَّارِ" عار (دنیا کی بےعزتی) جہنم سے بہتر ہے۔

الغرض تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ایثار کی بدولت بڑے بڑے فتنے منٹوں میں فرو ہوجاتے ہیں؛ اس لئے جب بھی اجتماعی زندگی میں ایسے نازک موڑ آئیں تو ہر شخص کو سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا اسوہ پیشِ نظر رکھنا چاہئے؛ تاکہ اجتماعیت برقرار رہے۔

مگر تقدیر نہیں ٹلتی

اوپر جو کچھ بھی ذکر کیا گیا وہ تدبیر کی قبیل سے ہے یعنی جب حالات دگرگوں ہوں تو فتنوں کو سرد کرنے کے لیے ہر ممکن قربانی دینے کی کوشش کرنی چاہئے؛ لیکن اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی

ذات قطعاً بے نیاز ہے جب وہ اپنی حکمت اور مصلحت سے کوئی فیصلہ کر لیتا ہے تو پھر ساری تدبیریں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں اور تقدیر ہر تدبیر پر غالب آجاتی ہے۔ اور فتنوں کے اثر سے اچھے اچھے ذی رائے سمجھے جانے والوں سے بھی بے بصیرتی کی باتیں صادر ہو جاتی ہیں، اور وہ ایسی راہ پر چل پڑتے ہیں جس کا انجام تباہی کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا، اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ فتنہ زدہ لوگوں کا قلب ودماغ عواقب کا ادراک کرنے سے عاری ہو چکا ہے۔ ہما شما کی تو حیثیت کیا ہے جب امیر المؤمنین سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا الم ناک سانحۂ شہادت پیش آیا تو امت عظیم ترین عالم گیر فتنہ سے دوچار ہوگئی۔ اگر چہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم حتی کہ خود ام المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ابتلائے فتنہ کی پیش گوئی فرما رکھی تھی، مگر تقدیر کا لکھا پورا ہو کر رہا۔ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا ایک لشکر جرار کے ساتھ بصرہ پہنچیں جن میں بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے اور مقام ''جمل'' پر سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فوج سے ہول ناک جنگ ہوئی، اس جنگ کی ہول ناکی اور خوں ریزی دیکھ کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر اس قدر اثر ہوا کہ اپنے صاحب زادے سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو سینے سے لگا کر ارشاد فرمایا کہ: ''بیٹے! کاش تمہارا باپ آج سے بیس سال پہلے دنیا سے وفات پا گیا ہوتا'' (یعنی یہ منحوس دن اسے دیکھنے کو نہ ملتا) حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ابا جان! کیا میں نے آپ کو اس اقدام سے روکا نہیں تھا''؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: ''بیٹے! مجھے اندازہ نہیں تھا کہ معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا''۔ (البدایہ والنہایہ ۷/۲۵۴) اسی طرح بعد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب فتنوں کو یاد کرتیں تو بے اختیار گریہ طاری ہو جاتا اور فرماتیں کہ: ''کیا کریں تقدیر کا فیصلہ وہی تھا''۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے جس کے بارے میں جو لکھ دیا ہے وہ تو ہو کر رہے گا، مگر ہم ظاہری احوال کے اعتبار سے اس کے مکلّف ہیں کہ اپنی جانب سے عافیت قائم رکھنے کی کوشش میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر قسم کے شرور وفتن، انتشار اور ابتلا وآزمائش سے محفوظ رکھیں۔ آمین۔

(اس مضمون کے بعض حصے ندائے شاہی اپریل ۲۰۰۶ء میں شائع ہو چکے ہیں)

خدام دین کی خدمت میں!

تبلیغی جماعت کے ذریعہ سارے عالم میں اصلاح اعمال اور امر بالمعروف کی جو ہمہ گیر محنت بفضلہٖ تعالیٰ ہورہی ہے، اس کی افادیت، قبولیت اور اہمیت سے کوئی منصف مزاج شخص انکار نہیں کرسکتا۔ اس جماعت کی خاموش جدوجہد نے بے شمار افراد کی زندگیوں میں انقلاب برپا کردیا، اور نہ صرف شہروں اور پر رونق آبادیوں؛ بلکہ ویران اور سنگلاخ علاقوں میں واقع دیہاتوں اور پسماندہ بستیوں میں بھی اس دعوتی محنت کا اثر نمایاں ہوا، اور الحمد للہ یہ سلسلہ جاری ہے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال رہی تو تادیر جاری رہے گا۔ تبلیغی جماعت کا ایک معمول یہ ہے کہ جب جماعت کسی شہر میں جائے تو وہاں کے دینی مراکز اور نمایاں خدام دین اور علماء سے بھی حسب موقع ملاقات کرکے ان سے استفادہ اور مشورہ کیا کرے۔ ہمارے یہاں مرادآباد میں بھی جماعتوں کی آمدورفت کا سلسلہ سال بھر جاری رہتا ہے، اور مذکورہ اصول کے تحت بعض جماعتوں کے احباب ملاقات کے لئے مدرسہ میں بھی تشریف لاتے ہیں، اور اپنی کارگذاری اور حالات سنا کر مشورہ کے طالب ہوتے ہیں، تو ان احباب کے سامنے عموماً احقر تین باتیں عرض کیا کرتا ہے، ان باتوں کا تعلق صرف تبلیغ سے وابستہ حضرات سے ہی نہیں؛ بلکہ اُن تمام خدام دین سے ہے جو کسی بھی انداز پر دین کی محنت میں لگے ہوئے ہیں۔

(۱) **خدمتِ دین اور عبادت کا موقع ملنے پر شکر بجالائیں**: پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے دین کے لئے محنت اور قربانی دینے کا جو موقع عطا فرمایا، اور یکسوئی کے ساتھ اپنی عبادت کے جو اسباب فراہم فرمائے اس پر کبھی بھی دل میں ’’عجب‘‘ اور ’’بڑائی‘‘ کا خیال نہ آنے پائے؛ بلکہ ہمیشہ یہی احساس دل میں جاگزیں رہے کہ: ’’ہماری کیا مجال

کہ ہم اللہ رب العالمین کی عبادت واطاعت میں وقت اور صلاحیت صرف کریں؛ بلکہ یہ صرف اور صرف اسی کا کرم اور انعام ہے کہ اس نے ہماری ہزار کوتاہیوں کے باوجود اپنے سے دور نہیں کیا؛ بلکہ عبادت واطاعت کے مواقع عطا فرما کر اپنے سے قرب کی سعادت عطا فرمائی، اس پر جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے‘‘۔ اور واقعہ یہی ہے کہ انسان کے ساتھ اس قدر جھمیلے لگے ہوئے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص مدد اور نصرت نہ ہو تو وہ ہرگز عبادت واطاعت کے لئے وقت نہیں نکال سکتا، کوئی مشغلہ نہ بھی ہو پھر بھی نیک اعمال میں سستی اور کاہلی بجائے خود اعمال کی انجام دہی میں بڑی رکاوٹ بن جاتی ہے، اس لئے نیک اعمال کی ادائیگی کی ہمت کو محض اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھنا چاہئے۔ اسی بنا پر اہل جنت جب جنت میں داخل ہوں گے اور وہاں کی ناقابل تصور نعمتوں کو دیکھیں گے تو ان کی زبان پر یہ شکر کے جملے بے اختیار جاری ہو جائیں گے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ. (الاعراف ۴۳)	شکر اللہ کا جس نے ہم کو یہاں تک پہنچایا اور ہم نہ تھے راہ پانے والے اگر اللہ ہم کو ہدایت نہ کرتا۔

اللہ تعالیٰ کو یہ بات قطعاً پسند نہیں ہے کہ انسان اعمال خیر کی بجا آوری میں خود اپنی ذات پر اعتماد کرے، چناں چہ قرآنِ کریم میں اس موضوع سے متعلق سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام کا ایک واقعہ مذکور ہے کہ وہ خلوت خانہ میں سخت پہرے میں عبادت میں مشغول تھے کہ اچانک دو آدمی دیوار پھاند کر آپ کے سامنے آ کھڑے ہوئے اور اپنا مقدمہ پیش کر کے فیصلہ کے طالب ہوئے اور ان کی آمد کی وجہ سے حضرت داؤد علیہ السلام کی یکسوئی اور عبادت کے مقررہ معمول میں خلل پڑ گیا، جس کا انہیں بعد میں احساس ہوا اور بارگاہِ خداوندی میں نہایت عاجزی کے ساتھ توبہ کے طالب ہوئے۔ (دیکھئے: سورہ ص: ۲۱-۲۵)

اس واقعہ کی تفسیر میں مفسر قرآن سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت داؤد علیہ السلام نے بارگاہِ ایزدی میں عرض کیا کہ اے پرودگار! رات اور دن میں کوئی ساعت ایسی نہیں جس میں داؤد کے گھرانے کا کوئی نہ کوئی فرد تیری عبادت یعنی نماز، تسبیح وتحمید وغیرہ میں

مشغول نہ رہتا ہو (کیوں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے چوبیس گھنٹے کا ایسا نظام بنا رکھا تھا کہ باری باری گھر والے عبادت خانہ میں آ کر اس طرح عبادت کریں کہ دن رات کے کسی بھی حصہ میں عبادت خانہ عبادت سے خالی نہ رہے) اللہ تعالیٰ کو حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ انداز پسند نہ آیا اور ارشاد ہوا: داؤد! یہ سب کچھ ہماری توفیق سے ہے اگر میری مدد نہ ہو تو آپ اس پر قدرت نہیں پا سکتے، اور قسم ہے میرے جلال کی کہ میں ایک روز آپ کو آپ کے نفس کے سپرد کر دوں گا (یعنی اپنی مدد ہٹا لوں گا) حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے پروردگار مجھے اس دن کی خبر کر دیجئے! بس اسی دن مذکورہ واقعہ پیش آ گیا اور آپ کو احساس ہو گیا کہ میرے اس دعویٰ کی وجہ سے ہی یہ صورت پیش آئی۔ (تلخیص فوائد عثمانی بر ترجمہ شیخ الہندؒ ۶۰۵) لہٰذا معلوم ہوا کہ نیکیوں کی انجام دہی پر ہمیشہ دل میں شکر کے جذبات رہنے چاہئیں اور اپنی ذات پر ہرگز اعتماد نہ کرنا چاہئے، اور ہر وقت اللہ تعالیٰ سے خیر کی توفیق طلب کرتے رہنا چاہئے۔

(۲) **سبھی خدام دین کا احترام کریں**: جماعت کے احباب سے دوسری بات میں یہ عرض کرتا ہوں کہ دین کے شعبے ہزاروں ہیں اور ہر شعبہ کی اپنی الگ حیثیت اور ضرورت ہے، ان میں سے کسی بھی شعبہ کو کمتر یا بے ضرورت قرار نہیں دیا جا سکتا، جیسے تبلیغ اور دعوت کا کام ضروری ہے اسی طرح تعلیم و تدریس کی محنت بھی کم اہم نہیں ہے؛ کیوں کہ اگر صحیح علم ہی نہ رہے گا تو دین کیسے باقی رہے گا؟ اور علماء ہی نہ رہیں گے تو دینی رہنمائی کون کرے گا؛ اور قرآن و حدیث کا صحیح مطلب کون بتائے گا؟ ایسے ہی فرق باطلہ کا تعاقب، خدمت خلق، سیاسی جد و جہد اور تحفظ شریعت کی محنتیں یہ سب دینی کام ہیں اور ہر ایک اپنی جگہ اہم ہے، اس لئے ہم اگر کسی ایک شعبہ سے وابستہ ہیں تو یہ نہیں ہونا چاہئے کہ ہم دوسرے شعبہ کے خدمت گار کو حقیر سمجھیں یا اس کے کام کو دین کا کام نہ سمجھیں، یا ہم صرف اپنے کام کو "نبیوں والا کام" کہیں اور دوسروں کے کام کو نبیوں کے کام سے الگ سمجھیں یا ہم صرف اپنے کو اللہ کی راہ میں نکلنے والا خیال کریں اور دیگر شعبوں میں کام کرنے والوں کو اللہ کی راہ والا نہ سمجھیں، یہ سب باتیں تنگ نظری پر مبنی ہیں، وسعت ظرفی اور انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی کام کسی بھی شعبہ سے وابستہ ہو کر کرے؛ لیکن قدر سبھی کی کرے؛ کیوں کہ کچھ

پتہ نہیں کہ کون کتنے خلوص سے کہاں خدمت کرر ہا ہے؟ اور اللہ کے یہاں اس کا کیا مقام ہے؟ مجھے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ بہت سے مقامات پر خدام دین کے مابین کاموں کے اعتبار سے بڑی وسیع خلیج حائل ہوتی جارہی ہے، اور کہیں کہیں یہ گروپ بندی ''سرد جنگ'' کی صورت اختیار کرلیتی ہے، جس سے نقصان افراد کا کم اور دین کا زیادہ ہوتا ہے اور دینی محنت کی رفتارِ ترقی رک جاتی ہے۔ بالخصوص بعض ناعاقبت اندیش لوگوں نے دانستہ یا نادانستہ طور پر جماعت تبلیغ اور مدارس کی محنت کے درمیان دراڑیں ڈال دی ہیں، حالاں کہ واقعہ یہ ہے کہ جماعت اور مدارس ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں، جماعت کی محنت سے مدارس کو طلبہ ملتے ہیں اور مدارس کی محنت سے جماعت کو علم کی روشنی ملتی ہے، اس لئے دونوں تحریکوں سے وابستہ حضرات کو ایک دوسرے کا حلیف بن کر کام کرنا چاہئے حریف بن کر نہیں، دانشمندی کا تقاضا یہی ہے۔

(۳) تربیت کے مطابق عمل کا اہتمام: تیسری بات قابل توجہ یہ ہے کہ عموماً ہوتا یہ ہے کہ جب آدمی جماعت میں وقت لگاتا ہے تو چلہ، یا چار مہینہ یا سال بھر تک عبادات کا خوب ذوق وشوق رہتا ہے، تمام نمازیں تکبیر اولیٰ سے باجماعت پڑھی جاتی ہیں اور اشراق سے لے کر تہجد تک تمام سنن ونوافل کا بھی اہتمام کرنے کی کوشش ہوتی ہے، اور ان ایام میں دل کے اندر عبادات کا خاصا ذوق اور معاصی سے نفرت کا داعیہ ابھرآتا ہے؛ لیکن گھر واپسی کے بعد جیسے جیسے وقت گذرتا ہے یہ کیفیت رفتہ رفتہ کم ہوتی چلی جاتی ہے اور اگر بھرپور توجہ نہ ہو تو بالکل ختم بھی ہوجاتی ہے۔ اس لئے جماعتی احباب کو چاہئے کہ وہ جماعت میں لگائے جانے والے وقت کو ایک چلتا پھرتا ''تربیتی کیمپ'' سمجھیں اور گھر واپسی کے بعد اس تربیت کے مطابق پوری زندگی کو ڈھالنے کی فکر کریں، عبادات کا جو اہتمام جماعت کے سفر کے دوران رہتا ہے وہی ذوق وشوق اپنے مقام پر جانے کے بعد بھی برقرار رہنا چاہئے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد عالی ہے:

اَحَبُّ الْعَمَلِ اِلَی اللّٰہِ مَا دَاوَمَ عَلَیْہِ صَاحِبُہٗ وَاِنْ قَلَّ. (مسلم شریف ۱/۳۶۵)

اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل وہ ہے جس پر مداومت کی جائے اگرچہ وہ دیکھنے میں معمولی ہو۔

نیز یہ غلط فہمی بھی نہیں رہنی چاہئے کہ تبلیغی جماعت کا کام صرف نماز، روزہ، تسبیح اوراذ کار بتا دینا ہے؛ بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ اس محنت کا منتہائے مقصود یہ ہے کہ دین زندگی کے ہر شعبہ میں داخل ہوجائے، اور مسلمانوں کا پورا معاشرہ ظاہری اور باطنی طور پر دین سے وابستہ ہوجائے، دین کی ہر اچھائی ہر مسلمان میں آجائے اور ہر برائی اور معصیت سے اس کی زندگی خالی ہوجائے، اور کلمہ پڑھنے والے ہر انسان کے دل میں اللہ کی خشیت آجائے، اور وہ آخرت کی تیاری کرنے والا بن جائے۔ اسی طرح اہل علم کو بھی چاہئے کہ وہ اپنے علم کے اعتبار سے موقع بموقع اپنی ذات کا محاسبہ کرتے رہیں اور علم وعمل میں مطابقت کی کوشش کرتے رہیں کسی کو اس بات کا حق نہیں ہے کہ وہ اپنے کو عیوب اور غلطیوں سے منزہ اور مبرّا سمجھے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

فَلَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ اتَّقٰى. (سورة النجم ٣٢)

یعنی اپنی خوبیاں مت بیان کرو، وہ خوب جانتا ہے کہ کون متقی ہے۔

اس لئے ہمیشہ اپنے عیوب پر نظر رہنی چاہئے، اور دوسروں کی خوبیوں پر نظر جمانی چاہئے، کوئی فرد یا جماعت اپنے کو مکمل طور پر کوتاہیوں سے محفوظ ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتی، اور یہ بات کسی انسان کے بس میں ہے ہی نہیں، بس ضرورت اس بات کی ہے کہ غلطیوں کو اچھالنے کے بجائے حکمت کے ساتھ ان کو دور کرنے کی کوشش کی جائے، اور تحقیر واہانت کے بجائے ایک دوسرے کے لئے خیر خواہی اور ہمدردی کے جذبات اجاگر کئے جاتے رہیں اس سے آپسی اعتماد بحال ہوگا، اور دینی محنتیں مزید بہتر انداز میں جاری کی جاسکیں گی، انشاء اللہ۔

(ندائے شاہی مئی ۲۰۰۶ء)

مدارس اور علماء کی قربانیاں

- مدارسِ دینیہ
- مدارس میں تزکیہ پر محنت کی ضرورت
- اُف! یہ احسان فراموشی؟
- ’’زکاۃ‘‘ پر للچاتی نظریں!

مدارسِ دینیہ

اِجمالی تاریخ، افادیت، ضرورت اور تحفظ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ آل عمران میں ارشاد فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ.

(سورة ال عمران ١٦٤)

یقیناً اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر یہ احسان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے خود انہیں میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور علم وحکمت سکھاتا ہے، اور وہ لوگ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

یہ دنیا حضراتِ انبیاء علیہم السلام کے پردہ فرمانے کے بعد جہالت اور اوہام پرستی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ڈوب چکی تھی، انسان اپنے انسانی تقاضوں کو بھول کر حیوانیت کے راستوں پر چل پڑا تھا، بالخصوص عرب کا معاشرہ تو ظلمتوں اور تاریکیوں کی ایسی آماج گاہ بن چکا تھا کہ اس پورے دور کو ''دورِ جاہلیت'' کا نام دینا بجا تھا، اس اندھیر کو دور کرنے اور تہہ در تہہ جمی ہوئی تاریکیوں کی چادر ہٹانے کے لئے پوری دنیائے انسانیت شدت سے روشنی کی متلاشی تھی، اور ضرورت تھی کہ انسانیت کے خاکستر میں چھپی ہوئی ضمیر کی چنگاریوں کے اوپر پڑے ہوئے دبیز پردوں کو ہٹا کر انسانیت اور روحانیت اور خدا کی بندگی کی روشنی سے عالم کو دوبارہ منور کیا جائے۔

جب علم کی کرن پھوٹی

اس گھٹا ٹوپ اندھیری میں رحمتِ خداوندی اپنے بندوں کی طرف متوجہ ہوئی اور مادیت اور

جہالت کی تاریکیوں کا تسلسل توڑنے کے لئے خلاّق دوجہاں کی طرف سے پہلے پہل یہ آواز گونجی:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ، خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ. (سورۃ العلق: ۱-۵)

پڑھیے اپنے رب کے نام سے جو سب کا بنانے والا ہے، جس نے آدمی کو جمے ہوئے خون سے بنایا، پڑھیے! اور آپ کا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھلایا، اور آدمی کو وہ علم سکھلایا جو وہ جانتا نہ تھا۔

جس جگہ یہ آواز پہلی مرتبہ سنی گئی وہ جبل نور (روشنی کے پہاڑ) کا ایک مقدس گوشہ ''غار حراء'' تھا، اور جس دل نے اس آواز کو پہلی مرتبہ بطورِ وحی قبول کیا وہ مقدس ذات معلم انسانیت پیغمبر اعظم خاتم النبیین اور سید الانبیاء والمرسلین سیدنا ومولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شخصیت تھی، جن کو خدائے علیم وخبیر نے اپنی رحمت کا خاص مظہر یعنی رحمۃ للعالمین بنا کر دنیا میں مبعوث فرمانے کا فیصلہ کیا تھا۔ (بخاری شریف ۱/۳)

یہ علم کی کرن جو غار حراء سے پھوٹی تھی اس کی ضوفشانی کے اسباب تقدیر خداوندی نے پہلے ہی سے مہیا کردئے تھے، اور لوگوں کے دلوں میں ایسی صلاحیتیں ودیعت کردی گئی تھیں جن کی بدولت وہ اس علم کی روشنی کو اپنے اندر جذب کرنے کے متحمل ہوسکیں، جیسا کہ رازدارِ نبوت سیدنا حضرت حذیفہ بن الیمان ص کا ارشاد ہے: ''اِنَّ الْاَمَانَةَ نَزَلَتْ فِیْ جَذْرِ قُلُوْبِ الرِّجَالِ فَعَلَّمُوْا مِنَ الْقُرْاٰنِ وَعَلَّمُوْا مِنَ السُّنَّةِ''. (مسلم شریف ۱/۸۲) یعنی امانت (علم قبول کرنے کی صلاحیت) لوگوں کے دلوں کی گہرائیوں میں اتاری گئی جس کی بناء پر لوگوں نے قرآن وسنت کا علم حاصل کیا۔ چناں چہ کچھ ہی وقفہ کے بعد غار حراء سے شروع ہونے والی یہ انقلابی علمی تحریک حیرت ناک طریقہ پر جہالت کی تنی ہوئی چادروں کو زیروزبر کرنے لگی۔

کوہِ صفا سے پیغام ہدایت

کچھ ہی عرصہ کے بعد حکم ربی ہوا:

يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ، قُمْ فَأَنْذِرْ، وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ، وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ، وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ. (المدثر ۱-۵)

اے لحاف میں لپٹنے والے! اٹھ کھڑے ہوئیے اور ڈر سنادیجئے، اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے، اور اپنے کپڑے پاک رکھئے اور گندگی سے دور رہئے۔

نیز یہ آیت بھی نازل ہوئی:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ. (الشعراء ۲۱۴)

اور ڈرائیے اپنے قریبی اہل خاندان کو۔

بس پھر کیا تھا وہ بندۂ مصطفیٰ ومجتبیٰ معلم انسانیت بن کر صفا پہاڑی پر کھڑا ہوا، اور اللہ کے حکم سے علوم نبوت کی دعوت قبائلی شخصیات اور خاندانوں کے سرداروں کو الگ الگ نام لے لے کر پیش کی، مثلاً: ''یا بنی کعب بن لوئ، یا بنی ہاشم، یا بنی عبد المطلب، یا فلاں وغیرہ''۔ اور جب سب مدعو حضرات پہاڑی کے نیچے آجمع ہوئے، تو اس انسانیت کے معلم نے انسانیت کے پہلے درس کا آغاز اس سوال سے کیا کہ میں پہاڑی کی چوٹی پر ہونے کی وجہ سے اس پہاڑی کے دوسری جانب وہ منظر دیکھ رہا ہوں جو تمہاری نظروں سے اوجھل ہے، تو بتاؤ اگر میں یہ کہوں کہ اس جانب ایک دشمن ہے جو صبح وشام میں تم پر حملہ کے لئے پرتول رہا ہے، تو کیا تم میری بات کی تصدیق کروگے؟ سبھی حاضرین جو آپ کی چالیس سالہ صدق وامانت سے بھرپور زندگی سے واقف تھے بے اختیار بول اٹھے: ''مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ كِذْباً''۔ یعنی ہم نے کبھی بھی آپ کو جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔ جب سب نے اقرار کرلیا تو آپ نے پھر درس کا آغاز فرمایا، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ: ''اے لوگو! اللہ کے عذاب سے اپنے کو بچانے کے لئے ربِ واحد پر ایمان لے آؤ اور معبودانِ باطلہ کو چھوڑ دو''۔ (تفسیر ابن کثیر، مسلم شریف ۱۱۴/۱) اس آوازۂ حق نے مکہ کی جہالت بھری زندگی میں ہلچل پیدا کردی۔

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی ☆ عرب کی زمیں جس نے ساری ہلادی

اور وہ لوگ جن کے دل ودماغ کفر وشرک کی اندھیریوں سے بھرپور تھے وہ اس آواز کے

معارض بن کر سامنے آئے اور معلم انسانیتؐ کے لئے یکلخت حالات بدل گئے، کل تک جو لوگ آپ کے لئے سراپا احترام بنے رہتے تھے، آج وہ دشمن بن گئے اور زندگی کی ڈگر دشوار تر نظر آنے لگی۔

مگر روشنی کا سفر جاری رہا

مگر جیسے جیسے اندھیریاں اور ظلمتیں روشنی کے مقابلہ میں اکٹھی ہوتی رہیں، روشنی کا سفر اندھیریوں کو چیرتے ہوئے پوری قوت کے ساتھ جاری رہا، اس وقت معلم انسانیتؐ ہی کی ذات علوم ربانی کا سرچشمہ گویا کہ چلتا پھرتا مدرسہ تھی، آپ جہاں تشریف رکھتے اسی مجلس سے علم کی خوشبوئیں پھوٹنے لگتیں؛ بلکہ آپ جہاں جہاں سے گزرتے وہاں مردہ انسانیت میں زندگی کے آثار پیدا ہو جاتے، اور جس جس کے دل میں آپ کی بعثت سے پہلے اللہ کی نازل کردہ امانت نے جگہ بنالی تھی، وہ دل آپ کی دعوت پر ایمان لائے بغیر نہ رہ پاتے۔ چناں چہ اس علم کی روشنی سے چراغ پر چراغ جلنے شروع ہوئے، ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت زید بن حارثہؓ، حضرت بلال حبشیؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ، حضرت سمیہؓ اور حضرت صہیب رومی وغیرہم رضی اللہ عنہم وہی خوش نصیب حضرات تھے جنھوں نے معلم انسانیتؐ کے مدرسہ میں پہلے پہل اپنا نام لکھا کر دارین کی خوش بختی اپنے نام کرالی، اور جب روشنی کے سفر کے مسافر اور بڑھے اور دوسری طرف بدخواہوں کی ریشہ دوانیاں حد سے آگے بڑھنے لگیں، تو پیغمبر انسانیتؐ نے اپنے روشنی کے قافلہ کے ایک اہم رفیق حضرت ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر کو اپنی تعلیم کا مرکز بنایا، جہاں نو وارد تشنگانِ علوم نبوت جمع ہوتے، اور معلم انسانیتؐ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرتے۔ اس اعتبار سے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اسلام کا سب سے پہلا مدرسہ مکہ معظّمہ میں ''دار ارقم'' میں قائم ہوا، یہی وہ مقدس مقام ہے جہاں اسلام کے مردِ آہن خلیفۂ ثانی سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے آکر اسلام قبول کیا، اور پیغمبرں کے علمی قافلہ کے اہم رفیق بن گئے، پھر حضرت ابوذر غفاری، ضماد ازدی رضی اللہ عنہما وغیرہ حضرات نے بھی اس مدرسہ میں آکر اپنا نام درج کرایا، وغیرہ وغیرہ۔

گھر گھر میں مدرسہ

اسلام اور علم کا رشتہ اتنا مضبوط ہے کہ ہر مسلمان بیک وقت طالبِ علم بھی ہوتا ہے اور اسے معلم بھی بنایا جاتا ہے، اس امت کی اصل پہچان اور خاص صفت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ہے، اور یہ صفت جہاں اس بات کی متقاضی ہے کہ آدمی معروف اور منکر کا علم حاصل کرے، وہیں اس علم کو دوسروں تک پہنچانے کی ذمہ داری بھی عطا کرتی ہے۔ اسی بنا پر پیغمبر انسانیتؐ سے وابستہ ہونے والے افراد جہاں آپ سے علم سیکھتے تھے وہیں دوسروں تک اس علم کو پہنچانے کی فکر بھی کرتے تھے، اس وجہ سے دورِ نبوت میں گھر گھر علم دین کا چرچا ہونے لگا تھا۔ جو لوگ پیغمبر کی مجلس میں قرآن وسنت کا علم حاصل کر کے جاتے وہ اپنے گھر والوں کو؛ بلکہ پاس پڑوس کے لوگوں کو بھی قرآنِ کریم کی تعلیم دیتے تھے، چناں چہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق ؓنے اپنے دولت کدہ کے صحن میں ایک مسجد بنائی جہاں آپ قرآنِ کریم کی تلاوت کا سلسلہ جاری رکھتے۔ (بخاری شریف ۱؍۵۵۳) اور حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ، حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ حضرت فاطمہ بن الخطاب رضی اللہ عنہا (جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ تھیں) کو قرآن سکھایا کرتے تھے، یہی حال دوسرے صحابہ کا بھی تھا۔ الغرض جیسے جیسے مخالفتیں بڑھ رہی تھیں، اسی رفتار سے اندھیریاں چھٹ بھی رہی تھیں، اور انسانیت کا مردہ ضمیر رفتہ رفتہ انگڑائیاں لینے لگا تھا، اور اب علم کی کرنیں تیز شعاعوں میں تبدیل ہونے لگی تھیں، اور وہ روشنی جس کو شروع میں ایک اجنبی اور نامانوس چیز سمجھا جاتا تھا، اب ایک روشن حقیقت بن کر لوگوں کے سامنے تھی، آس پاس کے قبائل کے لوگ حج وعمرہ کے لئے مکہ معظّمہ آتے اور کھلے آنکھوں اس روشنی کو محسوس کر کے حیرت زدہ رہ جاتے، اسی تگ ودو میں تیرہ سال کا عرصہ گذر گیا۔

جب مدینہ میں بہار آئی

''مدینہ'' جس کا پرانا نام ''یثرب'' تھا، یہ شہر اہل کتاب کی آبادی کی وجہ سے پہلے ہی سے آخری روشنی کا منتظر تھا، وہاں کے سنجیدہ اور دوراندیش لوگوں کو جب مکہ میں آفتابِ نبوت کے طلوع

کا پتہ چلا تو انہوں نے حج کے موقع پر مکہ معظّمہ آ کر حالات کا جائزہ لیا، اور جب انہیں یقین ہوگیا کہ معلم انسانیتؐ کے روحانی علم کی ضیا پاش کرنیں تمام عالم کی تاریکیوں کو مٹانے والی ہیں، تو وہ بھی اس روشنی کے حلقہ بگوش ہوگئے، اور پھر انہوں نے اگلے سال آ کر بہ تقدیر الٰہی یہ سعادت آمیز پیش کش بھی کر ڈالی کہ اگر مکہ کے حالات اس عالمگیر روشنی کی اشاعت کے لئے ناموافق ہیں تو ہمارا شہر اور اس کا ہر ہر ذرہ معلّمِ انسانیتؐ کے استقبال کے لئے دیدہ و دل فرش راہ کرنے کے لئے تیار ہے، باذن خداوندی اس عاجزانہ درخواست نے شرفِ قبول حاصل کیا، اور پیغمبر علیہ السلام نے اپنے سفر ہجرت سے پہلے ہی حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر صحابہ کو مدرس بنا کر مدینہ روانہ کر دیا۔ (بخاری شریف ۱/۵۵۸) اور وہ روشنی جو غار حراء سے اٹھی تھی اب شعلۂ جوالہ بن کر مدینہ کے کفر زدہ ماحول کو خاکستر کرنے لگی، مدینہ میں علمی فضائیں قائم ہوئیں اور جیسے جیسے علم کی روشنی بڑھتی گئی، معلم انسانیتؐ پیغمبر آخر الزماں رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ تشریف آوری کا اشتیاق بھی بڑھنے لگا۔ بالخصوص جنہوں نے ابھی تک آپ کی زیارت کا شرف حاصل نہیں کیا تھا، اور صرف آپ کی پھیلائی ہوئی روشنی سے ان کے دل منور ہوئے تھے، ان کے لئے انتظار کی گھڑیاں شدید سے شدید تر ہونے لگیں، اس مبارک لمحہ کے تصور ہی سے ان کا دل خوشیوں سے سرشار ہو جاتا، اور آرزوئیں انگڑائیاں لینے لگتیں، بالآخر خبریں گرم ہوئیں کہ معلم انسانیتؐ کی آمد آمد ہے، مدینہ کے لوگ روزانہ قبا کے قریب جا کر صبح سے شام تک انتظار کرتے اور واپس آ جاتے، تا آں کہ وہ دن آ ہی گیا جب عالم انسانیت کے سب سے بڑے محسن اور روحانیت کے سب سے بڑے معلمؐ نے مدینہ منورہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا، یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے علاقہ میں پھیل گئی، اور قبا میں چند روز گذارنے کے بعد جب معلم انسانیتؐ قبیلۂ انصار کے پر جوش جاںنثاروں کے جھرمٹ میں مدینہ منورہ کی آبادیوں میں داخل ہوئے تو اہل مدینہ کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا، نبوت کے آفتاب عالم تاب کی زیارت واستقبال کے لئے خلق خدا ٹوٹ پڑی، اور بچہ بچہ کی زبان پر جاء رسول اللّٰہ، جاء رسول اللّٰہ کا غلغلہ بلند ہوا۔ (بخاری

شریف ۵۵۶/۱) اور انصار کی چھوٹی بچیاں "طلع البدر علینا من ثنیات الوداع، وجب الشکر علینا ما دعا للّٰہ داع" کے ترانے گانے لگیں، مدینہ کا ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ حضور پرنور اس کے غریب خانہ کو رونق بخش کر بقعہ نور بنادیں، آپ جس جس محلّہ سے گذرتے وہاں کے لوگ آپ کو اپنے یہاں قیام فرمانے کی درخواست پیش کرتے، مگر آپ فرمادیتے کہ اونٹنی کی لگام چھوڑ دو یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے، بالآخر یہ سعادت حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی جہاں آپ نے پہلا پڑاؤ ڈالا، اور اس اعتبار سے حضرت ابوایوب کا گھر، مسجد نبوی کی تعمیر سے پہلے عارضی مدرسہ نبوت قرار پایا۔

مسجدِ نبوی؛ عظیم علمی مرکز

مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد آپ نے سب سے پہلے مسجد کی تعمیر کی فکر فرمائی، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے دولت کدہ کے قریب ہی قبیلۂ انصار بنونجار کی ایک جگہ خالی پڑی تھی، آپ نے قیمۃً اسے حاصل کیا اور اس جگہ کو برابر کرکے کچی مسجد کی شکل دے دی۔ (بخاری شریف ۵۶۰/۱)
پھر یہی مسجد علوم نبوت کا سب سے بڑا مرکز قرار پائی، یہاں دن رات تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری رہتا، مدینہ کا رہنے والا ہر مسلمان اس درس گاہ نبوت کا طالب علم تھا، جو لوگ ہر وقت کے حاضر باش تھے ان کا تو کہنا ہی کیا، جو ہر وقت نہیں آسکتے تھے وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ باری مقرر کرلیتے، اور آپس میں یہ بات طے ہوجاتی کہ جب تم پیغمبر علیہ السلام کی مجلس میں حاضر ہوتو واپس آکر مجھے سب باتوں کی خبر دینا اور جب میں حاضر ہوں گا تو میں آکر تمہیں بتاؤں گا۔ نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام مسجدِ نبوی میں جو بھی تعلیم دیتے تھوڑے ہی وقت میں وہ تعلیم مدینہ کے گھر گھر میں پہنچ جاتی۔

مدرسۂ صفہ

مسجدِ نبوی ہر وقت تعلیم وتعلم کے مشغلہ سے آباد رہتی، انصار ومہاجرین کی بڑی تعداد دنیوی زندگی کے تقاضوں کے اعتبار سے رات دن کا پورا وقت مسجدِ نبوی کے مشاغل میں نہ لگا پاتی، لیکن

کچھ اللہ کے بندے ایسے بھی تھے جن کا مشغلہ سوائے تعلیم وتعلم اور خدمت دین کے کچھ نہ تھا، وہ مسجد نبوی کے ایک چبوترہ (صفہ) پر مقیم رہتے اور پیغمبر علیہ السلام اور بعض صحابہ حسب سہولت ان کے لئے خوردونوش کا انتظام کرتے۔ (مستفاد: بخاری شریف ۲/۹۵۵) انہی میں سے ایک نمایاں شخصیت سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے جن سے اس امت میں سب سے زیادہ حدیث کی روایتیں (پانچ ہزار تین سو روایتیں) مروی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی فاقہ کی وجہ سے مجھ پر غشی کی کیفیت طاری ہوجاتی اور لوگ سمجھتے کہ میرے اوپر جنون یا آسیبی اثر ہے، حالاں کہ وہ کیفیت شدید بھوک کی وجہ سے ہوتی تھی۔ (ترمذی شریف) علاوہ ازیں ان اصحابِ صفہ میں حضرت ابوسعید خدری، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابوالدرداء، حضرت ابوذر غفاری، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت عمار بن یاسر، حضرت عثمان بن مظعون اور حضرت ربیعہ ابن کعب سلمی رضی اللہ عنہم کے اسماء خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں، بیک وقت زیادہ تر اصحابِ صفہ کی تعداد ۶۰-۷۰ رتک رہتی تھی، اور مجموعی تعداد ۴۰۰ رتک لکھی گئی ہے۔ (خیر القرون کی درس گاہیں ۴۸ تا ۵۰)

سفر میں علمی فیضان

سید المعلمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا علمی فیضان ہر جگہ جاری رہتا تھا، اور شائقینِ علوم نبوت پروانے بن کر آپ کے ہر قول وفعل اور نقل حرکت کو حرزِ جاں بنانے کے مشتاق رہتے تھے، اور خود قرآنِ پاک میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ طالبانِ علوم نبوت کی ایک جماعت سفر میں بھی پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ رہے۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنفِرُوْا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ. (التوبہ: ۱۲۲)	اور ایسا نہیں کہ سارے کے سارے مسلمان کوچ کریں، سو کیوں نہ نکلا ہر فرقہ میں سے ان کا ایک حصہ؛ تاکہ دین میں سمجھ پیدا کریں اور تاکہ اپنی قوم کو خبر پہنچائیں جب کہ ان کی طرف لوٹ کر آئیں؛ تاکہ وہ بچتے رہیں۔

چناں چہ تیمّم کے مسائل، سونے کی وجہ سے نماز قضا ہو جانے کے مسائل، اسی طرح ارکانِ حج اور بے شمار دینی ہدایات کی تعلیم سفر کے دوران دی گئی۔ پیغمبر علیہ السلام جہاں بھی تشریف فرما رہتے وہیں آپ کا علمی فیضان پوری طرح جاری رہتا، اور آپ کے جاںنثار تلامذہ (صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم) ان علوم کو اپنے سینوں میں محفوظ کر کے اپنی ذمہ داری بجالاتے، اور یہ سلسلہ آپ کی حیاتِ مقدسہ تک برابر جاری رہا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا علمی فیض

دربارِ نبوت سے تکمیل علوم کی سند حاصل کرنے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پیغمبر علیہ السلام کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد اس علمی امانت کو آنے والی نسلوں تک پہنچانے کا فریضہ بحسن وخوبی انجام دیا، ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے بڑے عالم خلیفہ اول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے جو پیغمبر علیہ السلام کی وفات کے بعد پوری امت کے مرجع قرار پائے۔ آپ کے علاوہ سیدنا حضرت عمر فاروق، سیدنا حضرت عثمانِ غنی، سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت معاذ بن جبل، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت زید بن ثابت، حضرت سلمان فارسی، ام المؤمنین حضرت عائشہ، ام المؤمنین حضرت ام سلمہ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم اور ان جیسے دسیوں صحابہ نے روایتِ احادیث اور تفقہ فی الدین کا سلسلہ جاری رکھا، ان میں بعض صحابہ کو تمام علوم میں جامعیت اور بعض کو بعض میں اختصاص کا درجہ حاصل تھا۔ سیدنا حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ تمام علوم کے جامع ہونے کے ساتھ ساتھ خوابوں کی تعبیر دینے میں ملکہ رکھتے تھے، سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے علم کا حال یہ تھا کہ ان کے بارے میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ علم کے دس حصوں میں سے ۹/ حصے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ہیں۔ (اعلام الموقعین ۱/۱۷) خود نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کو سب سے بڑے قاری ہونے کا لقب دیا تھا، جب کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو فقیہ الامت کا درجہ حاصل تھا، اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو حلال اور حرام کے مسائل میں اختصاص حاصل تھا، اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ علم الفرائض کے

امام تھے، ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طہارت، معاشرت اور فرائض کے مسائل سے زیادہ مناسبت تھی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو پیغمبر علیہ السلام نے سب سے بڑے قاضی ہونے کا تمغہ عطا کیا تھا۔ جب کہ مناسک حج کے سلسلہ میں حضرت عثمانِ غنی اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اختصاص کا درجہ حاصل تھا، اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو تفسیر قرآن سے زیادہ مناسبت تھی۔ (مستفاد: اعلام الموقعین لابن قیم ۱۷تا۱۹ وغیرہ)

ان حضرات کے درمیان تعلیم و تعلم کا سلسلہ مسلسل جاری رہتا، ان میں سے ہر شخص اپنی جگہ پر معلم کی حیثیت رکھتا تھا، اور شائقین علم ان کے پاس جا کر اپنی علمی پیاس بجھایا کرتے تھے۔

مکاتب کا اجراء

امت میں باقاعدہ بچوں کی دینی تعلیم کے لئے مکاتب قائم کرنے کا سہرا امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر بن الخطاب ص کے سر بندھتا ہے، جنہوں نے مدینہ منورہ میں بچوں کی تعلیم کے لئے تین باتنخواہ استاذ باقاعدہ مقرر فرمائے اور ساتھ میں اپنے تمام گورنروں کو یہ فرمان جاری کیا کہ وہ بھی اپنے علاقوں میں بچوں کی تعلیم وتربیت کا معقول نظم کریں اور ان کو عربی زبان وادب اور تحریر کی مشق بھی کرائیں۔ (خیر القرون کی درس گاہیں ۳۴۸)

دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اہم علمی مراکز

دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے بڑا علمی مرکز مدینہ منورہ تھا، جہاں حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی بڑی تعداد مقیم تھی اور اکنافِ عالم سے شائقینِ علم کی آمد ورفت بھی یہاں سب سے زیادہ تھی، یہاں سے بالخصوص جن حضراتِ صحابہ کا علم مشرق ومغرب میں عام ہوا، ان میں حضراتِ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن عمر، ام المؤمنین حضرت عائشہ، حضرت ابوسعید خدری، حضرت حذیفہ بن الیمان اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم قابل ذکر ہیں، پھر جیسے جیسے ضرورتیں بڑھتی گئیں اور اسلامی مملکت کا دائرہ وسیع ہوتا گیا، حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دنیا کے مختلف خطوں میں حسبِ

ضرورت منتقل ہوتے رہے اور وہ جہاں جہاں تشریف لے گئے وہاں ان کا علمی فیض جاری ہوگیا۔
چناں چہ کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور بعد میں امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی علمی مجالس سے بڑا فیض پہنچا۔ مصر میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے افادہ اور استفادہ کا سلسلہ جاری کیا۔ مکہ معظّمہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ عرصہ تک قیام پذیر رہے، اسی طرح شام، بصرہ اور حمص میں بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کی علمی مجلسیں آباد رہیں۔

تابعین و تبع تابعین کے دور کی اہم علمی درس گاہیں

مدینہ منورہ میں تابعین میں سب سے اونچا مقام فقہاء سبعہ (حضرت سعید بن المسیبؒ (م ۹۴ھ) حضرت عروہ بن الزبیرؒ (م ۹۴ھ) حضرت قاسم بن محمدؒ (م ۱۰۷ھ) حضرت خارجہ بن زیدؒ (م ۱۰۰ھ) حضرت سلیمان بن یسارؒ (م ۱۰۷ھ) حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰنؒ (م ۹۴ھ) حضرت عبید اللہ بن عبداللہؒ (م ۹۸ھ) رحمہم اللہ تعالیٰ) کو حاصل تھا، ان میں حضرت سعید بن المسیبؒ کی مجالس ممتاز حیثیت کی حامل تھیں، اور موصوف کو بلاشبہ سید التابعین کا لقب زیب دیتا تھا۔ (اعلام الموقعین ۲۱-۲۲)

بعد میں امام ابن شہاب زہریؒ (م ۱۲۴ھ) حضرت ربیعۃ الرائےؒ (م ۱۳۶ھ) حضرت ابو جعفر بن محمد بن علی الباقرؒ (م ۱۱۸ھ) محمد بن یحیٰی الانصاریؒ (م ۱۲۱ھ) حضرت محمد بن عجلانؒ (م ۱۴۸ھ) حضرت یحیٰی بن سعیدؒ (م ۱۴۳ھ) کے حلقہ ہائے درس (جو عموماً مسجد نبوی میں منعقد ہوتے تھے) سے امت کو بڑا علمی فیض پہنچا، پھر اس سلسلہ کا عروج امام دار الہجرۃ حضرت مالک بن انسؒ (م ۱۷۹ھ) کے دور میں ہوا، جن کی علمی فیض رسانی عرب و عجم تک پہنچ گئی اور ان کے شاگرد دنیا کے اطراف واکناف میں پھیل گئے، انہوں نے سب سے پہلے حدیث کی جامع کتاب ''موطا'' کے نام سے مرتب فرمائی اور تاحیات آپ کی درس گاہ کی شان وشوکت قائم رہی۔

مکہ معظّمہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے تلامذہ نے خصوصیت کے ساتھ علمی مجالس کو آباد کیا، جن میں حضرت مجاہد بن جبرؒ (م ۱۵۳ھ) حضرت عطا بن ابی رباحؒ (م ۱۱۷ھ) اور حضرت عمرو بن دینارؒ (م ۱۱۶ھ) قابل ذکر ہیں۔

اور کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ نے ان کے علوم کو پوری آن بان کے ساتھ باقی رکھا، آپ کے سب سے اہم ترین شاگرد حضرت علقمہ بن قیس کوفیؒ (م۱۶۲ھ) تھے، اسی طرح حضرت عامر شعبیؒ (م۱۰۴ھ) ان اجلہ تابعین میں ہیں جن سے کوفہ کی علمی مجلسیں آباد ہوئیں۔ نیز حضرت ابراہیم نخعیؒ اور امام الفقہ حماد بن ابی سلیمانؒ (م۱۲۰ھ) امام ابوعمر الشیبانیؒ (م۹۸ھ) حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ، حضرت ابوعبدالرحمٰن السلمیؒ (م۱۷۲ھ) نے بھی کوفہ کی علمی مجلسوں کو رونق بخشی۔ کوفہ کی علمی درس گاہوں میں امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہؒ (م۱۵۰ھ) کی درس گاہ کو خاص علمی وفقہی امتیاز حاصل تھا، ان کی مجلس درس میں ہر علم وفن کے باکمال افراد موجود رہتے، اور فقہی مسائل پر پوری بحث وتنقیح کے بعد رائے قائم کی جاتی، اس نادرۂ روزگار درس گاہ سے امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام زفرؒ، امام حسن بن زیادؒ اور محدثِ جلیل حضرت عبداللہ بن مبارکؒ جیسے علوم نبوت کے روشن ستارے فارغ ہو کر نکلے، جن کا علمی فیض آج بھی جاری ہے، اور انشاء اللہ تا قیامت جاری رہے گا۔

اور شہر بصرہ میں علوم نبوت کی اشاعت حضرت حسن بصریؒ (م۱۱۰ھ) امام محمد بن سیرینؒ (م۱۱۰ھ) حضرت ایوب سختیانیؒ (م۱۳۱ھ) حضرت عبداللہ بن عونؒ (م۱۵۰ھ) حضرت قتادہ بن دعامہؒ (م۱۱۸ھ) جیسے جلیل القدر ائمہ فقہ وحدیث کے ذریعہ ہوئی۔

جب کہ ملک شام میں صحابی رسول حضرت ابوالدرداء ؓ کے بعد امام ابوادریس خولانیؒ (م۸۰ھ) علماء شام میں بڑا اونچا مقام رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں حضرت یزید بن ابی مالکؒ (م۱۳۰ھ) حضرت عاصم بن عمرؒ (م۱۲۰ھ) حضرت خالد بن معدانؒ (م۱۰۴ھ) نے بھی افادہ اور استفادہ کا سلسلہ جاری رکھا۔

اسی طرح یمن میں حضرت طاؤسؒ (م۱۰۶ھ) کے ذریعہ علوم کی سب سے زیادہ اشاعت ہوئی۔

اور مصر میں حضرت یزید بن حبیبؒ (م۱۲۸ھ) حضرت لیث بن سعدؒ (م۱۷۵ھ) نے علوم نبوت کی خدمت کی۔ (ملخص از: خیر القرون کی درس گاہیں)

باقاعدہ مدارس کا رواج

تابعین اور تبع تابعین کے دور تک تعلیم وتعلم کا سلسلہ علماء اور محدثین کی پر فیض اور بابرکت مجالس اور تعلیمی حلقوں کے ذریعہ جاری رہا، امیر المؤمنین خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مدینہ کے گورنر ابوبکر ابن حزمؒ کو یہ فرمان جاری کیا تھا کہ وہ تدوینِ حدیث کا کام اپنی نگرانی میں انجام دیں اور علم کی خوب اشاعت کریں اور علمی مجالس آراستہ کریں، کیوں کہ کتمانِ علم ہی سے علم کا ضیاع ہوگا۔ (بخاری شریف ۱/۲۰) یہ تعلیمی حلقے زیادہ تر مساجد یا ذاتی مکانات پر قائم ہوتے تھے، اور شہر اور اکنافِ عالم کے شائقینِ علم علماء کی شہرت سن کر تعلیمی اسفار کرتے اور ہر شہر کے علماء ومحدثین کی صحبت سے مستفیض ہوتے تھے۔ تا آں کہ طلبہ کی کثرت اور اسلامی حکومت کی وسعت اس بات کی متقاضی ہوئی کہ تدریسِ علم کے لئے الگ مدارس قائم کئے جائیں، چناں چہ امت کے باہمت افراد نے بفضلِ خداوندی اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے مدارس قائم فرمائے اور اس سلسلہ کا سب سے پہلا مدرسہ یکم رمضان ۲۴۵ھ میں ملک مغرب کے شہر ''فاس'' میں قائم کیا گیا جس کا نام ''جامع قرویین'' تھا جہاں آج تک دینی تعلیم جاری ہے، اس کی تاسیس علاقہ کی فقیہہ اور مفتیہ فاطمہ بنت محمد نے رکھی، اسی سال موصوفہ کی بہن مریم بنت محمد نے ''جامع الاندلس'' کے نام سے مدرسہ جاری کیا۔ بعد ازاں ۳۶۱ھ میں قاہرہ میں ''جامع ازہر'' کا آغاز ہوا۔ (جس کا شمار آج قدیم اسلامی یونیورسٹیوں میں ہوتا ہے، مگر اب اس کا مزاج ومذاق نئے قالب میں ڈھل چکا ہے، اور وہ اپنے شاندار ماضی کو فراموش کر چکا ہے) بعد ازاں نیشاپور کے علاقہ میں کئی مدرسے مثلاً مدرسہ بیہقیہ، مدرسہ سعدیہ اور مدرسہ ابواسحاق وغیرہ قائم ہوئے جن سے بڑا علمی فیض پھیلا۔ اس کے بعد مشہور علم دوست وزیر ''نظام الملک طوسی'' المتوفی ۴۸۵ھ نے اپنے دورِ وزارت میں بلخ، نیشاپور، ہرات، اصفہان، بصرہ، مرو، بغداد اور عراق وخراسان کے مختلف شہروں میں بے شمار مدارس کی بنیاد ڈالی، جن کو ''مدارسِ نظامیہ'' کے نام سے جانا جاتا تھا۔ (ملخص: خیر القرون کی درس گاہیں ۱۷ تا ۱۹)

اسی طرح عادل بادشاہ نور الدین زنگیؒ (المتوفی ۵۶۹ھ) نے دمشق اور اس کے اطراف

میں بہت سے مدارس قائم کیئے، جن میں مدرسہ عادلیہ، مدرسہ نوریہ اور دارالحدیث قابل ذکر ہیں، جن میں قرآن وسنت اور خصوصیت کے ساتھ فقہ حنفی کی تعلیم ہوتی تھی، مؤرخین کہتے ہیں کہ اسلامی تاریخ میں دارالحدیث کے نام سے سب سے پہلی عمارت بنانے کا شرف نورالدین زنگی ہی کو حاصل ہے۔ (الاعلام للزرکلی ۷/۱۷۰)

ہندوستان کے علمی مراکز

ہندوستان میں اگر چہ اسلام ابتدائی صدیوں میں پھیل چکا تھا، لیکن عرب کے علماء سے ربط وضبط اور اکتسابِ فیض میں کمی کی وجہ سے یہاں مختلف شہروں میں جو علمی مراکز قائم تھے ان میں قرآن وسنت کی طرف کامل توجہ نہ ہوکر دیگر علوم وفنون پر محنت زیادہ تھی۔ عام طور پر یہاں کے علماء علم حدیث میں ''مشارق الانوار'' یا بہت سے بہت ''مشکوٰۃ شریف'' پڑھنا کافی سمجھتے تھے، تا آں کہ دسویں صدی کے اواخر میں عرب کے بعض علماء گجرات میں رونق افروز ہوئے، اوران کے ذریعہ سے علوم عالیہ اور تدریسِ حدیث کا سلسلہ جاری ہوا، لیکن وہ بہت محدود تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (المتوفی ۱۰۵۲ھ) کو منتخب فرمایا، جنہوں نے گیارہویں صدی کے آغاز میں دارالسلطنت دہلی میں مسند درس آراستہ فرمائی جس سے بڑا فیض پہنچا، شیخ کے بعد ان کے لائق صاحب زادے شیخ نور الحقؒ (المتوفی ۱۰۷۳ھ) نے اس علم کی خدمت اور نشر واشاعت کا بیڑا اٹھایا۔ جس عظیم کام کی طرح شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ڈالی تھی اس کو بام عروج تک پہنچانے میں مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے خانوادے کا بڑا عظیم کردار ہے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حرمین شریفین کا سفر فرما کر وہاں کے جلیل القدر محدثین سے اکتسابِ فیض فرمایا، اور وہاں سے واپسی کے بعد اپنے والد کے قائم کردہ ''مدرسہ رحیمیہ'' دہلی میں درسِ حدیث کا عظیم کام اس انداز سے انجام دیا کہ بہت جلد ان کا مدرسہ پورے برصغیر میں حدیث کی سب سے بڑی درس گاہ بن گیا، جس سے ایسے فضلاء فارغ ہوئے جن کے ذریعہ سے اطراف واکنافِ عالم میں علوم نبوت کی دھوم مچ گئی۔

آپ کے صاحب زادے حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور فخرِ ہندوستان علامہ سید مرتضیٰ بلگرامی اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اسی چشمۂ صافی کے فیض یافتہ تھے، پھر حضرت شاہ عبد العزیزؒ کے تلامذہ میں حضرت شاہ محمد اسحٰق دہلویؒ اور حضرت شاہ عبد الغنی مجددی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسی بافیض شخصیات شامل ہوئیں، جن کے ذریعہ سے نہ صرف برصغیر؛ بلکہ حرمین شریفین میں بھی علوم نبوت کا فیض پہنچا ہے، اور آج برصغیر میں رائج تمام مراکز علم حدیث کا سلسلہ سند زیادہ تر انہیں دو حضرات کے واسطہ سے گذرتا ہے۔ (تلخیص: تاریخ دعوت وعزیمت ۱۷۸تا۱۹۱)

مذکورہ دونوں حضرات سے جن علماء اعیان نے اکتسابِ فیض کیا ان میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (جو دار العلوم دیوبند کے قیام کے سب سے بڑے محرک تھے) قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (آپ حلقۂ دیوبند کے مرجع وماویٰ اور فکری رہنما سمجھے جاتے ہیں) حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ (اولین صدر مدرس دار العلوم دیوبند) عالم جلیل حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ (جو مدرسہ مظاہر علوم کے اولین صدر مدرس اور روح رواں تھے) خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ (سوانح علماء دیوبند، تذکرہ حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ)

دار العلوم دیوبند کا قیام

بتقدیر خداوندی مغلیہ حکومت کا ٹمٹماتا ہوا چراغ جب ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کی ناکامی کے بعد بجھ گیا تو انگریز نے ہندوستان سے اسلام کو نکالنے کا بگل بجا دیا، چوں کہ اس تحریک کی قیادت غیور علماء کے ہاتھ میں تھی، اس لئے انگریز نے انتقامی کارروائی کرتے ہوئے ہزاروں علماء کو تختہ دار پر چڑھا دیا، اور دوسری جانب علم دین کے مراکز کو اجاڑنا شروع کر دیا، اس وقت یوروپ کی عیسائی مشنریاں ایک سیلاب کے مانند ہندوستان کی طرف متوجہ ہوئیں اور یہاں کے ناواقف اور بھولے بھالے مسلمانوں کو دام فریب میں مبتلا کرنے میں مصروف ہوگئیں، اس وقت مؤرخ قلم روک کر ظاہری حالات سے یہ دوٹوک نتیجہ اخذ کر رہا تھا کہ اب شاید ہندوستان میں اسلام کا مستقبل تاریک ہو جائے گا، یہاں کی مسجدیں ویران ہو جائیں گی، ٹوپی اور داڑھی کا چلن خواب وخیال بن

جائے گا، اور قال اللہ اور قال الرسول کی صدائیں سننے سے ہندوستان کے بام و در ترس جائیں گے، مگر ان یاس انگیز حالات میں کچھ اللہ کے بندے راتوں میں بارگاہ خداوندی میں سسک سسک کر ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی بقا اور دین برحق کے تحفظ کے اسباب فراہم ہونے کی بھیک مانگ رہے تھے۔ اللہ ارحم الراحمین کو ان مانگنے والے مخلص ترین بندوں کے ''انداز طلب'' پر ترس آیا اور ابھی ''دلی'' اجڑے ہوئے دس سال بھی نہ گذرے تھے کہ حسرت و یاس کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ''دیوبند'' کی بستی میں ''دارالعلوم'' کی شکل میں ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۷ء میں ایک چراغ روشن ہوا، پھر اس ایک چراغ سے چراغ پر چراغ جلتے رہے اور دیکھتے ہی دیکھتے پورا برصغیر علم دین کی روشنی سے منور ہو گیا۔ پھر چند ہی ماہ بعد سہارنپور میں مدرسہ مظاہر علوم قائم ہوا، اس کے بعد اسی نہج پر مراد آباد میں ۱۲۹۶ھ میں مدرسہ الغرباء شاہی مسجد (مدرسہ شاہی) کا قیام عمل میں آیا، اور گلاؤٹھی، نگینہ اور امروہہ وغیرہ میں بھی مدرسوں کا قیام ہوا، اور نصف صدی گذرتے گذرتے ملک کے طول و عرض شمال و جنوب میں دینی تعلیم کے چھوٹے بڑے بے شمار مراکز قائم ہو گئے اور آج یہ تعداد بفضلہ تعالیٰ ہزاروں سے متجاوز ہو چکی ہے اور روز افزوں ہے، جن میں سے بہت سے ادارے اپنے اپنے علاقوں میں مرکزی حیثیت کے حامل ہیں۔

اساسی اصول ہشت گانہ

دارالعلوم دیوبند کی بنیاد درج ذیل آٹھ اصولوں پر رکھی گئی جو حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے تحریر فرمائے تھے، جنہیں الہامی اصول کہنا بجا ہے :

(۱) اصل اول یہ ہے کہ تا مقدور کارکنانِ مدرسہ کی ہمیشہ تکثیر چندہ پر نظر رہے، آپ کوشش کریں اوروں سے کرائیں، خیر اندیشان مدرسہ کو ہمیشہ یہ بات ملحوظ رہے۔

(۲) ابقاء طعام طلبہ؛ بلکہ افزائش طعام طلبہ میں جس طرح ہو سکے خیر اندیشان مدرسہ ہمیشہ ساعی رہیں۔

(۳) مشیرانِ مدرسہ کو ہمیشہ یہ بات ملحوظ رہے کہ مدرسہ کی خوبی اور اسلوبی ہو، اپنی بات کی

پیچ نہ کی جائے، خدانخواستہ جب اس کی نوبت آئے گی کہ اہل مشورہ کو اپنی مخالفت رائے اوراوروں کی رائے کے موافق ہونا ناگوار ہوتو پھراس مدرسہ کی بنیاد میں تزلزل آجائے گا۔ القصہ تہہ دل سے ہر وقت مشورہ اوراس کے پس وپیش میں خوش اسلوبی مدرسہ ملحوظ رہے، سخن پروری نہ ہو، اوراس کے لئے ضروری ہے کہ اہل مشورہ اظہاررائے میں کسی وجہ سے متأمل نہ ہوں اور سامعین بہ نیت نیک اس کوسنیں یعنی یہ خیال رہے کہ اگر دوسرے کی بات سمجھ میں آجائے گی تو اگرچہ ہمارے مخالف ہی کیوں نہ ہو، بدل وجان قبول کریں گے، نیز اسی وجہ سے یہ ضروری ہے کہ مہتمم امور مشورہ طلب میں اہل مشورہ سے ضرور مشورہ کرے، خواہ وہ لوگ ہوں جو ہمیشہ مشیر مدرسہ رہتے ہیں یا کوئی وارد وصادر جوعلم وعقل رکھتا ہواور مدرسوں کا خیر اندیش ہواور نیز اسی وجہ سے ضروری ہے کہ اگراتفاقاً کسی وجہ سے مشورہ کی نوبت نہ آوے اور بقدرضرورت اہل مشورہ کی مقدار معتد بہ سے مشورہ کیا گیا ہوتو پھر وہ شخص اس وجہ سے ناخوش نہ ہو کہ مجھ سے کیوں نہ پوچھا، ہاں اگر مہتمم نے کسی سے نہ پوچھا تو پھر ہر اہل مشورہ معترض ہوسکتا ہے۔

(۴) یہ بات بہت ضروری ہے کہ مدرسین مدرسہ باہم متفق المشرب ہوں اور مثل علمائے روزگار خود بیں اور دوسروں کے درپئے توہین نہ ہوں، خدانخواستہ جب اس کی نوبت آئے گی تو مدرسہ کی خیر نہیں۔

(۵) خواندگی مقررہ اس انداز سے جو پہلے تجویز ہوچکی ہے یا بعد میں کوئی انداز مشورہ سے تجویز ہو پوری ہوجایا کرے، ورنہ یہ مدرسہ اول تو خوب آباد نہ ہوگا اور اگر ہوگا تو بے فائدہ ہوگا۔

(۶) اس مدرسہ میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں جب تک یہ مدرسہ انشاء اللہ بشرط توجہ الی اللہ چلے گا اور اگر کوئی آمدنی ایسی یقینی حاصل ہوگئی جیسے جاگیر یا کارخانۂ تجارت یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ، تو پھر یوں نظر آتا ہے کہ یہ خوف ورجا جو سرمایۂ رجوع الی اللہ ہے، ہاتھ سے جاتا رہے گا اور امداد غیبی موقوف ہوجائے گی، اور کارکنوں میں باہم نزاع پیدا ہوجائے گا، القصہ آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک نوع کی بے سروسامانی رہے۔

(۷) سرکار کی شرکت اور امراء کی شرکت بھی زیادہ مضر معلوم ہوتی ہے۔

(۸) تامقدور ایسے لوگوں کا چندہ موجب برکت معلوم ہوتا ہے جن کو اپنے چندہ سے امید ناموری نہ ہو، بالجملہ حسن نیت اہل چندہ زیادہ پائیداری کا سامان معلوم ہوتا ہے۔ (ندائے شاہی ''تاریخ شاہی نمبر'')

آج سے ایک سو چالیس سال پہلے لکھے گئے مذکورہ بالا اصول کے روشن الفاظ تجربات کی کسوٹی پر سو فیصد صحیح اور کھرے ثابت ہوئے ہیں، اور جب تک تحریک مدارس ان اصول پر سختی سے عمل پیرا رہے گی انشاء اللہ دنیا کی کوئی طاقت اس تحریک کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

دینی مدارس کے نصاب وغیرہ کے بارے میں چند اہم نکات

مدارس کا نصاب بہت غور و خوض کے بعد ایسا رکھا گیا ہے کہ اس کو پڑھنے والا اتنی استعداد اپنے اندر پیدا کر لے کہ قرآن وسنت اور فقہ اسلامی کے ذخیرہ سے خود بھی نفع اٹھانے کا اہل ہو اور دوسروں کو بھی نفع پہنچا سکے، یہ مدارس کا اساسی ہدف ہے۔ اور گذشتہ ڈیڑھ سو سالوں میں مدارس اپنا یہ ہدف بڑی حد تک حاصل کرنے میں کامیاب رہے ہیں، اور یہ مانے بغیر چارہ نہیں ہے کہ دینی ضرورت کے لئے افراد سازی کا کام ان مدارس نے بحسن وخوبی انجام دیا ہے اور آج بھی بڑی حد تک انجام دے رہے ہیں۔

آج کل عام طور پر مدارس دینیہ کے نصابِ تعلیم وغیرہ پر تبصروں کا معمول بن گیا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں چند اہم امور پیش نظر رکھے جائیں:

(۱) دینی مدارس کے قیام کا مقصد اولیں ''دین کو صحیح شکل میں محفوظ رکھنا اور مخلص علماء تیار کرنا ہے''، یہ مقصد اسی وقت پورا ہو سکتا ہے جب کہ قدیم اسلامی علوم وفنون پوری طرح محفوظ اور رائج رکھے جائیں، اس لئے کہ احکام شریعت عقل سے نہیں؛ بلکہ نقل سے ثابت ہیں۔ قرآن و حدیث کی تفسیر وتشریح اسی طرح اسلامی عقائد اور ان کی تفصیلات وہی معتبر ہیں جو متقدمین نے لکھیں یا ان سے نقل ہوتی چلی آرہی ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان اصولی اور قطعی علوم کے بارے میں

سلف کی آراء سے متعارض جدید تحقیقات اکثر جادۂ حق سے ہٹنے کا سبب بن جاتی ہیں، اسی بناء پر مدارسِ اسلامیہ میں سلف صالحین پر اعتماد کی فضا قائم کی جاتی ہے؛ تاکہ طالبِ علم فکری طور پر علماء سلف سے وابستہ رہے اور اس میں نظری آزادی اور بے محابا جرح وتنقید کے خیالات نشو ونما نہ پاسکیں۔ اس فکری ہدف کو سامنے رکھتے ہوئے مدارس کے نصاب میں ضرورت کے مطابق ردو بدل سے بھی کسی کو انکار نہیں رہا ہے؛ بلکہ ماہرین تعلیم علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ تعلیمی ضرورتوں پر گہری نظر رکھیں اور نئے حالات کے موافق مناسب فیصلے فرمائیں۔

(۲) قیام مدارس کے عظیم اور مبارک مقاصد کے حصول میں جو چیزیں اصولی طور پر آڑے آسکتی ہیں، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ مدارس میں متوازی طور پر عصری علوم اور کتابوں کو جگہ دی جائے، اس لئے کہ ایسی صورت میں توجہ کی کمی اور یکسوئی کے فقدان کی وجہ سے طالبِ علم دینی علوم اور روایات کی حفاظت نہ کرسکے گا؛ بلکہ اکثر یہ ہوگا کہ یا تو طلبہ پوری توجہ عصری علوم کی طرف مبذول کردیں گے اور دینی تعلیم ناقص چھوڑ کر انجام کار کسی عصری کالج یا یونیورسٹی میں داخلہ لے لیں گے، یا کم از کم وہ مکمل یکسوئی نہ ہونے کی وجہ سے دونوں میدانوں میں مطلوبہ علمی گیرائی سے محروم رہیں گے، لہٰذا دینی مدارس کی اپنی انفرادی حیثیت برقرار رکھنے کا تقاضہ یہی ہے کہ مروّجہ عصری علوم کو مدارس کے لازمی نصاب میں شامل نہ کیا جائے؛ البتہ مناسب ہے کہ معلوماتِ عامہ کے ضمن میں تاریخ، جغرافیہ اور معاشیات سے متعلق ضروری معلومات کسی بھی انداز میں طلبہ کو فراہم کرادی جائیں، جیسا کہ بہت سے مدارس میں یہ مفید سلسلہ جاری ہے۔

(۳) از روئے شریعت کسی بھی زبان کو سیکھنا ممنوع نہیں ہے، لہٰذا انگریزی یا کسی بھی دوسری زبان کی تعلیم کے ناجائز ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا؛ البتہ یہ بات قابلِ غور ہے کہ اس کی تعلیم کس حد تک دی جائے؟ ہمارا کہنا یہ ہے کہ مدرسہ کا تدریسی نصاب کسی دوسری زبان یا فن کو مرکزی درجہ قرار دے کر پڑھانے کا متحمل نہیں ہوسکتا، اگر ایسا کیا جائے گا تو اصل مقصود؛ علوم دینیہ کی استعداد میں کمی رہ جائے گی، اس لئے یہ تعلیم اسی حد تک رہنی چاہئے جس سے اصل مضامین

متأثر نہ ہوں، اوراس حدتک انگریزی وغیرہ کی تعلیم کی طرف اب بہت سے مدارس میں توجہ دی جانے لگی ہے۔ ہمارے یہاں مدرسہ شاہی میں بھی ابتدائی عربی درجات میں انگریزی زبان کی تعلیم کا معقول نظم ہے،اورطلبہ ضرورت کے بقدراس سے فائدہ اٹھارہے ہیں۔

(۴) دانشورانِ قوم بکثرت یہ آواز اٹھاتے ہیں کہ: ''مدارس کے نصاب میں انگریزی زبان اورعصری علوم لازمی طور پر شامل کئے جانے چاہئیں؛ تاکہ مدارس سے ''روشن خیال'' علماء فارغ ہوسکیں''، دیکھنے میں یہ بڑی خوبصورت تجویز معلوم ہوتی ہے،لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ نامکمل اور یک طرفہ ہے،اس کا دوسرااہم ترین جزو یہ ہے کہ ''بااختیار پرائیویٹ مسلم اسکولوں اور کالجوں کوبھی اپنے نصاب میں تبدیلی کرکے اس میں بنیادی دینی علوم کولازمی بنانا چاہئے اوراپنی دنیوی تعلیم کو دین سے ہم آہنگ کرنے کی سعی کرنی چاہئے'' تاکہ کم ازکم وہاں پڑھنے والے مسلم طلبہ اپنا دین و ایمان تومحفوظ رکھ سکیں اورنماز روزہ جیسے فرائض سے تو غافل نہ رہیں، کیوں کہ دین پر عمل کی ذمہ داری صرف علماء یا صرف طلبہ ہی کی نہیں؛ بلکہ ہرمسلمان اورکلمہ گو پر دینی احکام کی تعمیل لازم ہے۔ یہ بات انصاف کے خلاف ہے کہ مدارس والوں پرتو تبدیلیٔ نصاب کے لئے پورا دباؤ بنایا جائے اور مسلم اسکولوں اور کالجوں کی دین سے بے اعتنائی پر چشم پوشی کی جائے، اس لئے آج جو پرجوش حضرات مدارس کے نصاب میں تبدیلی کی تحریک چلانے میں پیش پیش ہیں، اگروہ واقعی مخلص ہیں تو انہیں پہلے مسلم اسکولوں کے ''اسلامائیزیشن'' پرتوجہ دینی چاہئے۔

(۵) پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ آج کل تخصصات کا دور ہےاور دنیوی علوم میں اس قدرتنوع ہوگیا ہے کہ محض چند کتابیں داخل نصاب کردینے سے عصری ضروریات سے ہم آہنگی کا منشا ہرگز پورانہیں ہوسکتا۔ آج عصری علوم نے ایسی حیرت انگیز ترقیات کرلی ہیں کہ اب ہائی اسکول اورانٹرتک کی تعلیم حاصل کرنے والاشخص عصری تعلیمی میدان میں محض طفل مکتب کی حیثیت رکھتا ہے،اورآگے کے جوعلوم ہیں ان کی تحصیل کے لئے اتنی محنت اوراتناوقت درکار ہوتا ہے کہ کسی اورعلم کی جانب توجہ دی ہی نہیں جاسکتی،اوراگر طالب علم محنت نہیں کرتا تو وہ تقابل میں ناکام ہوجاتا ہے،

تو ایسے ماحول میں اہل مدرسہ کو یہ مشورہ دینا کہ وہ مدرسہ سے عالم فاضل کے ساتھ ساتھ انجینئر، ڈاکٹر، بیرسٹر اور پائلٹ بھی پیدا کریں محض ''شیخ چلی کے خواب'' کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔اس تجویز کو روبہ عمل لانے اور ''معجون مرکب'' نصاب پڑھانے سے نہ تو ڈھنگ کے عالم نکل پائیں گے اور نہ ہی ماہر ڈاکٹر وغیرہ نمودار ہو پائیں گے، (جیسا کہ بعض جدید اداروں اور یونیورسٹیوں کے نام نہاد شعبہ ہائے دینیات کا حال ہے) پھر یہی دانشور شور مچائیں گے کہ مدرسہ والوں نے ہماری دنیا اور دین سب برباد کر دیا۔

(۶) بلاشبہ یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ مخلص اور ذی ہوش علماء اگر عصری علوم اور دیگر عالمی زبانیں سیکھ کر ان کے ذریعہ دعوت وتبلیغ اور زبانی وقلمی جہاد کا فریضہ انجام دیں تو یہ عصر حاضر کی بڑی قابل قدر اور مہتم بالشان دینی خدمت ہوگی۔اور بعض منتخب علماء جو علوم جدیدہ وقدیمہ کے ماہر ہیں وہ آج بھی اس میدان میں قابل رشک خدمات انجام دے رہے ہیں اور ان کا علمی فیضان سارے عالم میں جاری وساری ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اس طرح کے افراد کا حصول کیسے ہو؟ ہمارے نزدیک اس کا حل نصاب کی تبدیلی نہیں ہے؛ بلکہ بہتر راستہ وہ ہے جو ہمارے اکابر نے تجویز کیا تھا کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سلیم الطبع گریجویٹ دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیں اور دیوبند کے چنیدہ فضلاء علی گڑھ میں داخلہ لیں، اور دونوں جگہ کی انتظامیہ ان کی مالی وتعلیمی کفالت کرے۔اسی بناء پر حضرت شیخ الہندؒ جمعیۃ الانصار کے جلسوں میں نہ صرف علماء؛ بلکہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو بھی مدعو کرتے تھے، چناں چہ ''صاحب زادہ آفتاب احمد خاں صاحب جمعیۃ کے کئی اجلاسوں میں بطور خاص شریک ہوئے اور ان سے طلبہ کے تبادلہ کا باقاعدہ معاہدہ کیا گیا''۔(شیخ محمد اکرام موجِ کوثر ص۳۰۲) نیز جامعہ ملیہ اسلامیہ کو بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی سمجھنا چاہئے، افسوس ہے کہ بعض سیاسی وجوہات کی بنا پر اس تجویز پر پوری طرح عمل درآمد نہ ہوسکا۔بعد میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ نے اس روایت کو زندہ کرنے کی کوشش کی اور جامعہ ملیہ سے رابطہ قائم کیا لیکن پھر یہ سلسلہ بھی منقطع ہوگیا۔حالاں کہ ضرورت اس کی مقتضی ہے کہ یہ اسلم راستہ محفوظ طریقہ پر

(کالجوں کے مسموم اور غیر اخلاقی ماحول سے بچتے ہوئے) پھر اختیار کیا جائے؛ تاکہ نہ تو مدارس کے نظام پر براہِ راست کوئی زد پڑے نہ کالجوں کو مزید مکلّف بنایا جائے بلکہ اپنے اپنے دائرہ میں رہ کر دونوں طرح کے ادارے کام کریں اور افادہ واستفادہ کا سلسلہ دونوں طرف سے جاری رہے۔ اور اب دارالعلوم دیو بند میں انگریزی زبان وادب کی تعلیم کے لئے دوسالہ تخصص (ڈپلوما) کا شعبہ قائم کیا گیا ہے، اسی طرح بہت سے مدارس میں ضرورت کو مدنظر رکھ کر کمپیوٹر ٹریننگ کورس کامیابی سے چلائے جارہے ہیں، اور محنتی اور فکر مند طلبہ ان میدانوں میں بھی اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھلانے لگے ہیں۔ نیز عصری علوم کی تحصیل کے لئے بعض خاص ادارے اور تربیتی سینٹر بھی قائم ہو چکے ہیں (مرکز المعارف ممبئی، اور المعہد العالی حیدرآباد وغیرہ) جن سے ذہین اور محنتی طلبہ بحمدہ تعالیٰ فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

قدیم طرز تعلیم کی برکت

مدارس دینیہ کا ایک امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے متقدمین کے طور طریقوں کو ابھی تک اپنے سینوں سے لگا رکھا ہے اس لئے کہ علم دین کے حصول کے لئے آداب کی رعایت بہت بنیادی اہمیت رکھتی ہے، دیگر علوم تو کسی بھی طرح حاصل کئے جاسکتے ہیں، لیکن علوم نبوت کی تحصیل کے لئے وہی طرز نفع بخش ہے جس پر سلف صالحین شروع سے آج تک قائم رہے ہیں، جن دینی اداروں نے اس طرز کو مضبوطی سے برقرار رکھا ہے انہیں کے فیض سے آج پورا عالم جگمگا رہا ہے۔

ہمارے زمانۂ طالبِ علمی میں کویت کے علماء کا ایک وفد دارالعلوم دیو بند آیا تھا، جس کے سربراہ کویت یونیورسٹی کے شعبہ اصولِ فقہ کے رئیس ''شیخ محمد حسن ہیتو'' تھے، ان حضرات کی تشریف آوری پر دارالعلوم دیو بند میں ایک باوقار جلسۂ استقبالیہ منعقد کیا گیا جس میں تقریر کرتے ہوئے ''شیخ محمد حسن ہیتو'' نے دارالعلوم کے طریقۂ تدریس سے متأثر ہو کر فرمایا تھا :

''بخدا! یہ دیکھ کر میری آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو گئیں کہ آپ کے یہاں زمین پر بیٹھ کر علوم ِنبوت کے دریا بہائے جاتے ہیں، میرے نزدیک علوم کے برکت کا راز انہی آداب میں سربستہ ہے، جب سے ہم

نے اس مبارک طریقہ کو چھوڑ کر کرسیوں اور ڈیکسوں پر پڑھانا شروع کیا ہے، ہماری یونیورسٹیوں اور تعلیم گاہوں سے جاہل علماء نکلنے لگے ہیں، اور علم کا اثر رخصت ہو چلا ہے"۔

آپ نے فرمایا: "میں بہت سے اسلامی وغیر اسلامی ممالک کا سفر کر چکا ہوں لیکن جو طریقۂ درس اور علم کی روشنی میں نے یہاں محسوس کی ہے اس کی مثال نہیں ملتی ہے"۔

دارالعلوم دیوبند اور اس کے نہج پر چلنے والے اداروں کے بارے میں ایک مصنف عرب عالم کا یہ تأثر پوری ملتِ اسلامیہ ہند کے لئے باعثِ افتخار ہے، اور اس امتیاز کا اصل سبب صرف یہ ہے کہ ان اداروں میں ابھی تک کافی حد تک سلفِ صالحین کے طریقوں کا اجراء اور دینِ حنیف کی اتباع کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ تجربہ یہ بتاتا ہے کہ اپنے شعائر اور شناخت کی بقاء ہی ترقی کی بنیاد اور امتیاز کی علامت ہے، اگر یہ دینی ادارے مغربی رو میں بہہ جائیں تو پھر معاشرہ میں ان کی کوئی وقعت اور مقام باقی نہیں رہ سکتا۔

مدارس سے امت کو کیا فائدہ پہنچا؟

یہ بہت اہم اور حساس سوال ہے کہ ان دینی اداروں سے امت کو مجموعی حیثیت سے کیا فائدہ پہنچا؟ تو اس بارے میں درج ذیل حقائق کا مطالعہ مفید ہوگا:

(۱) مدارس و مساجد کی حیثیت امت کے لئے ایسی ہی ہے جیسے کہ مچھلی کے لئے پانی اور انسانوں کے لئے ہوا، اگر امت کا رشتہ مدارس اور مساجد سے کٹ جائے تو یہ امت اپنی ڈگر پر باقی نہیں رہ سکتی۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جس علاقہ میں امت کے افراد اور مسلمان نسلیں مدارس سے وابستہ رہیں، وہاں دین داری باقی رہی اور اسلامی اخلاق اور دینی معاشرت کے جذبات فروغ پاتے رہے، اور جن علاقوں میں مدارس و مکاتب سے وابستگی نہیں رہی وہاں ضلالت و گمراہی اور جہالت نے پاؤں پھیلا لئے، حتی کہ فکری ارتداد کی سازشیں بھی کامیاب ہوتی نظر آئیں۔ آج برصغیر میں جو اسلامی تشخصات اور دینی تہذیب کے مظاہر پائے جاتے ہیں وہ سب انہیں مدارس کے ثمرات و اثرات ہیں۔

(۲) یہ بھی ایک واضح حقیقت ہے کہ قریبی دور میں امت اسلامیہ میں جو بھی انقلابی اور

اصلاحی تحریکات اٹھیں، اور جن سے اس خطہ میں اسلام اور مسلمانوں کو ارتقاء نصیب ہوا، ان سب تحریکات کا سرچشمہ یہی دینی مدارس رہے۔ تحریک سید احمد شہید، تحریک ۱۸۵۷ء، تحریک ریشمی رومال، تحریک خلافت، تحریک ترک موالات اور اصلاحی تحریکات میں جماعت دعوت وتبلیغ، ان تمام تحریکات کے نمایاں قائدین مدارس ہی کے فیض یافتہ اور ان سے وابستہ تھے اور ہیں۔

(۳) مدارس کے واسطے سے بقدر ضرورت دینی و دنیوی علم ایسے طبقہ تک پہنچا جن کا کوئی پرسانِ حال نہ پہلے تھا نہ اب ہے، آپ جائزہ لے لیں ملک کے طول وعرض کے مدارس میں پڑھنے والے زیادہ تر طلبہ غریبی کی سطح سے نیچے زندگی گذارنے والے گھرانوں سے آتے ہیں، یہ لوگ اپنے بل بوتے پر علوم عصریہ حاصل نہیں کر سکتے، ان کے لئے اہل مدارس نہ صرف مفت تعلیم کا نظم کرتے ہیں؛ بلکہ ان کی ہر ممکن معاشی کفالت کر کے انہیں اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے لائق بناتے ہیں، اور اس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے، ہر آدمی کسی بھی مدرسہ میں جا کر اس حقیقت سے واقف ہو سکتا ہے۔

(۴) دینی مدارس میں جو تعلیم دی جاتی ہے وہ صرف تعلیم برائے تعلیم نہیں؛ بلکہ اس کا اصل مقصد ایسے افراد کو وجود میں لانا ہے جو اسلامی اخلاق و کردار سے آراستہ ہوں، اسی لئے مدارس میں تعلیم کے ساتھ تربیت پر کافی توجہ دی جاتی ہے۔ اس کے برخلاف عصری اسکول اور کالجوں میں تربیت اخلاق کا وہ اہتمام نہیں ہے۔

(۵) برصغیر میں اسلامی تعلیمات کا سب سے بڑا ذخیرہ اردو زبان میں موجود ہے، آزادی کے بعد فرقہ پرست طاقتوں نے منصوبہ بندی کے ساتھ اردو کو مٹانے کا عزم کر رکھا ہے، اور بدقسمتی سے اب تک کی کوئی بھی حکومت اردو کو اس کا جائز حق دلانے میں ناکام ثابت ہوئی ہے۔ ایسے ناموافق ماحول میں ہندوستان میں اردو زبان کے تحفظ میں دینی مدارس کا روشن کردار ناقابل فراموش ہے، ملک کے طول وعرض میں زیادہ تر مدارس میں ذریعہ تعلیم چوں کہ اردو ہے اس لئے اس میں پڑھنے والے طلبہ کے لئے اردو زبان سے وابستگی ناگزیر ہوتی ہے، اس لئے یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ ''آزاد ہندوستان میں اردو زبان کا وجود مدارس اسلامیہ کا رہین منت ہے''۔

(۶) جیسے جیسے آبادی بڑھ رہی ہے الحمد للہ مساجد کی کثرت بھی ہو رہی ہے، ان کے لئے ائمہ اور مؤذنین کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح زندگی کے ہر موڑ پر مسائل کی جانکاری کے لئے ماہر علماء اور مفتیان کا وجود بھی ناگزیر ہے، جس سے کوئی مسلم معاشرہ مستغنی نہیں ہوسکتا، یہ اہم ترین ملی ضرورت انہیں مدارس کے ذریعہ بحمدہ تعالیٰ تکمیل پا رہی ہے، اگر مدارس کا یہ سلسلہ نہ ہوتا تو اتنی عظیم مسلم آبادی کی دینی ضرورتیں ہرگز پوری نہ ہو پاتیں۔ اگرچہ ہماری معلومات کے اعتبار سے مدارس کی تعداد میں بڑی حد تک زیادتی کے باوجود امت کے لئے مطلوب افراد پوری طرح دست یاب نہیں ہو پا رہے ہیں، اس لئے کہ مدارس سے فارغ ہونے والوں کا تناسب ہندوستان کی مسلم آبادی میں زیادہ سے زیادہ 0.0005 ہے یعنی بیس ہزار کی آبادی پر ایک عالم دین کا تناسب ہے، اسی وجہ سے آج کتنی آبادیاں مکاتب سے خالی ہیں اور کتنی ہی مساجد مستقل امام اور مؤذن سے محروم ہیں، اگر یہ مدارس کی محنت اور مضمحل ہوئی تو یہ تناسب یقیناً اور بھی گر جائے گا۔ اللّٰہم احفظنا منہ۔

یہ مدارس کی افادیت کے چند اہم عنوانات ہیں جن کی تفصیل باعث طوالت ہے، اور ہر سنجیدہ اور منصف مزاج شخص ان باتوں کو تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اسی وجہ سے شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے مدارس کے بارے میں یہ حقیقت آفریں تبصرہ کیا تھا:

''ان مکتبوں اور مدرسوں کو اسی حالت پر رہنے دو، غریب مسلمانوں کے بچوں کو انہیں مدرسوں میں پڑھنے دو، اگر یہ ملا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ جو کچھ ہوگا میں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں، ہندوستان کے مسلمان ان مدرسوں سے اگر محروم ہو گئے تو بالکل اسی طرح جس طرح اندلس میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈر اور الحمرا اور باب الاخوتین کے نشانات کے سوا اسلام کے پیروؤں اور اسلامی تہذیب کے اثر کا کوئی نقش نہیں ملتا۔ اسی طرح ہندوستان میں بھی آگرہ کے تاج محل اور دہلی کے لال قلعہ کے سوا مسلمانوں کی ہزار سالہ حکومت اور ان کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا''۔ (الجمعیۃ دینی مدارس نمبر ۱۲)

مدارس کے بارے میں علامہ اقبالؒ کا یہ تبصرہ یقیناً مبنی بر حقیقت ہے جس کو ہر وقت پیش نظر رکھنا چاہئے۔

سرکاری امداد کے مضر اثرات

ہندوستان کے دستور میں تمام اقلیتوں کو اپنے مذہبی ادارہ چلانے کا اختیار دیا گیا ہے، اس لئے دستوری طور پر کسی بھی تعلیمی ادارہ کو بلا کسی خاص سبب کے حکومت بند نہیں کر سکتی۔ دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلام دشمن اور فرقہ پرست طاقتوں کو مدارس کی ترقی اور مسلمانوں کی ان سے وابستگی بہت گراں گذرتی ہے، اور چوں کہ یہ مدارس اپنے مالی نظام میں حکومت کے محتاج نہیں ہیں، اس لئے حکومت ان کے کام کاج میں مداخلت کرنے کی مجاز بھی نہیں ہے، اس لئے تحریک مدارس کو نقصان پہنچانے اور اس کے نصب العین کو سبوتاز کرنے کے لئے یہ راستہ اپنایا گیا کہ سرکاری امدادی مدارس قائم کئے گئے اور اس راہ سے مدارس میں مداخلت کا راستہ ہموار کیا گیا، یہ سلسلہ پہلے سے جاری ہے اور اب اس میں مزید شدت آ رہی ہے، اور ابھی تک یہ تحریک اس لئے ناکام ہے کہ بافیض مدارس اور ان سے ملحق اداروں نے سرکاری امداد کو اپنے لئے شجر ممنوعہ سمجھ رکھا ہے، وہ تجربہ کی روشنی میں یہ یقین رکھتے ہیں کہ مدارس کے لئے ''سرکاری پیسہ'' انجام کے اعتبار سے نہایت مضر ہے۔ دنیا کا یہ دستور ہے کہ جس ادارہ اور تنظیم میں جو شخص پیسہ خرچ کرتا ہے بات اسی کی چلتی ہے، اور اس کی مداخلت کو کوئی شخص روک نہیں سکتا، ابھی تک چوں کہ آزاد دینی مدارس اپنے مالی نظام میں حکومت کے محتاج اور دست نگر نہیں ہیں، اس لئے حکومت ان کے کسی بھی نظام میں کسی طرح بھی دخل دینے کی پوزیشن میں نہیں ہے، اگر یہ مدارس اپنے مالیہ میں حکومت کے محتاج ہو گئے جیسا کہ صوبائی بورڈ سے ملحق مدارس کا حال ہے تو شروع میں لاکھ حکومت یہ کہے کہ ہم مدارس کے نظام میں دخل نہیں دیں گے لیکن مستقبل قریب میں یہی مالی تعاون مداخلت کی راہ کو آسان کر دے گا، اور یہ تجربہ ہے کہ جب مدارس سرکاری امداد کے عادی ہو جائیں گے تو ان کے وجود و بقا کا سارا انحصار حکومت کی پالیسی پر ہوگا، وہ جب تک چاہے گی انہیں جاری رکھے گی اور جب چاہے گی دست تعاون کھینچ کر انہیں بے موت مار دے گی، اور مفت امداد کے عادی علماء اور ملازمین اس وقت ایسے بے دست و پا ہوں گے کہ نقل و حرکت کی ہمت بھی نہ کر پائیں گے، اس بھیانک واقعی انجام سے بچنے کی واحد شکل یہی ہے کہ ابتدائی مرحلہ ہی میں سرکاری پیش کش کو قطعاً ٹھکرا دیا جائے، اور اپنے

ادارے کو اپنی قوم کے تعاون سے چلانے اور باقی رکھنے کی روایت برقرار رکھی جائے، اور گذشتہ ڈیڑھ صدی سے مسلم قوم میں اپنے دینی اداروں کے تعاون کی جو عادت پڑ چکی ہے اس عادت کو ختم نہ ہونے دیا جائے، کیوں کہ یہی وہ سر چشمہ ہے جس سے ملت آزادیٔ فکر کے ساتھ اپنا علمی سفر جاری رکھ سکتی ہے اور ہر قسم کی خارجی مداخلت سے محفوظ رہ سکتی ہے۔

آج بہت سے پر جوش حضرات مدارسِ دینیہ کے اندرونی نظام کی خرابیوں کو بہانہ بنا کر سرکاری وابستگی کی تلقین وتائید کرتے نظر آتے ہیں، تو یہ طریقہ فکر ہماری نظر میں منصفانہ نہیں ہے؛ بلکہ یہ ایک مرض کو دور کرنے کے لئے بطور علاج دوسرے بڑے مرض کو تجویز کرنے کے مرادف ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ مدارس کو اپنا اندرونی تعلیمی، تربیتی، انتظامی اور مالی نظام درست اور صاف شفاف رکھنا چاہئے، اور غلطیوں کی ہر ممکن اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے، لیکن اس کا حل یہ نہیں ہے کہ ہم اس فتنہ کو فرو کرنے کے عنوان سے اپنے کو دوسرے بڑے فتنہ میں مبتلا کرلیں، کیوں کہ اندرونی کوتاہیوں کی اصلاح تو خود ہمارے ہاتھ میں ہے، لیکن سرکاری مداخلت ایسا فتنہ ہے جس کی اصلاح ہمارے اختیار سے باہر ہے، لہٰذا اصلاح کی فکر یقیناً لازم ہے اس میں کوئی دورائے نہیں، مگر اس کے لئے ایسی تجویز مناسب نہیں کہ اصلاح کے بجائے مزید بگاڑ کا سبب بن جائے۔

ہماری ذمہ داری

درج بالا حقائق کی روشنی میں ہمارا یہ فرض بنتا ہے کہ ہم دینی مدارس کی دل سے قدر کریں اور جس طرح بھی ممکن ہو ان کی اعانت سے دریغ نہ کریں، اور اعانت کی سب سے اہم صورت یہ ہے کہ ہم اپنے نونہالوں کو ضروری دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے مدارس ومکاتب میں ضرور داخل کریں، اگر کل وقتی تعلیم کا موقع ہو تو بہت بہتر ہے لیکن اگر یہ نہ ہو سکے (کیوں کہ ہر شخص کے لئے ایسا کرنا مشکل ہے) تو کم از کم جز وقتی طور پر صباحی وشبینہ مدارس ومکاتب میں بچوں کو ضرور پڑھایا جائے؛ تاکہ ان کا دین محفوظ رہے، اور جدید تعلیم کے ذریعہ جو ذہنی اور فکری ارتداد پھیلایا جا رہا ہے اس سے اپنے نونہالوں کو بچایا جا سکے۔

دوسری اہم ترین ذمہ داری یہ ہے کہ آج اسلام مخالف طاقتیں مدارس کو ہر ممکن طریقہ پر

مطعون کرنے کی مسلسل کوششیں کر رہی ہیں، اس صورتِ حال میں ہمیں انفرادی اور اجتماعی طور پر مدارس کا دفاع کرنے کی ضرورت ہے، اور جو غلط فہمیاں مسلسل پھیلائی جا رہی ہیں ان کو دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے، ایسا نہ ہو کہ ہم بھی منفی پروپیگنڈہ سے متأثر ہو کر اپنے بدخواہوں کے آلۂ کار بن جائیں؛ بلکہ عوام وخواص کی طرف سے مدارس کی مضبوط پشت پناہی ہونی چاہیے؛ تاکہ دشمن اپنی سازشوں میں کامیاب نہ ہو سکے۔

آخری بات

اس مضمون کے اخیر میں اس بات کی یاددہانی ضروری ہے کہ اہل مدارس اپنی عظیم ترین ذمہ داریوں کے بوجھ کو کبھی بھی فراموش نہ کریں، اور ذاتی مفادات کو بالائے طاق رکھ کر اتفاق واتحاد کے ساتھ مدارس کی خدمت کریں، اور اس تحریک کے بانیوں نے جو اصول وضع کئے ہیں ان سے سرمو انحراف کرنے کی جرأت نہ کریں، کیوں کہ یہ تحریک اگر اپنے اصولوں سے ہٹ جائے گی تو اس کے تمام مطلوبہ ثمرات وفوائد محض خواب وخیال بن جائیں گے، اس کے لئے ضروری ہے کہ:

(۱) مدارس میں سب سے زیادہ توجہ تعلیم وتربیت پر دی جائے۔

(۲) مدرسہ کا ماحول خالص دینی اور علمی بنایا جائے، اور ہر قسم کی غیر علمی سرگرمیوں سے اسے بچایا جائے۔

(۳) مدرسہ سے متعلق تمام لوگوں کی وضع قطع شریعت کے عین مطابق ہو۔

(۴) حسن تدبیر، حکمتِ عملی اور تالیفِ قلب کے ساتھ ادارے کے نظام کو چلایا جائے۔

(۵) ذمہ دارانِ مدرسہ اپنے وقار اور کردار میں ممتاز حیثیت کے حامل ہوں۔

(۶) استغناء، توکل علی اللہ اور دیانت وامانت کے ساتھ علمی خدمات انجام دی جائیں، وغیرہ وغیرہ۔

اگر درج بالا امور کا خیال رکھ کر مدارس کی خدمت کی جاتی رہے گی، تو انشاء اللہ علوم نبوت کے یہ باغیچے ہمیشہ سرسبز وشاداب رہیں گے، اور اللہ تعالیٰ کی مدد ان کے ساتھ شامل حال ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخری سانس تک دینی خدمات میں لگے رہنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔ (ندائے شاہی اگست ۲۰۰۷ء)

مدارس میں تزکیہ پر محنت کی ضرورت

اللہ تعالیٰ نے سورۂ ''والشمس'' میں ارشاد فرمایا ہے :

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا فَأَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا، قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا.

(سورة الشمس ۷ تا ۱۰)

قسم ہے انسان کی جان کی اور اس ذات کی جس نے اس کو درست بنایا، پھر اس کے دل میں گناہ اور تقویٰ کا القاء فرمایا (یعنی طبعاً دونوں باتوں کی صلاحیت رکھی) یقیناً وہ کامیاب ہوگیا جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کرلیا، اور نامراد ہوا وہ شخص جس نے اس کو فجور میں دبا دیا۔

یہ آیت جہاں تمام ہی اہل ایمان کو دعوت دے رہی ہے کہ انہیں اپنے باطن کی اصلاح کی ضرور فکر کرنی چاہئے، وہیں اہل مدارس کو ان کی اہم ذمہ داری بھی یاد دلا رہی ہے کہ فلاح دارین کے حصول کے لئے دینی مدارس میں تعلیم کے ساتھ تربیت اور تزکیہ کا اہتمام بھی لازم ہے؛ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ تزکیہ مدارس کی روح کی حیثیت رکھتا ہے، اگر تزکیہ کے بغیر یہ علم حاصل کیا جائے گا تو اس کے منافع سے کما حقہ فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔ اسی لئے نبی اکرم ﷺ کی پیغمبرانہ ذمہ داریوں کو ذکر کرتے ہوئے قرآنِ کریم میں متعدد جگہ بطورِ خاص تزکیہ کو شمار کرایا گیا ہے۔ چناں چہ آپ ﷺ نے امت کے تزکیہ کا کام اس شان سے کیا کہ بڑے سے بڑے بگڑے ہوئے لوگ آپ کی ادنیٰ توجہ اور تربیت سے منٹوں سکنڈوں میں روحانیت کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہوگئے اور آپ کے فیضِ صحبت سے جن حضرات کو کچھ بھی استفادہ اور استفاضہ کا موقع مل گیا وہ چند لمحوں میں

ایسے کندن بن گئے کہ بعد میں آنے والے اولیاء ومشائخ اور علماء سے افضل قرار پائے، اور ان کو زبانِ نبوت سے ''نجوم ہدایت'' کا لقب عطا ہوا۔ تزکیہ کے بعد ان کی صفاتِ عالیہ کیا تھیں؟ ان کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

مَنْ كَانَ مُسْتَناً فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ فَاِنَّ الْحَيَّ لَا تُؤْمَنُ عَلَيْهِ الْفِتْنَةُ، أُولٰٓئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) كَانُوْا أَفْضَلَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَبَرَّهَا قُلُوْباً وَأَعْمَقَهَا عِلْماً وَأَقَلَّهَا تَكَلُّفاً اخْتَارَهُمُ اللّٰهُ تَعَالىٰ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهٖ وَلِإِقَامَةِ دِيْنِهٖ الخ. (مشكوٰة شريف ۱/۳۲)

جسے پیروی کرنی ہے وہ مرحومین (صحابہ) کی پیروی کرے، اس لئے کہ زندہ شخص فتنہ سے محفوظ نہیں ہے وہ مرحومین حضور اکرم ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جو اس امت میں سب سے افضل تھے، جن کے دل سب سے زیادہ نیک تھے، جو علم کے اعتبار سے سب سے گہرے اور تکلفات میں سب سے کم تر تھے، اللہ تعالیٰ نے جن کو اپنے نبی کی رفاقت اور اپنے دین کی حفاظت کے لئے منتخب فرمالیا تھا۔

درج بالا اثر میں حضراتِ صحابہ ث کی تین اہم خصوصیات کو بیان کیا گیا ہے: (۱) دلوں کی صفائی (۲) علمی گیرائی (۳) دنیوی تکلفات سے بیزاری۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ تینوں صفات تزکیہ کا لازمی ثمرہ ہیں اور ہر مسلمان کو ان صفات کو اپنانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ بالخصوص مدارس دینیہ سے وابستہ حضرات میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ صفات نمایاں طور پر پائی جانی چاہئیں، اور ہمیں مدارس کا نظام ایسا بنانا چاہئے کہ اس ماحول میں وقت گذارنے والا شخص جب یہاں سے نکلے تو نہ صرف یہ کہ وہ اعلیٰ درجہ کا ماہر دینیات ہو؛ بلکہ اخلاقِ فاضلہ سے مزین اور اخلاقِ رذیلہ سے متنفر ہو، اس لئے کہ ایسے شخص ہی کے علم سے امت صحیح فائدہ اٹھاسکتی ہے جو بجائے خود دین کے تقاضوں پر عامل ہو۔

امت کو کس طرح کے علماء کی ضرورت ہے؟

مشائخ نے لکھا ہے کہ وہی شخص خلقِ خدا کو افادۂ ظاہری (تعلیم وتدریس) اور افادۂ باطنی

(سلوک وتربیت) کا حق دار ہے جونسبت باطنی سے آراستہ و پیراستہ ہو، ایسے اصحابِ نسبت مخلص خدام کے ذریعہ ہی دنیا میں دین پھیلا ہے۔ تجربہ اس بات کا شاہد ہے کہ محض علم سے فیض نہیں پہنچتا جب تک کہ اس کے ساتھ نسبت کی چاشنی نہ ہو، اورنسبت باطنی کی وضاحت کرتے ہوئے حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں:

''اور علامت حصولِ باطنی کے دو امر ہیں: (۱) ایک یہ کہ ذکر اور یادداشت کا ایسا ملکہ حاصل ہوجائے کہ کسی وقت غفلت اور ذہول نہ ہو اور اس میں زیادہ تکلف نہ کرنا پڑے۔ (۲) دوسرے یہ کہ اطاعتِ حق، یعنی اتباع احکام شرعیہ کی عبادۃً ومعاملۃً وخلقاً وقولاً وافعالاً اس کو ایسی رغبت اور منہیات ومخالفات سے ایسی نفرت ہوجائے جیسے مرغوبات ومکروہاتِ طبعیت کی ہوتی ہے اور دنیا کی حرص قلب سے نکل جاوے''۔ (رسالہ قصد السبیل در اصلاحی نصاب ۵۳۲)

ظاہر ہے کہ ایسے صاحب نسبت عالم کی خدمت سے جو دینی نفع خلق خدا کو پہنچ سکتا ہے وہ غیر نسبت والے شخص سے ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔ قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''تصوف دین کے کام چھڑانے کے لئے نہیں؛ بلکہ اس سے تو دین کے کاموں میں قوت آتی ہے اور جان پڑتی ہے، لیکن کیا عرض کیا جائے اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کے کاموں کے قابل بنایا ہے، وہ اب ادھر توجہ ہی نہیں کرتے، حالاں کہ اگر تھوڑی سی توجہ وہ ادھر دے دیں تو دیکھیں کہ ان کے کاموں میں کتنی قوت آتی ہے۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے، باوا صاحبؒ نے اور بعد میں حضرت مجدد صاحبؒ حضرت شاہ صاحبؒ اور حضرت سید صاحبؒ نے ہمارے اس ملک میں دین کی جو خدمتیں انجام دیں اور جو کچھ کر دکھایا اس کا سوواں اور ہزارواں حصہ بھی ہماری بڑی بڑی انجمنیں اور جماعتیں نہیں کرسکی ہیں، اس میں ان کے اخلاص اور قلب کی اس طاقت کو خاص دخل تھا جو تصوف کے راستہ سے پیدا کی گئی تھی''۔ (بیس بڑے مسلمان ۹۹۶ بروایت مولانا محمد منظور نعمانیؒ)

اس حقیقت کے شاہد عدل وہ ہمارے اکابر علماء ہیں جنہوں نے اپنی بے مثال علمی قابلیت اور اعلیٰ درجہ کی ذہانت کے باوجود کسی شیخ کامل کے دست حق پرست پر بیعت کو ضروری خیال کیا اور واضح

طور پر اس تعلق کے اثرات محسوس کیے۔ چناں چہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور امام ربانی فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہما جو اپنے زمانہ کے نابغۂ روزگار علماء میں تھے، اور جن کی فہم وفراست کا چرچا زبان زد خواص وعوام تھا، انہوں نے اپنی اصلاح کے لئے سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کیا، حالاں کہ حضرت حاجی صاحبؒ اصطلاحی عالم بھی نہ تھے، اور کسی موقع پر جب حضرت نانوتویؒ سے پوچھا گیا کہ آپ نے اتنے بڑے عالم ہونے کے باوجود ایک غیر عالم سے بیعت کیوں کی؟ تو آپ کا جواب تھا کہ: ''اللہ کی ذات پاک نے آپ (حاجی صاحبؒ) کو عالم گر بنایا ہے''۔ (امداد المشتاق ۱۰، بیس بڑے مسلمان ۹۷) اسی طرح بعد میں محدثِ کبیر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوریؒ، حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانویؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ وغیرہم کے ذریعہ اصلاح خلق کا جو بے نظیر منظر سامنے آیا یہ سب اسی سلسلۃ الذہب کی برکات تھیں، جو بحمدہ تعالیٰ آج تک جاری ہیں۔

تزکیہ: ذریعۂ انقلاب

تزکیہ کے ذریعہ کس طرح زندگی میں انقلاب آتا ہے اس کی ایک ادنیٰ مثال یہ ہے کہ مشہور مؤرخِ اسلام حضرت علامہ مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ جو اپنی انشاء پردازی اور تاریخ وسیرت نگاری میں منفرد مقام رکھتے تھے، انہوں نے جب حضرت حکیم الامت جامع شریعت وطریقت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ سے اصلاحی تعلق قائم کیا اور راہِ سلوک واصلاح باطن میں قدم رکھا تو ان کی زندگی کی کیفیات ہی بدل گئیں۔ موصوف مولانا عبد الباری ندویؒ کے نام اپنے ایک مکتوب میں اس کیفیت کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں: ''دس بارہ برس سے جو چیز نظری طور پر سمجھ میں نہ آتی تھی وہ عملاً سمجھ میں آ گئی، اور اب تلافیٔ مافات میں مصروف ہوں''۔ اور جناب مولانا مسعود عالم ندویؒ کے نام اپنے خط میں تحریر کرتے ہیں: ''واہ واہ کا مزہ بہت اڑا چکا اور اب یہ رنگ اتر چکا، اب تو آہ آہ کا دور ہے اور اپنی پچھلی تباہی پر ماتم اور آئندہ کی فکر درپیش ہے''۔ (مکاتیب سلیمان مکتوب: ۱۱۹، بحوالہ بیس بڑے مسلمان ۴۴۸)

اور آپ کے رفیق جناب مولانا سید صباح الدین عبد الرحمٰنؒ نے اس انقلاب کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے: ''اس تعلق کے ساتھ سید صاحب کے لیل ونہار ہی بدل گئے، گرچہ ان کی پوری زندگی دین داری اور پرہیزگاری میں گذری تھی؛ لیکن بادۂ طریقت سے سرشار ہونے کے بعد ان کی دین داری میں تو ورع وتقویٰ کا اور بھی زیادہ گہرا رنگ پیدا ہوگیا۔ عبادت وریاضت بڑھ گئی، ذکر خفی کے ساتھ ذکر جلی بھی کرنے لگے، تقریر وخطابت نے وعظ وپند کی شکل اختیار کرلی، زیادہ وقت علمی مذاکروں کے بجائے رشد وہدایت میں صرف ہونے لگا۔ (معارف سلیمان نمبر بحوالہ بیس بڑے مسلمان ۸۴۵)

اسی طرح آپ قریبی زمانہ کے اکابر میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ، فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ، نیز مشہور مؤلف اور شارح حدیث حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم کی سوانح حیات کا جب آپ مطالعہ کریں گے تو صاف معلوم ہوگا کہ اربابِ معرفت اولیاء اللہ کی صحبت اور ان سے وابستگی نے ان حضرات کی خدمات کو نکھارنے میں سب سے زیادہ مؤثر کردار ادا کیا ہے، جس کی تفصیل طوالت کا باعث ہے۔ اس لئے بالخصوص ذمہ دارانِ مدارس کو چاہئے کہ وہ علوم ظاہری پر بھرپور محنت کے ساتھ ساتھ اپنی باطنی اصلاح سے غافل نہ رہیں، یہ اہل مدارس کی اہم ترین ذمہ داری ہے، جس میں آج بہت زیادہ کوتاہی دیکھنے میں آرہی ہے۔

افسوس ناک صورتِ حال

آج بڑی ندامت کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ہمارے اکثر مدارس میں اصلاح نفس اور تزکیہ کی طرف توجہ بتدریج کم ہوتی جارہی ہے، اور جدید دور میں جو بددینی اور بدفکری کا سیلاب اُمڈ رہا ہے اس سے اہل مدارس بھی متأثر ہوتے جارہے ہیں۔ امانت ودیانت، ورع وتقویٰ اور حیا من اللہ کا عنصر ہمارے درمیان ناپید ہوتا جارہا ہے۔ طالب علم اپنی عمر کا قیمتی ترین حصہ مدارس میں گذارنے کے باوجود اُن اخلاق سے محروم رہتا ہے جو شریعت میں مطلوب

ہیں، جس کی وجہ سے عام معاشرہ پر علماء کے جو مبارک اثرات پڑنے چاہئیں وہ حاصل نہیں ہو پاتے، یہ نہایت تشویش کی بات ہے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''تاریخ دعوت وعزیمت'' میں حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ میں ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: ''امت میں عالمگیر فساد اور دینی واخلاقی انحطاط کی سب سے بڑی ذمہ داری علماء پر ہے، جو امت میں نمک کی حیثیت رکھتے ہیں اور اگر نمک ہی بگڑ جائے تو اسے کون سی چیز درست کر سکتی ہے''؟ (تاریخ دعوت وعزیمت ۱۴۹/۱)

اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''**الکشف والتبیین فی غرور الخلق اجمعین**'' میں خاص طور پر ایک فصل ان علماء کی کوتاہیوں کو اجاگر کرنے کے لئے قائم کی ہے جو علم تو حاصل کر لیتے ہیں؛ لیکن عالمانہ صفات اور تزکیہ وتہذیب نفس سے غافل رہتے ہیں۔ (اور دنیا داری، شہرت پسندی، عہدوں اور مناصب کی حرص حتی کہ تحاسد وتنافس کا شکار رہتے ہیں) جو یقیناً قابل مذمت ہیں۔ (الکشف والتبیین ۱۶۳ تا ۱۷۲، مجموعۃ الرسائل لامام غزالی حصہ دوم)

طالب علمی کا زمانہ انسان کی زندگی کی بنیاد ہوتا ہے، اس دور میں جو رنگ انسان پر چڑھ جاتا ہے وہ تا دمِ آخر باقی رہتا ہے، اسی طرح جو عادتیں اس دور میں راسخ ہو جاتی ہیں وہ برابر باقی رہتی ہیں، اس لئے ضرورت ہے کہ ہم امت کی بیش قیمت امانت یعنی طلبہ کی تربیت اور ان کے تزکیہ کی طرف سے ہرگز غافل نہ رہیں، ورنہ ہم عنداللہ اس کوتاہی پر مؤاخذہ سے بچ نہیں پائیں گے۔

تزکیہ کے لئے کیا صورتیں اپنائی جائیں؟

اب سوال یہ ہے کہ مدارس میں تربیت اور تزکیہ کے لئے کیا صورتیں اپنائی جائیں جن سے اچھے اثرات سامنے آسکیں؟ تو اس سلسلہ میں درج ذیل خطوط پر محنت کرنے کی ضرورت ہے:

(۱) **اصلاحی کتابوں کی تعلیم**:- مدارس کے نصاب میں ہمارے اکابر نے خصوصیت کے ساتھ ایسی کتابیں شامل کی تھیں جو تعلیم کے ابتدائی مرحلہ میں طالب علم کے دل

ودماغ پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوں، چناں چہ درس نظامی میں فارسی کا جو نصاب متعین ہے اس میں شیخ سعدیؒ کی منظوم کتاب ''کریما'' اسی طرح ''گلستاں'' اور ''بوستاں'' اور شیخ فریدالدین عطارؒ کی مشہور کتاب ''پندنامہ'' اور اس سے آگے ''اخلاقِ محسنی'' وغیرہ اسی مقصد سے شامل کی گئی تھیں کہ ان کتابوں میں جن اخلاقِ حسنہ کو اپنانے کی تاکید کی گئی ہے، ان پر طالب علم سختی سے گامزن ہو اور بچپن ہی سے اچھی عادات کو اختیار کرنے اور بری عادات سے بچنے کا جذبہ اس میں پیدا ہو۔ مگر جب سے ہمارے مدارس کی توجہ فارسی زبان کی طرف کم ہوگئی ہے، تو اس کے نتیجہ میں ہمارے طلبہ اس پورے قیمتی نصاب سے محروم ہوگئے ہیں۔ اور ابتدائی درجات میں عربی یا اردو میں اس انداز کی کتابیں عام طور پر نصاب میں نظر نہیں آتیں، حالاں کہ ان کی ضرورت اپنی جگہ مسلم ہے، اس لئے مدارس کے اربابِ حل وعقد کو غور وخوض کے بعد ابتدائی درجات میں نصاب کے اندر کچھ اصلاحی کتابیں ضرور رکھنی چاہئیں۔ اس میں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نحو وصرف کی تمرین کے لئے احادیثِ شریفہ پر مشتمل جو تمرینی کتابیں لکھی گئیں ہیں ان سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اسی طرح اردو کے اندر حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ کی شہرۂ آفاق کتاب ''آداب المتعلمین'' بھی ابتدائی درجہ کے نصاب میں شامل کئے جانے کے لائق ہے، اگر نصاب میں نہ بھی شامل ہو پھر بھی اس کتاب کو اجتماعی طور پر طلبہ کے سامنے بالترتیب سنا دینا فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں تفسیر وحدیث وغیرہ کی نصابی کتابوں کی تدریس کے وقت ان مضامین پر بھرپور توجہ دی جائے جن میں تربیت باطن اور اصلاح نفس کے متعلق مواد شامل ہو اور ممکن ہو تو طلبہ کو ان کا عادی بنانے کی کوشش کی جائے۔

(۲) اساتذہ وذمہ داران کی اصلاح:- واضح رہے کہ تزکیہ کا کام محض کتاب پڑھا دینے سے ہرگز نہیں ہوسکتا؛ بلکہ تزکیہ کے لئے صحبتِ صالحین سب سے زیادہ مؤثر اور ضروری ہے، اور طلبہ پر سب سے زیادہ اثر اپنے استاذ کا پڑتا ہے، اگر استاذ صلاح وتقویٰ سے بہرہ ور ہے تو یہی رنگ اس کے شاگردوں میں نمایاں نظر آتا ہے، اس لئے نصاب میں تربیتی کتابوں کی شمولیت

اپنی جگہ؛ لیکن پڑھانے والے اساتذہ کے اندر صلاح وتقویٰ کی فکر اس سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ اس لئے اساتذہ کو چاہئے کہ وہ اپنی اصلاح سے کبھی غافل نہ رہیں اور بہتر ہے کہ اپنا رابطہ بیعت وارشاد کی صورت میں کسی متبع سنت اور صاحبِ نسبت شیخ سے ضرور قائم کرلیں اور اپنے باطنی حالات کی اطلاع ان کو دے کر ان کے مشوروں پر عمل کریں، اور ذکر وشغل اور سنتوں کے اہتمام کا خاص خیال رکھیں؛ کیوں کہ اگر پڑھانے والوں میں صلاح وتقویٰ نہ ہوتو پڑھائی جانے والی کتابیں محض رسم بن کر رہ جاتی ہیں اور ان سے اصلاح وتزکیہ کا مقصد حاصل نہیں ہو پاتا۔

(۳) **اصلاحی وتربیتی مجالس کا اہتمام**:- مدارس کے اندر موقع بموقع اہل اللہ کی آمد اور ان کے قیام کا اہتمام بھی تزکیہ کے لئے بڑا مؤثر ہے۔ جو کام بڑی بڑی کتابوں کے پڑھنے سے نہیں ہوسکتا وہ ان اہل اللہ کی صحبت میں بیٹھ کر انجام پا جاتا ہے۔ ہم نے اپنے دور طالب علمی میں دیکھا کہ دارالعلوم دیوبند میں فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نوراللہ مرقدہ کی بافیض مجلسوں میں شرکت کی بدولت سینکڑوں طلبہ اصلاح نفس کی طرف متوجہ ہوئے، اور ان کی زندگیوں میں انقلاب آ گیا۔ اس لئے اربابِ مدارس کو چاہئے کہ وہ اپنے یہاں اہل اللہ کی مجالس منعقد کرنے کا اہتمام کرتے رہیں اور اپنے طلبہ اور اساتذہ کو ان سے فیض یاب کراتے رہیں، اس سے بڑے نفع کی امید ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب لوگوں کو اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے کی توفیق مرحمت فرمائیں، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

(یہ مقالہ جامعہ سید احمد شہیدؒ کٹولی ملیح آباد لکھنؤ میں ۳ تا ۵ر فروری ۲۰۰۷ء کو منعقد ہونے والے ایک تعلیمی سمینار کے لئے لکھا گیا تھا، اسی کو قدرے اضافہ کے ساتھ شائع کیا گیا ہے) (مرتب)

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۷ء)

اُف! یہ احسان فراموشی؟

برصغیر (ہندو پاک و بنگلہ دیش وغیرہ) میں مسلمانوں کے وجود و بقا اور اسلامی تہذیب وتمدن اور تشخص کے تحفظ کے لئے ''علماء ربانیین'' نے جو عظیم تر خدمات انجام دی ہیں، نہ تو ان کا کوئی احاطہ کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی ملت اسلامیہ پر ان مقدس نفوس کے احسانات کی تلافی کی جاسکتی ہے۔ جب تک یہاں اسلام باقی رہے گا، اور دینی سرگرمیاں جاری رہیں گی اور مسلمان اسلام پر باقی رہ کر شاہ راہِ ترقی پر گامزن رہیں گے، یہ پوری ملت ان علماء حقانی کے گراں قدر احسانات کی رہینِ منت رہے گی۔ مغلیہ حکومت کے زوال اور انگریزی حکومت کے اثر ونفوذ کے وقت ملت کو جن سنگین حالات اور خطرناک چیلنجز کا سامنا کرنا پڑا، ہم آزاد ہندوستان میں جنم لینے والے لوگ ان کا ہرگز اندازہ نہیں لگا سکتے۔ ایسے پرخطر ماحول میں وہ ''علماء حق'' ملت کی کشتی کو بھنور سے نکال کر لے گئے اور ایسی حکمتِ عملی اختیار کی کہ مسلمان اقتدار میں رہیں یا نہ رہیں، مگر اسلام یہاں —— جب تک اللہ کو منظور ہے —— پھلتا پھولتا رہے گا اور اسلامی تہذیب اور تشخصات کو فنا نہیں کیا جاسکے گا، انشاء اللہ۔

علماء حق —— جن میں علماء دیوبند پیش پیش تھے —— نے اپنی منصبی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے اس ملک کے قریہ قریہ میں مدارس ومکاتب کا ایسا نظام قائم کیا جو حکومتی بالادستی اور مداخلت سے پاک تھا، حتی کہ انہوں نے پوری قوم کا ایسا مزاج بنایا کہ وہ نہایت فراخ دلی سے ان دینی اداروں کا تعاون کرنے کی عادی بن گئی، چناں چہ آپ دنیا میں گھوم پھر کر اگر جائزہ لیں گے تو اندازہ ہوگا کہ دنیا میں مدارس ومکاتب کا تعاون کرنے والے لوگ زیادہ تر وہی ہیں جو آبائی طور پر برصغیر کے کسی ملک سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس مکتبی نظام نے مسلمانوں کی آنے والی نسلوں میں دینی

شعور پیدا کرنے میں سب سے اہم کردار ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ اسے مزید ترقیات سے نوازے اور ہر طرح کے شرور وفتن اور رکاوٹوں سے محفوظ رکھے، آمین۔

اللہ تعالیٰ نے ان مدارس ومکاتب کی چٹائیوں اور بوریوں میں ایسی تاثیر پیدا فرمادی کہ اس سلسلہ کے جاری ہونے کے چند سال بعد ہی سے مدرسوں میں پڑھنے والے بوریہ نشین انقلابی مجاہد بن کر نکلنے لگے اور انقلاب ۱۸۵۷ء کے رونگٹے کھڑے کردینے والے بدترین مظالم کے ذریعہ انگریز نے جس مسلم قوم کی کمر توڑ دینے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی اور جس قوم کے اکثر سربرآوردہ اور سرمایہ دار قسم کے لوگ اپنی بقا کے لئے انگریز کی چاپلوسی، خوشامد؛ بلکہ کاسہ لیسی ہی میں عافیت سمجھنے لگے تھے، ایسے ماحول میں مدارس سے فارغ ہونے والوں کی جو پہلی کھیپ نکلی ان میں ’’محمود حسن‘‘ نامی وہ جوان بھی تھا جس نے انگریزی سامراج کے خاتمہ کے لئے ’’ریشمی رومال تحریک‘‘ کے تانے بانے بُن کر دنیا کی عظیم انقلابی شخصیات میں اپنا نام درج کرایا، اور جسے قوم نے بجا طور پر ’’شیخ الہند‘‘ کا لقب دے کر خراج تحسین پیش کیا، اور جس کے شاگردوں بالخصوص شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مفتی اعظم مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ اور امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ وغیرہم نے جہاد حریت کی سنہری تاریخ اپنے کارناموں سے رقم کی۔ ان حضرات نے ہندوستان کی تحریک آزادی میں صرف اس لئے ہی حصہ نہیں لیا تھا کہ ہمارا ملک غلامی سے نجات پاجائے گا؛ بلکہ ان علماء ربانیین کے پیش نظر پورا ایشیا اور پورا مشرق وسطی تھا، تمام عرب علاقے عراق سے لے کر فلسطین تک انگریز کے زیر نگیں آچکے تھے، اور ان علاقوں پر حکومت کا اصل مرکز ہندوستان تھا، کیوں کہ یہاں سے انگریز کو ہر طرح کی فوجی اور مادی رسد دستیاب ہوتی تھی، اس لئے ان عرب علاقوں سے سامراجی قبضہ کو ختم کرنے کے لئے ہندوستان کو انگریزوں کی غلامی سے نجات دینا ناگزیر تھا۔ اگر ہندوستان آزاد نہ ہوتا تو ملیشیا سے لے کر مشرق وسطیٰ تک مسلم ممالک سامراجی طاقتوں کے شکنجہ میں عرصہ تک پھنسے رہتے۔ اس لئے ہمارے دوربین اور عاقبت اندیش علماء مردانہ وار میدان میں آئے اور اسلامی علاقوں کو انگریزی استبداد سے نکالنے کے لئے انگریز کے خلاف صف آراء ہوگئے، اور اس کو برصغیر سے نکال کر دم لیا۔

تحریکات کا یہ دور جو کم وبیش ایک صدی پر محیط ہے، اس میں علماء نے اپنی توجہ صرف ایک ہی طرف نہیں رکھی؛ بلکہ مسلمانوں اور دین کے تحفظ کے ہر شعبہ میں خدمات کا سلسلہ برابر جاری رکھا، بڑے بڑے تعلیمی ادارے اور دعوت وتبلیغ کی منظّم تحریکیں اس دوران وجود میں آئیں اور پروان چڑھیں، قرآنِ کریم کے تراجم، تفسیر اور حواشی مختلف زبانوں میں لکھے گئے، نیز احادیثِ شریفہ کی بے نظیر شروحات لکھی گئیں، جو علماء عرب کے لئے بھی قابل رشک ہیں۔ مزید یہ کہ زمانہ کی ضروریات کا خیال کرتے ہوئے ہر دینی موضوع پر مفید اور مستند کتابیں تصنیف کر کے علماء نے لائبریریاں بھر دیں، جن سے آج پورا عالم فیض اٹھا رہا ہے۔ علاوہ ازیں نت نئے مسائل کی تحقیق وتنقیح اور حل کا سلسلہ بھی جاری رہا، اور الحمدللہ ایک دن کے لئے بھی ان خدمات کا انقطاع نہیں ہوا۔ الغرض علماء حق نے اپنی بے لوث اور مخلصانہ محنتوں کے ذریعہ انگریز اور اس کے کاسہ لیسوں کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا، جو یہ خیال کئے بیٹھے تھے کہ ہم جلد ہی برصغیر کو دین داری سے پاک کر کے بددینوں کا ملک بنا دیں گے، اور یہاں ایسا نظام تعلیم نافذ کریں گے جو بددینی اور لامذہبیت کا مبلغ ہوگا۔

جس طرح ماضی میں ان علماء ربانیین نے سامراج کے راستہ میں بھاری رکاوٹیں کھڑی کر کے اسے نامراد کرنے کا کام انجام دیا تھا، یہی علماء آج کے سامراج کی آنکھوں میں بھی سب سے بڑا کانٹا بنے ہوئے ہیں۔ آج سارے عالم میں جارح اعظم امریکہ اور اس کے ''نئے ورلڈ آرڈر'' کے نفاذ میں اگر کوئی ''سنگ گراں'' حائل ہے تو وہ انہی علماء حق کا مقدس گروہ ہے، جو ہر جگہ اس کی ناک میں دم کئے ہوئے ہے، ورنہ بے دین اور بد دین مسلم حکمراں اور عوام تو گویا نئے حالات کے سامنے سربسجود ہیں، اور سوائے خوشامد اور کاسہ لیسی کے انہیں کچھ نہیں سوجھ رہا، حتی کہ ان میں بہت سے لوگ ذہنی اور فکری اعتبار سے قطعاً مفلوج ہو کر دانستہ یا نادانستہ طور پر خود اپنے دشمنوں کے آلۂ کار بن چکے ہیں اور اپنی قابل ترس حالتِ زار پر جھلاہٹ کے عالم میں موقع بموقع مسلم قوم کی تنزلی کا سارا نزلہ اپنے محسن علماء ربانیین پر اتارنے میں نہیں ہچکچاتے، ان کے اس عمل کو ''اظہار بغض وعداوت'' کے علاوہ کوئی اور عنوان نہیں دیا جا سکتا۔

علماء سے دشمنی کی انتہاء

ابھی حج کے موقع پر ایک دوست نے سعودی عرب کے ایک اردو اخبار کے حوالہ سے یہ خبر سنائی کہ پاکستان کے جابر حکمران پرویز مشرف صاحب —— جو اپنے دور حکومت میں اباحیت پسندی کو فروغ دینے میں ممتاز رہے —— نے بیان دیا ہے کہ: ''پاکستان سے جب تک مولوی کو نہیں ہٹایا جائے گا ملک ترقی نہیں کر پائے گا''۔ ظاہر ہے کہ یہ زبان کسی دشمن اسلام کی تو ہوسکتی ہے مگر کوئی منصف مسلمان ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔ جو بات مشرف صاحب نے کہی، اس میں وہ اکیلے نہیں ہیں؛ بلکہ ہر ملک میں بڑی تعداد میں ایسے زہریلے ایجنٹ موجود ہیں جن کا سب سے دل چسپ مشغلہ علماء حق کی توہین وتضحیک اوران کے کارناموں پر دھول اڑانا ہے۔ ہندوستان میں متعدد مقامات سے شائع ہونے والے ایک اردو روز نامہ کے معروف کالم نگار ''ظفر آغا'' تو گویا ہاتھ دھوکر علماء کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، مسلم مسائل پر شاید ہی موصوف کا کوئی مضمون ایسا ہوتا ہو جس میں علماء پر طعن وتشنیع اوران کی جگ ہنسائی نہ کی جاتی ہو۔ اسی طرح مشہور مؤلف مولانا وحیدالدین خاں صاحب عرصۂ دراز سے علماء کرام کی قیادت میں چلائی جانے والی تحریکات پر نہایت بھونڈے انداز میں تنقید کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ انہوں نے اپنی عادت کے موافق دلائل کی مغالطہ آمیزی میں پیغمبر علیہ السلام کے ''مکی دور'' کو اپنے دماغ پر ایسے حاوی کرلیا ہے، یا بالفاظ دیگر مکی دور کا ایسا چشمہ چڑھالیا ہے کہ وہ اترنے کا نام ہی نہیں لیتا، اوراب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید ''مکی دور کے مطابق امت کے عمل نہ کرنے کا درد'' مرتے دم تک موصوف کا ساتھ نہ چھوڑے گا۔ مولانا وحیدالدین خاں صاحب کا انداز تحریر ایسا دل پذیر ہے کہ بسا اوقات بڑے بڑے حقیقت پسند بھی ان کے بچھائے ہوئے دام پرفریب میں الجھ کر انہی کی زبان بولنے اور لکھنے لگتے ہیں، جس کا ایک ادنیٰ نمونہ وہ مضمون ہے جو معاصر ماہنامہ ''اذانِ بلال آگرہ'' میں برطانیہ میں مقیم ایک عالم صاحب کے نام سے دوقسطوں میں حال ہی میں شائع ہوا ہے، جس میں ملت اسلامیہ ہند کی حالیہ پسماندگی، تباہی، اور بے توقیری کی ساری ذمہ داری علماء پر ڈال کر بزعم خود اپنی روشن خیالی —— جو

درحقیقت تاریک خیالی ہے —— کا ثبوت دیا گیا ہے۔

چوں کہ اس طرح کی تحریریں موقع بموقع مختلف انداز میں اور مختلف ناموں سے شائع ہوتی رہتی ہیں اور علماءِ حق کے خلاف ناپاک پروپیگنڈے کا یہ تسلسل برابر جاری ہے، اس لئے ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ان علماءِ مخلصین کے دفاع کے لئے سامنے آئیں اور جو لوگ ان علماءِ اعلام پر کیچڑ اچھالنے کی جسارت کررہے ہیں ان کی احسان فراموشی اور کذب بیانی کو واضح کریں۔

کیا تعلیمی پسماندگی کے ذمہ دار علماء ہیں؟

علماء پر سب سے بڑا الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ ان کی وجہ سے قوم تعلیمی اعتبار سے پسماندہ رہ گئی، اور یہ کہ انہوں نے علوم عصریہ اور جدید علوم سیکھنے کی علی الاطلاق مخالفت کی، حالاں کہ یہ الزام محض مغالطہ اور تلبیس پر مبنی ہے۔ علماءِ ربانیین نے کبھی بھی قوم کو نفس تعلیم یا دنیوی ترقی سے نہیں روکا؛ البتہ یہ انہوں نے ضرور کہا اور یہ کہنا ان پر دینی اعتبار سے فرض تھا کہ ایک مسلمان کو ہر حالت میں اپنی دینی تہذیب سے وابستہ رہنا چاہئے اور ایسے ماحول سے اپنے آپ کو بچانا چاہئے، جس سے اس کا ایمان خطرہ میں پڑ جائے، اور یہ بات کل بھی کہی جاتی تھی اور آج بھی کہی جاتی ہے، اور قیامت تک کہی جاتی رہے گی، اس لئے کہ مسلمانوں کو جدید ترقیات اسی وقت راس آسکتی ہیں جب کہ وہ دین کے رنگ میں رنگین ہوں۔ اور اگر دین کو درکنار کرکے الحاد ودہریت کے ساتھ جدید علوم حاصل کئے جائیں گے، تو اس سے مسلم قوم کو نہ کبھی فائدہ ہوا ہے اور نہ ہوسکتا ہے۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ ترکی، شام، مصر، لیبیا، الجزائر، تیونس اور اس جیسے ممالک جہاں کے مذہبی طبقہ کو بزور طاقت کچل دیا گیا اور حکومت اور نظام تعلیم پر پوری طرح لادینوں اور بدمذہبوں کا قبضہ رہا، وہاں سے گذشتہ پچاس سالوں میں نامور جدید علوم کے ماہرین کیوں پیدا نہیں ہوئے؟ اور ان ممالک نے جاپان، امریکہ اور برطانیہ کی طرح ترقی کیوں نہیں کی؟ اور تمام تر عصری تعلیم کے باوجود وہ ممالک اپنی معاشیات اور صنعت وحرفت میں غیر مسلم ممالک کے محتاج اور دوسروں کے دست نگر کیوں بنے ہوئے ہیں؟ اگر صرف علوم عصریہ کی تعلیم ہی پر ترقی کا مدار ہوتا تو ایسے ممالک کو اب تک

ترقی یافتہ ممالک کے درجہ میں آ جانا چاہئے تھا، مگر ایسا نہیں ہوا، اور یہ ممالک ''نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم'' کا مصداق بن گئے۔ مثلاً جدید ترکی جو اپنی لادینی شناخت کی دھائی دے کر ایک زمانہ سے یوروپی یونین میں شامل ہونے کا خواہاں ہے اور خوشامد کے نہایت ذلت ناک مظاہر پیش کر چکا ہے؛ مگر ابھی تک یورپین طاقتیں اسے گھاس ڈالنے کو تیار نہیں ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ علوم عصریہ ہی سب کچھ نہیں؛ بلکہ ان علوم کے ساتھ دینی حمیت اور اقتدار اعلیٰ کی پشت پناہی بھی سبب کے درجہ میں ضروری ہے۔ چناں چہ جب تک خلافت اسلامیہ (کسی بھی درجہ میں) باقی رہی، دنیا میں مسلمان مجموعی طور پر باوزن رہے اور جب تمام دشمنوں کی منصوبہ بند سازش سے خلافت کو سبوتاژ کر دیا گیا اور مسلمانوں کی زبردست طاقت کے حصے بخرے کر دئے گئے تو فطری اصول کے مطابق ان کی سربلندی خواب وخیال بن گئی۔ آج بھی اگر پسماندگی ختم کرنی ہے تو دینی حمیت کے ساتھ تمام مسلمانوں کو متحدہ طور پر اپنی طاقت بنانی ہوگی، اس کے بغیر لاکھ کالج اسکول میں پڑھ لیں دنیا میں بالادستی نصیب نہ ہو سکے گی، اور اس اصل سبب سے دانستہ اعراض کر کے اپنی ناکامی کا ٹھیکرا علماء کے سر پھوڑنے سے قوم وملت کا کچھ فائدہ ہونے والا نہیں ہے۔ علماء نے دیانت دارانہ طور پر اپنا فرض ادا کیا اور کر رہے ہیں، قوم کی ترقی میں وہ نہ پہلے رکاوٹ بنے نہ آئندہ بنیں گے، ہاں اگر ان کی دینی رہنمائی کو کوئی شخص خوہ مخواہ رکاوٹ سمجھ لے تو اس کور چشمی کا کوئی علاج نہیں۔

مسلمانوں میں دینی تعلیم کا تناسب؟

اور بالفرض اگر یہ بات مان لی جائے کہ علماء نے قوم کو جدید تعلیم سے روک دیا، تو پھر قابل غور بات یہ ہے کہ حال ہی میں جسٹس سچر کمیٹی کی رپورٹ میں یہ حقیقت اجاگر کی گئی ہے کہ مسلمانوں میں مدارس کے اندر تعلیم کے لئے آنے والے بچوں کا تناسب صرف چار فیصد ہے، حالاں کہ یہ بات تمام شہروں اور دیہاتوں کے مکاتب کو سامنے رکھ کر کہی گئی ہے جو صرف ابتدائی دینی تعلیم سے متعلق ہے، لیکن اگر تحقیق کی جائے تو پتہ چلے گا کہ مقامی مکاتب میں آنے والے بچوں میں بھی بڑی تعداد عصری اسکولوں میں پڑھنے والوں کی ہوتی ہے۔ اور جو بچے خالص مکاتب

میں تعلیم حاصل کرتے ہیں یہ ضروری نہیں ہوتا کہ وہ اعلیٰ دینی تعلیم تک بھی پہنچ جائیں، بہت سے بچے مکتب کی تعلیم ہی کو درمیان میں چھوڑ دیتے ہیں، اور بہت مخصوص تناسب سے طلبہ حفظ قرآن کے بعد عربی نظام تعلیم میں قدم رکھتے ہیں، اور دورۂ حدیث تک پہنچتے پہنچتے یہ تناسب اور بھی گھٹ جاتا ہے۔ آج جب کہ مدارس کی تعداد پہلے سے بہت زیادہ ہوگئی ہے پھر بھی ہمارے محتاط اندازہ کے مطابق ہندوستان میں زیادہ سے زیادہ دس ہزار طلبہ ہر سال دورہ سے فارغ ہوتے ہوں گے، اب اگر ملک میں مسلم آبادی بیس کروڑ فرض کی جائے اور دس ہزار سے موازنہ کیا جائے، تو پتہ چلے گا کہ مدارس کی طرف آنے والے طلبہ کا تناسب 0.0005 ہے، یعنی بیس ہزار مسلم آبادی میں ایک عالم دین کا تناسب ہے۔ اس کے برخلاف اسکول اور کالج میں پڑھنے والوں کا تناسب یقیناً ہر زمانہ میں اس سے سیکڑوں گنا زیادہ رہا ہے۔ تو حیرت کی بات یہ ہے کہ مدارس میں پڑھنے والے جن طلبہ کا تناسب صفر سے بھی بہت کم ہے، ان کو قابل لحاظ تعداد میں کالجوں اور اسکولوں میں پڑھنے والوں کی ترقی میں رکاوٹ مان لیا گیا، اس سے بڑی خلافِ واقعہ بات اور کیا ہوسکتی ہے؟

اور رہ گئی یہ بات کہ ہمارے مسلم طلبہ اسکول اور کالجز کے اعلی مقابلہ جاتی امتحانات میں ناکام کیوں ہوجاتے ہیں؟ تو ظاہر ہے کہ علماء ہرگز اس کے ذمہ دار نہیں ہیں، ان کی ناکامی کو علماء کے سر ڈالنا ''مارو گھٹنا پھوٹے آنکھ'' کا مصداق ہے۔ ایسے معترضین کو چاہئے کہ وہ ناکامی کے اصل اسباب یعنی ہمارے بہت سے کالج کے طلبہ کی آوارگی، کھلنڈری اور موج مستی کی زندگی کا سنجیدگی سے جائزہ لیں اور اپنے ہونہاروں کو ایسے متعفن ماحول سے بچا کر تعلیم دلائیں، ان حقائق کو نظر انداز کر کے علماء کو ان کی تعلیم میں رکاوٹ ڈالنے والا قرار دینا کھلا ہوا بہتان ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی دیکھیں کہ آج ملت کے اکثر فارغ البال اور کھاتے پیتے گھرانوں کے بچے مدارس کا رخ نہیں کرتے؛ بلکہ بچپن ہی سے انہیں انگلش میڈیم اسکولوں کی تعلیم دلائی جاتی ہے، گویا ذہنی اعتبار سے مغز کہے جانے والے افراد مدارس دینیہ کے بجائے عصری تعلیم گاہوں کا رخ کرتے ہیں اور مدارس کے حصہ میں زیادہ تر وہ طلبہ آتے ہیں جن کے والدین متوسط طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں یا غریبی کی سطح

سے نیچے زندگی گزارنے والے ہیں۔ یہ ایسی حقیقت ہے جسے کوئی بھی واقف کار جھٹلا نہیں سکتا، اور یہ صورت حال آج سے نہیں؛ بلکہ بیسیوں سال سے ہے حتی کہ انگریز کے زمانہ میں بھی تناسب کم وبیش یہی تھا تو پھر بھلا یہ کہنا کیسے صحیح ہے کہ علماء نے عصری تعلیم سے روک دیا؟ آج جو طبقہ علماء پر معترض ہے، اس نے علماء کی آغوش میں کبھی اپنے بچوں کو بھیجا ہی نہیں، پھر یہ راگ کیوں الاپا جارہا ہے کہ علماء قوم کی ترقی میں رکاوٹ بن گئے؟

مدارس کے نصاب پر اعتراض

عام طور پر علماء کی طرف سے مسلمانوں کو پسماندہ رکھنے کے دعوے کی دلیل کے طور پر یہ بات پیش کی جاتی ہے کہ مدارس میں جو نصاب پڑھایا جاتا ہے اس میں علوم عصریہ شامل نہیں، جس کی بنا پر مدارس میں پڑھنے والے طلبہ حالاتِ زمانہ سے بے خبر رہتے ہیں اور رفتارِ زمانہ سے ہم آہنگ نہیں ہو پاتے۔ لے دے کر یہی دلیل بار بار دہرائی جاتی ہے، حالاں کہ ہر عقل مند شخص یہ جانتا ہے کہ کسی بھی فن میں کمال حاصل کرنے کے لئے ذہنی یکسوئی کی ضرورت ہوتی ہے، اور ہر شخص بیک وقت ہر فن میں کامل ہو جائے، یہ بات ناممکن نہیں تو مشکل ترین ضرور ہے، اور خاص کر موجودہ دور تو تخصصات کا دور ہے، ہر فن کے الگ الگ ماہرین پائے جاتے ہیں جن کو اپنے فن میں سند اور اتھارٹی کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ فن طب میں الگ الگ اعضاء کے الگ الگ اسپیشلسٹ ڈاکٹر وجود میں آگئے ہیں، جن سے بوقت ضرورت فائدہ اٹھایا جاتا ہے، اور اس تقسیم کو عصر حاضر کی ترقیات کا ایک جزو سمجھا جاتا ہے، اور کبھی کسی کی زبان پر یہ بات نہیں آتی کہ فلاں شخص فلاں فن میں مہارت نہ ہونے کی وجہ سے ناقص ہے؛ بلکہ ایک ہی فن میں مہارت کو کمال سمجھا جاتا ہے۔ اس صورتِ حال میں ہمارا سوال یہ ہے کہ جب ہر موضوع کے ماہرین الگ الگ ہیں جن کو اپنے موضوع کے علاوہ دوسرے موضوع کے بارہ میں کچھ اتہ پتہ نہیں ہوتا، مثلاً انجینئر کو ڈاکٹری کا کچھ علم نہیں ہوتا، اور آرٹسٹ کو علم معاشیات سے کچھ لینا دینا نہیں ہوتا، تو آخر وہ مولوی جو اپنے علم میں کامل اور ماہر ہو اسے دوسرے موضوع کے نہ جاننے کی وجہ سے ناقص کیوں قرار دیا جاتا ہے؟

جب دنیا کے دیگر علوم میں متخصص ہونا باعث عیب نہیں تو علم دین میں تخصص پر آخر کیوں اعتراض ہے؟ یہ دورخی پالیسی ہماری عقل سے بالاتر ہے، اور اس کی بنیاد صرف اور صرف یہ ہے کہ معترضین کی نظر کا منتہا صرف یہ حقیر دنیا ہے، آخرت کی ترقی سے انہیں کوئی سروکار نہیں۔ اسی بنا پر وہ تخصص جس سے دنیا کمائی جا سکے، وہ تو ان کے نزدیک باعث شرافت ہے اور جو دینی تخصص بظاہر ان کی نظر میں دنیا کے حصول کا ضامن نہ ہو، وہ کھلا ہوا عیب ہے۔ ایسے ہی نظریہ رکھنے والوں کے بارہ میں قرآن میں فرمایا گیا:

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی عَنْ ذِکْرِنَا وَلَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا، ذٰلِکَ مَبْلَغُھُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِہٖ وَھُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اھْتَدٰی.

(النجم ۳۰)

سوائے پیغمبر! آپ اس سے اعراض فرمایئے جو ہماری یاد سے منہ موڑے اور جو دنیا کی زندگی کے علاوہ کچھ نہ چاہے، ان کا منتہائے علم تو بس یہی (دنیا کا نفع نقصان) ہے۔ یقیناً آپ کا رب ہی خوب جانتا ہے اس کو جو اس کی راہ سے گمراہ ہوا، اور خوب جانتا ہے اس کو جو راہ پر آیا۔

الغرض دیکھا یہی گیا ہے کہ جو لوگ خالص دنیا دار ہیں وہی سب سے زیادہ مدارس کے نصاب پر چیں جبیں رہتے ہیں حالاں کہ جہاں تک حالات زمانہ کے مطابق نصاب میں تبدیلی کا معاملہ ہے تو ایسی جزوی تبدیلیاں ہر زمانہ میں علماء نے قبول کی ہیں؛ لیکن ایسی بنیادی تبدیلیاں جن سے اصل دینی علوم حاشیہ پر چلے جائیں اور پورا نصاب دینی و دنیوی علوم کا معجون مرکب بن جائے اس کو ہرگز قبول نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ ایسے نصاب کا لازمی اثر یہ ہوگا کہ اس کو پڑھنے والے کسی بھی فن میں کامل نہ ہو سکیں گے، نتیجۃً دین اور دنیا دونوں سے کورے رہ جائیں گے۔

نیز یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ عام طور پر مدارس کا نصاب سات یا آٹھ سال کا ہے، اور اس سے قبل عموماً طلبہ اپنے اپنے علاقوں میں مقامی مکاتب یا اسکولوں میں رہ کر پرائمری تعلیم حاصل کر چکے ہوتے ہیں؛ بلکہ بہت سے مدارس میں تو باقاعدہ پرائمری تعلیم کا نظام ہے۔ اس کے بعد مدارس کے نصاب کی تکمیل کر کے کوئی طالب علم کسی دوسرے ادارہ میں جا کر اگر عصری علوم سیکھنا

چاہے تو اس کے لئے کبھی کوئی رکاوٹ نہیں رہتی، تو پھر اصل نصاب میں زبردستی دنیوی علوم کو مکمل طور پر داخل کرنے پر کیوں اصرار ہے؟ ان باتوں پر جذبات سے بالاتر ہوکر سنجیدگی سے سوچنے کی ضرورت ہے۔ نصاب میں بنیادی تبدیلی کا نعرہ دیکھنے میں جتنا حسین اور خوب صورت ہے انجام کے اعتبار سے اتنا ہی پر خطر اور نقصان دہ ہے، جس سے مدارس کے قیام کا منشا ہی فوت ہوسکتا ہے۔

مسلمانوں کی سیاسی بے وزنی کا ذمہ دار کون؟

علماء پر ایک بڑا الزام یہ بھی لگایا جاتا ہے کہ آج جو ملک میں اقتدارِ اعلیٰ ہندوؤں کو حاصل ہے اور مسلمان سیاسی اعتبار سے بے وزن ہیں، اس کے ذمہ دار بھی علماء ہیں جنہوں نے انگریز کو بے دخل کر کے برہمن ہندوؤں کو قوم پر مسلط کرادیا۔ چناں چہ ایک صاحب یوں گل افشانی کرتے ہیں:

’’برصغیر کی آزادی کے لئے سب سے زیادہ قربانی علماء نے دی، مگر وہ یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ آنے والا دور بادشاہت کے بجائے جمہوریت کا ہے، اقبال کے الفاظ میں بندوں کو تولنے کے بجائے گننے کا ہے، اور تعداد میں غیر مسلم بھاری کثرت میں ہونے کی وجہ سے آزادی کا نتیجہ انگریز سے بدتر متعصب ہندو کی غلامی کی شکل میں ظاہر ہوگا، گذشتہ ہزار سال سے دنیا میں ہندو کسی شمار و قطار میں نہیں تھا، مگر برصغیر کے مسلمانوں کو تعلیمی و تنظیمی طور پر تیار کئے بغیر برہمن کو آزادی حاصل کر کے دینے کے نتیجہ میں آج متعصب برہمن نہ صرف برصغیر کی ملت اسلامیہ؛ بلکہ پورے عالم میں اسلام و مسلمانوں کا دشمن بن کر سامنے آیا‘‘، الخ۔ (ماہنامہ ’’اذان بلال‘‘ آگرہ جنوری ۲۰۰۷ء)

اس پیراگراف میں بالفاظ دیگر یہ کہا گیا ہے کہ علماء نے انگریز کو برصغیر سے بے دخل کر کے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے، اور اپنی نادانی کی وجہ سے پوری ملت کو متعصب ہندوؤں کے نرغہ میں پھنسادیا ہے، یہی بات بہت سے جاہل عوام بھی کہتے رہتے ہیں، جب کہ یہ مفروضہ سو فیصد مغالطے اور صحیح صورتِ حال سے قصداً روگردانی پر مبنی ہے، اس لئے کہ جن علماء نے کانگریس کے ساتھ اتحاد کرتے ہوئے تحریک آزادی میں حصہ لیا انہوں نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ مسلمانوں کو مذہبی آزادی سے محروم کردیا جائے یا ہندو اکثریت ان پر حاوی ہوجائے؛ بلکہ ان کا جو منصوبہ ’’مدنی

فارمولہ‘‘ کے نام سے پیش کیا گیا تھا، اس میں انتہائی دور اندیشی سے ایسی دفعات رکھی گئی تھیں کہ ہندو اکثریت میں ہونے کے باوجود ہر معاملہ میں مسلم اقلیت کے دست نگر رہتے؛ بلکہ اگر وہ منصوبہ منظور ہوگیا ہوتا تو آزادی کے پچاس سال کے اندر اندر وہ تمام صوبے جن میں مسلمانوں کو اکثریت حاصل تھی، الگ ملک بن گئے ہوتے، اور متعدد طاقتور اسلامی ریاستیں وجود میں آ گئی ہوتیں۔ اس فارمولہ کے تحت تمام صوبے خود مختار ہوتے اور ملکی سطح پر حکومت کا ایک وفاقی ڈھانچہ بنایا جاتا، جس میں ہندو مسلم ممبران کا تناسب برابر پینتالیس پینتالیس فیصدی ہوتا، اور اقتدار اعلیٰ کا ارتکاز اکثریت کے ہاتھ میں نہ رہتا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ فارمولہ ان علماء کی بے مثال فراست وذہانت اور سیاسی بصیرت کا عظیم شاہ کار تھا، جس کو کانگریس اور انگریزی حکومت نے تقریباً منظور کرلیا تھا، اور ابتداء میں مسلم لیگ نے بھی اس کی حمایت کی تھی؛ لیکن چند ہی روز بعد کسی اندرونی سازش کا شکار ہوکر مسٹر جناح نے اس کو ماننے سے انکار کردیا، اور تقسیم ہند کے مطالبہ پر اصرار کیا، جس کے نتیجہ میں ہندوستانی مسلمان اپنے جائز حق سے محروم ہوکر اکثریت کے اقتدار اعلیٰ میں رہنے پر مجبور ہوگئے۔ علماء کے اس فارمولہ کا کچھ تعارف اور اس سلسلہ کی سرگزشت قائد حریت شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے خطبۂ صدارت کے اس اقتباس سے معلوم کی جاسکتی ہے جس کا مطالعہ مذکورہ الزامات کی صفائی کے لئے کافی ہوگا، اور انصاف کے ساتھ یہ فیصلہ کرنا آسان ہوگا کہ ملت اسلامیہ ہند کو ہندوؤں کے نرغے میں بے سہارا چھوڑنے کے ذمہ دار آیا وہ علماء ہیں جنہوں نے اپنی قسمت ملت کی خدمت سے وابستہ کردی، یا مسلم لیگ کے وہ ناعاقبت اندیش قائدین ہیں جن کے غلط فیصلوں کا خمیازہ آج تک ملت کو بھگتنا پڑ رہا ہے؟ خطبۂ صدارت کا اقتباس ملاحظہ کریں:

’’جمعیۃ علماء کے دور اندیش مدبر اور فراست ایمانی کے حامل مفکر یقین رکھتے تھے کہ جس سیاست کا سنگِ بنیاد افتراق اور اختلاف ہو، اس کا لازمی نتیجہ تصادم، کشت وخون اور وحشت وبربریت ہوگا۔

گندم از گندم بروید جو ز جو ☆ از مکافات عمل غافل مشو

چناں چہ جمعیۃ علماء ہند نے کبھی بھی دوقومی نظریہ کی حمایت نہیں کی، نہ اس کے بدترین نتیجہ یعنی تقسیم ہند کی تائید کی؛ بلکہ وہ ہمیشہ اس کو غیر فطری اور ملک وملت کے لئے تباہ کن تصور کرتی رہی۔ البتہ مختلف فرقوں کے مذہبی اور بعض معاشرتی حقوق ومفادات کی حفاظت کو جمعیۃ علماء ہند نے ہمیشہ ضروری سمجھا اور اسی بناء پر وہ پاکستان کی باقاعدہ تجویز سے پہلے فارمولا مرتب کر کے ملک کے سامنے پیش کر چکی تھی، جس کی تصدیق وتائید سہارنپور کے اجلاس منعقدہ ۱۹۴۵ء میں کی گئی۔

اس فارمولہ کا بنیادی نظریہ وحدت مرکز تھا؛ تاکہ ہندوستان جیسے براعظم کی جنگی اور دفاعی طاقتیں یکجا رہیں اور پورے ایشیا کا طاقتور رہنما بن سکے۔ البتہ ہر ایک صوبہ اور صوبہ کے ہر باشندہ کو حریت، آزادی اور استقلال کی دولت سے بہرہ اندوز ہونے کے لئے فارمولہ کی دفعہ۲ میں تجویز کیا گیا تھا کہ جملہ اختیارات صوبوں کے ہاتھ میں رہیں اور مرکز کو صرف وہی اختیارات دئے جائیں جو تمام ملک کے لئے مشترک اور یکساں ہوں۔ مثلاً ٹرانسپورٹ، ڈاک خانہ جات، تار برقی وغیرہ۔ ان مشترک اختیارات کے سوا جن کی تصریح مرکز کے لئے کر دی گئی ہو، باقی تمام مصرحہ اور غیر مصرحہ اختیارات صوبوں کے حوالہ ہوں۔

وحدت مرکز کی صورت میں اقلیت کے خدشہ کو دور کرنے کے لئے فارمولہ کی تیسری شرط یہ تھی کہ مرکز کی تشکیل ایسے طرز پر ہو کہ اکثریت، اقلیت پر زیادتی نہ کر سکے۔

فارمولہ کی تشریح میں ایسی تشکیل کی چند صورتیں بھی بتا دی گئی تھیں۔ مثلاً یہ کہ کوئی مسئلہ جس کے متعلق کسی فرقہ کی اکثریت یہ فیصلہ کر دے کہ اس کا تعلق اس فرقہ کے مفاد کے ساتھ مخصوص ہے، وہ پارلیمنٹ میں پیش نہ ہو سکے گا۔ اگر اس فرقہ کے مطالبہ میں اختلاف پیدا ہو تو فارمولہ میں عدالت عالیہ سپریم کورٹ کو تجویز کیا گیا تھا، جو اس اختلاف کے بارے میں فیصلہ صادر کرے، فارمولہ کی تشریح میں ایک صورت یہ بھی بیان کی گئی تھی کہ مرکز میں ہندو اور مسلمانوں کو مساوی نشستیں دی جائیں، مثلاً ۴۵ / فیصد مسلمان ۴۵ / فیصد ہندو اور ۱۰ / فیصد دوسری اقلیتیں۔ پیرٹی اور مساوات کی دفعہ کے علاوہ باقی تمام دفعات کو انڈین نیشنل کانگریس تسلیم کر چکی تھی۔ اور جب مارچ ۱۹۴۶ء میں کیبنٹ مشن ہندوستان وارد ہوا اور جمعیۃ علماء ہند کے وفد نے اس کے سامنے اپنا فارمولہ پیش کیا تو

یہ فارمولہ اس کو متأثر کئے بغیر نہ رہ سکا۔ انتہا یہ کہ تقریباً دو ماہ کی ردوقدح اور حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کی مدبرانہ جدوجہد کے نتیجہ میں مئی ۱۹۴۶ء میں جو فارمولہ تسلیم کیا گیا، کہا جاسکتا ہے کہ وہ بجنسہٖ جمعیۃ علماء ہند کا فارمولہ تھا۔ صرف پیرٹی اور مساوات کی شرط تشنہ تکمیل تھی اور کانگریس اور کیبنٹ مشن نے قولاً اس کو تسلیم نہیں کیا تھا؛ لیکن عارضی حکومت کی جب تشکیل کی گئی تو ۱۴ر ممبران میں پانچ ممبر مسلمان تھے۔

اور اگر لیگ کے ناعاقبت اندیش لیڈران کی طرف سے بے جا ضد نہ کی جاتی، اور اس مطالبہ پر احمقانہ اصرار نہ کیا جاتا کہ کانگریس کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے گروپ میں کسی مسلمان کو شامل کرلے، تو لیگ کے پانچ ممبران کے سوا ایک مسلمان کانگریس کا نامزد ہوتا، اور اس طرح ۱۴ر ممبران میں سے ۶ر ممبر مسلمان ہوسکتے تھے۔ یعنی تقریباً ۴۵ر فیصد کی نسبت قائم ہوسکتی تھی۔

اقلیت اور اکثریت میں توازن قائم کرنے کی ایک شکل یہ بھی تھی کہ قلمدان وزارت مساویانہ تقسیم کئے جاتے، ورنہ کم از کم امور خارجہ دفاع اور امور داخلہ جیسے اہم محکمے مساوی طور پر تقسیم کئے جاتے۔

چناں چہ جب مسٹر جناح کیبنٹ مشن کی تجاویز کو منظور کرلینے کے بعد رجعت قہقری میں مصروف تھے اور متحدہ ہندوستان کی بنیادوں کو اکھیڑنا ان کا دل چسپ مشغلہ تھا، اس وقت عارضی حکومت میں شرکت کی دعوت دیتے ہوئے لارڈ ویول وائسرائے ہند نے ۲۴ر اگست ۱۹۴۶ء کو اپنی براڈ کاسٹ تقریر میں کہا تھا: ’’مسلم لیگ کو اس بات کا کوئی خوف نہ ہونا چاہئے کہ کسی اہم معاملہ میں اسے ووٹ کی کثرت سے شکست دے دی جائے گی، مخلوط حکومت صرف اس شرط پر ہی قائم رہ سکتی ہے اور کام کرسکتی ہے کہ اس میں شریک ہونے والی دو پارٹیوں کو اطمینان حاصل ہو۔ میں خیال رکھوں گا کہ وزارت کے اہم قلمدانوں کی تقسیم مساوی طور پر ہو، مجھے خلوص کے ساتھ اعتماد ہے کہ لیگ اپنی پالیسی پر دوبارہ غور کرے گی‘‘۔ (تیج مؤرخہ ۲۸ر اگست ۱۹۴۶)

مذکورہ بالا تفصیلات کے علاوہ اس فارمولہ کا مفاد یہ تھا کہ:

(۱) صوبہ سرحد، صوبہ سندھ، صوبہ بلوچستان اور اگر کشمیر کو ایک صوبہ کی حیثیت دی جاتی تو

صوبہ کشمیر مذہبی معاشی اور کلچرل امور میں قطعاً خود مختار ہوتے۔(۲) پورا صوبہ پنجاب اور پورا صوبہ بنگال، جس کا دارالحکومت کلکتہ تھا، مسلم اکثریت کے زیر اقتدار رہتا۔اور(۳) صوبہ دہلی اور بشمول سلہٹ صوبہ آسام کی سیاست اور حکومت میں مسلمانوں کا حصہ تقریباً مساوی ہوتا۔(۴) ہندوستان کے باقی صوبوں میں مسلمان لاوارث یتیم کی طرح نہ ہوتے کیوں کہ (الف) ملازمتوں اور اسمبلیوں میں ان کا حصہ ۳۰/ یا ۳۳/ فیصد ہوتا (ب) وزارتوں میں ان کی مؤثر شمولیت ہوتی (ج) مذہبی اور تمام فرقہ وارانہ امور میں ان کو حق استرداد حاصل ہوتا (د) وہ ایسے مرکز کے ماتحت ہوتے جس میں ان کی تعداد مساوی، ورنہ کم از کم ۳۳/ فیصد ہوتی۔اور تمام فرقہ وارانہ امور کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں ہوتی، کیوں کہ اسمبلی یا کیبنٹ مسلم اکثریت کی موافقت کے بغیر کوئی فیصلہ صادر نہ کر سکتی حقیقت یہ ہے کہ اس فارمولہ نے جس کو کیبنٹ مشن اور کانگریس تسلیم کر چکی تھی، اکثریت کو اقلیت کا پابند اور اس کا دست نگر بنا دیا تھا۔مگر افسوس مسلمانوں کے دماغ سحر سامری سے ماؤف بارگاہ ایزدی میں حاضر ہوں گے تو اپنی دیانت اور خیر خواہی اور اصابت رائے کے بدولت سرخ رو ہوں گے، اور جو لوگ آج ان پر کیچڑ اچھال رہے ہیں اور ان پر ''زمانہ سے بے خبری'' قدامت پسندی، اور رجعت پسندی وغیرہ جیسے طعنے کس رہے ہیں وہ ان سے آنکھیں چار کرنے کی ہمت نہ کر پائیں گے۔ ہماری نظر میں ایسے مخلص محسنین کی احسان فراموشی یقیناً بدبختی کی علامت ہے، اور اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ جو قوم اپنے محسنوں کی ناقدری کرنے لگتی ہے وہ خیر سے محروم کر دی جاتی ہے۔اس لئے ایسے سب حضرات کو ہمارا مشورہ یہ ہے کہ وہ سلف صالحین پر تبرا بازی کرنے کے بجائے اپنی واقعی کوتاہیوں کو دور کرنے کی فکر کریں، اور شیش محل میں بیٹھ کر پتھر پھینکنے کے بجائے میدان عمل میں آکر لٹی پٹی ملت کی دست گیری کر کے اپنے اعمال نامے روشن کریں، ورنہ مخلص علماء سے بغض وحسد ان کے لئے دینی اور دنیوی ہر طرح کی تباہی کا سبب بن جائے گا۔و آخر دعوانا ان **الحمد للہ رب العالمین۔**

(ندائے شاہی فروری ۲۰۰۷)

❍❖❍

’’زکاۃ‘‘ پر للچاتی نظریں!

بحمدہ تعالی آج پورے برصغیر (ہندوپاک اور بنگلہ دیش) میں دینی تعلیم کا ایسا نظام قائم ہے جس کا مدار کسی حکومت یا کسی خاص سرمایہ دار کی نظر عنایت پر نہیں ہے بلکہ عامۃ المسلمین کے مخلصانہ تعاون سے شہر شہر اور قریہ قریہ ہزاروں چھوٹے بڑے مکاتب ومدارس چل رہے ہیں جن میں بعض مدارس کا سالانہ بجٹ لاکھوں اور کروڑوں میں ہے۔ان مدارس میں نہ صرف مفت تعلیم کا نظام ہے بلکہ مقیم طلبہ کے لئے رہائش، کھانا اور علاج کا انتظام بھی مفت ہے۔اور بہت سے مدارس میں الگ سے وظائف کا بھی دستور ہے، ان مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے زیادہ تر طلبہ کا تعلق غریب اور متوسط گھرانوں سے ہوتا ہے۔ امیر گھرانوں کے لڑکے اس جانب زیادہ رخ نہیں کرتے کیوں کہ زیادہ تر مدارس ان کے حسب منشا قیام وطعام کے انتظامات کرنے کا تحمل نہیں کرسکتے، بار بار کے غیر جانب دارانہ سروے سے یہ حقیقت آشکارا ہوچکی ہے کہ برصغیر میں اگر مدارس کا یہ نظام کامیابی سے نہ چلایا گیا ہوتا تو اس علاقہ میں دینی اقدار اور تشخصات کا باقی رہنا ناممکن نہیں تو مشکل ترین امر ضرور ہوجاتا۔مغربی تہذیبی یلغار کا اصل مقابلہ ہزار بے سامانیوں کے باوجود انہیں مدارس نے کیا ہے اور اب بھی یہی مدارس اسلامی تہذیب کی بقا کے لئے سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے ہیں، بالخصوص اردو زبان --جس میں دینی معلومات کا بڑا ذخیرہ موجود اور دست یاب ہے -- کی بقا اور تحفظ کے لئے ان مدارس دینیہ کا کردار روز روشن کی طرح عیاں ہے۔آج اگر دیکھا جائے تو پتہ چلے گا کہ ہمارے علاقہ میں اردو اگر کسی چہار دیواری میں واقعی زندہ ہے تو یہی مدارس ہیں جہاں ذریعہ تعلیم خالص اردو ہے اور یہ زبان یہاں آج بھی پروان چڑھ رہی ہے۔ اسلامی تہذیب وتشخص کی حفاظت کی بنا پر یہ مدارس آج دین اسلام کے مضبوط قلعوں کی شکل میں تبدیل

ہو چکے ہیں۔ اوران مدارس کی تربیت سے جونسل آگے بڑھ رہی ہے وہ دین کا درداپنے دل میں رکھنے والی ہے، اوردین کے لئے قربانی کا جذبہ ان کے اندرکوٹ کوٹ کربھرا جارہا ہے۔

دنیوی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے اسباب کی ضرورت پڑتی ہے، ظاہر ہے کہ مدارس بھی روئے زمین پرآباد ہیں، ان میں پڑھنے پڑھانے والے بھی اسی زمین کی مخلوق ہیں، انہیں کھانے پینے رہنے کے لئے مادی وسائل کی ضرورت ہے اس ضرورت کی تکمیل کے لئے اہل مدارس باغیرت مسلمانوں کے پاس جاتے ہیں اوران کے سامنے اپنی ضروریات رکھ کرتعاون کے طالب ہوتے ہیں، چوں کہ ان مدارس میں عموماً زکاۃ وصدقات کامصرف پایا جاتا ہے اس لئے زیادہ تر باحیثیت افراد زکاۃ وصدقات سے مدارس کا تعاون کرتے ہیں اورخوب کرتے ہیں۔ ہرسال کروڑہا کروڑ روپئے زکاۃ کی مد سے ان مدارس کووصول ہوتے ہیں، اوران کے ذریعہ سے مدارس کی ضرورتیں شرعی حدود میں رہ کر پوری کی جاتی ہیں۔ الحمدللہ امت کا بڑا طبقہ مدارس پراعتماد کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ جہاں سال بہ سال مدارس ومکاتب کی تعداد بڑھ رہی ہے وہیں امت کا تعاون بھی روز افزوں ہے، لیکن تین طرح کے طبقے ایسے ہیں جنہیں مدارس کے تعاون سے سخت کڑھن اور تکلیف ہوتی ہے۔ اوران کی دلی خواہش یہ ہے کہ امت ان قدیم دینی تعلیمی اداروں کے تعاون سے ہاتھ کھینچ لے تاکہ یہ ادارے اپنی موت آپ مرجائیں اور پھرامت کی بے راہ روی کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ رہے۔ یہ تین طبقے بالترتیب درج ذیل ہیں:

(۱) ایک طبقہ ان لوگوں کا ہے جنہیں مدارس کے نام ہی سے بغض ہے، اور جو اپنی آزاد خیالی کی وجہ سے علماء کا نام سنتے ہی آپے سے باہر ہوجاتے ہیں، اوراول فول بکواس شروع کردیتے ہیں، ان کی نظر میں اس دور میں مذہب سے وابستگی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، لہٰذا وہ مسلمانوں کو مذہب سے وابستہ رکھنے کی ہرکوشش کی جم کرمخالفت کرتے ہیں۔ اوراٹھتے بیٹھتے ان کا خاص وظیفہ علماء اور خدام دین کی توہین اوران کی کردارکشی کرنا ہے، بلاشبہ ایسے لوگ اسلامی نام رکھنے کے باوجود اسلام کے نام پر ''بدنما داغ'' ہیں۔ اورغیر مسلم دشمنوں سے زیادہ ان ''آستین کے سانپوں'' سے اسلام کونقصان پہنچ رہا ہے۔

(۲) دوسرے وہ لوگ ہیں جو مدارس کو صرف مذہبی تعلیم تک محدود رکھنے کے مخالف ہیں، ان کا نظریہ یہ ہے کہ ہر مولوی کو جدید علوم میں بھی مکمل ماہر ہونا چاہئے اور جو مدارس ان کے نظریہ کو قبول نہیں کرتے ان کا تعاون کرنا وہ گناہ سمجھتے ہیں۔ان کے بقول ہر سال مدارس سے ''بے کاروں کی فوج'' تیار ہورہی ہے اور قوم کا بڑا سرمایہ مدارس میں ضائع ہورہا ہے، اس لئے وہ قوم کو مشورہ دیتے ہیں کہ مدارس کا فراخ دلی سے تعاون بند کیا جائے، اور جدید علوم حاصل کرنے والے طلبہ پر یہ رقومات خرچ کی جائیں۔

(۳) تیسرا محدود طبقہ ان لوگوں کا ہے جو اس بات پر چیں بجبیں ہے کہ آخر زکاۃ کا اکثر حصہ مدارس میں ہی کیوں چلا جاتا ہے؟ ہمارے جیسے ''زعماء ملت'' کے ہاتھ کیوں نہیں لگتا کہ ہمیں بھی کچھ ترقیاتی منصوبہ بندی کا موقع ملے؟ اس طبقہ کے لوگ مدارس کی اہمیت، ضرورت اور خدمات سے اچھی طرح واقف ہیں مگر لالچ اور زر پرستی نے ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی ہے۔ اور وہ بھی جی جان سے مدارس کے خلاف عوامی ذہن سازی میں لگے ہوئے ہیں۔

مخالفانہ گٹھ جوڑ

افسوس ہے کہ آج جہاں مدارس کے خلاف عالمی طاقتیں بے بنیاد پیروپیگنڈہ کررہی ہیں اور علماء کو ہر سطح پر طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا جارہا ہے ایسے ماحول میں مذکورہ تینوں طبقات کا مدارس کے خلاف ''ناپاک گٹھ جوڑ'' وجود میں آچکا ہے۔ جو کہیں ''زکاۃ فاؤنڈیشن'' کے نام پر اور کہیں ''ملی واسلامی بیت المال'' کے نام پر تنظیمیں قائم کرکے مدارس کو دی جانے والی زکاۃ کی رقومات اپنے قائم کردہ اداروں کی طرف کھینچنے کی کوشش کررہا ہے۔ جابجا جلسے، سمپوزم، سیمنار کئے جارہے ہیں، جن میں برملا علماء پر تنقید، مدارس کی تنقیص اور دینی خدام کی ہوا خیزی کے ساتھ من مانے طور پر زکاۃ کے مصارف متعین کئے جارہے ہیں۔اور حیرت ہے کہ ایسے لوگ جن کی پوری زندگی الحادو دہریت کے ماحول میں گذری ہے اور جو عربی زبان وادب اور اصل نصوص شریعت تک رسائی سے بھی محروم ہیں وہ اسٹیج پر آکر اسلامی نظام زکاۃ کی تشریح کررہے ہیں اور پوری زندگی دین پر تج دینے اور

قرآن وسنت اور فقہ وشریعت کی غواصی کرنے والے علماء وفقہاء اور مفتیان کی اصلاح کرنے کی جسارت کررہے ہیں۔اور مقصد صرف یہ ہے کہ قوم کی زکاۃ مدارس کے اصل مصرف میں نہ جا کران نام نہاد ''زکاۃ فاؤنڈیشنوں'' کی جھولی میں چلی جائے تا کہ ان کے کار پردازوں کو اپنی مرضی کے مطابق مادی مفادات کے حصول کا آسان موقع ہاتھ آجائے۔

شبہات کا ازالہ

ان لوگوں کی طرف سے عوام کے سامنے مدارس کی شبیہ بگاڑنے اور علماء کا اعتماد عوام کے دلوں سے ختم کرنے کی غرض سے طرح طرح کی باتیں پیش کی جاتی ہیں:

(۱) کبھی کہا جاتا ہے کہ مدارس نے قریبی رشتہ داروں کا حق مار رکھا ہے، اور یہ علماء بس زکاۃ خود لے جاتے ہیں اور سرمایہ دار صاحب نصاب کے اعزاء واقرباء اپنے حق سے محروم رہ جاتے ہیں، حالاں کہ یہ سراسر بہتان ہے کوئی عالم کبھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو نہ دے کر ہمارے مدرسہ کو دو، بلکہ بیانات اور تقریروں میں یہ بات بار بار کہی جاتی ہے کہ ''قریبی اعزہ کو صدقہ دینے میں دوہرا ثواب ہے ایک صدقہ دینے کا دوسرے صلہ رحمی کا''۔ (مستفاد مشکوٰۃ شریف ۱/۱۷۱) لیکن قریبی اعزہ کا حق ادا کرنے کے بعد اگر مدارس کے نادار طلبہ پر زکاۃ وصدقات خرچ کرنیکی ترغیب دی جائے تو اس میں کسی انصاف پسند کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہے کیوں کہ یہ مصرف بھی ایسا ہے جس میں دوگنا اور سہ گنا ثواب ملنے کی امید ہے۔اس لئے کہ مدارس کا تعاون صرف فقراء ہی کا تعاون نہیں بلکہ یہ دراصل دین کی اشاعت اور اس کے تحفظ میں تعاون ہے، جس کا اجرنا قابل تصور ہے۔

(۲) کبھی کہا جاتا ہے کہ ایک شہر سے دوسرے شہر زکاۃ منتقل کرنا جائز نہیں اس لئے دور دراز کے مدارس کو زکاۃ دینا حکم شریعت کے خلاف ہے، حالاں کہ یہ بھی محض تلبیس ہے۔مسئلہ شرعی یہ ہے کہ بلا عذر اور بلا ضرورت دوسری جگہ مال زکوۃ بھیجنے میں کراہت ہے لیکن اگر کسی مصرف میں زکاۃ خرچ کرنے کی شرعی ضرورت ہو اور وہ مصرف شہر سے دور ہو تو وہاں زکاۃ کی رقم بھیجنے میں

کسی قسم کی کوئی کراہت نہیں ہے۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۳۴۵) اور ظاہر ہے کہ علم دین کی بقا اور اس کی اشاعت سے بڑھ کر بہتر کیا مصرف ہوسکتا ہے؟ اگر مسلمان دین کی بقا و بہبودی ہی کا خیال نہ رکھے گا تو پھر کس چیز کا خیال کرے گا؟

(۳) کبھی یہ طنز کیا جاتا ہے کہ مدارس میں زکاۃ کی بڑی ناقدری ہوتی ہے اور اسے غفلت کے ساتھ غیر مصرف میں صرف کر دیا جاتا ہے لہٰذا مدرسوں میں زکاۃ دینے سے زکاۃ کی ادائیگی ہی میں شک پڑ جاتا ہے۔ حالاں کہ یہ بات بھی عمومی انداز میں قطعاً خلافِ واقعہ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ بعض خدا ناترس ذمہ داران مدارس ایسی بے احتیاطی کرتے ہوں — جس پر وہ عند اللہ ماخوذ ہوں گے — لیکن اکثریت کا حال ہرگز یہ نہیں ہے۔ اور کسی فرد کی ذاتی غلطی کی وجہ سے پورے کام کو سرے سے ناقابل اعتماد قرار دینا ہرگز مقام انصاف نہیں ہے۔ پھر اس کا حل یہ نہیں ہے کہ مدرسوں کو زکاۃ دینا ہی بند کرنے کا مشورہ دیا جائے بلکہ اس کا حل یہ ہے کہ ایسے اہلِ مدارس جن کے بارے میں بے اعتمادی ہو ان کی اصلاح کی کوشش کی جائے۔ اور جہاں تک بے احتیاطی کی بات ہے تو کیا مدارس کے علاوہ جن زکاۃ کی اجتماعی تنظیموں کو زکاۃ لینے کا مشورہ دیا جا رہا ہے کیا ان کے بارے میں بے احتیاطی سے پاک رہنے کی ضمانت اور گارنٹی دی جاسکتی ہے؟ نیز یہ بھی سوچیں کہ آج قوم کا حال یہ ہے کہ عصری تعلیمی اداروں میں پڑھنے والے طلبہ پر ان کے والدین ماہانہ ہزاروں روپے بخوشی صرف کرتے ہیں اور اعلیٰ تعلیم دلانے کے لئے کالج میں داخلہ کے وقت لاکھوں روپیہ کا ڈونیشن باسانی ادا کرتے ہیں لیکن مدرسہ میں پڑھنے والے بچوں کی فیس حتی کہ کھانے کے معاوضہ پر بھی ایسی فراخ دلی سے خرچ کرنے کا ماحول نہیں ہے، تو اب اگر مدارس میں دیجانے والی زکوۃ بھی عصری تعلیم پر ہی خرچ کی جانے لگے تو دینی تعلیمی اداروں کا خرچ کہاں سے پورا ہوگا اور ان میں پڑھنے والے نادار اور فقیر طلبہ کے اخراجات کیسے پورے ہوں گے؟ لہٰذا یہ معترضین آخر چاہتے کیا ہیں؟ کیا ان مدارس و مکاتب کو بند کر دیا جائے، تاکہ دین کے چراغ بجھ جائیں اور معاشرہ میں جو دینی رمق باقی ہے وہ بھی دم توڑ دے اور ہر طرف جہالت، بدعت اور بدعملی کا دور دورہ ہو جائے؟ کیا یہ بزعم خود زکاۃ کی وصولی کے حقدار اسی سیاہ دن کے منتظر ہیں؟

(۴) اسی طرح مدارس کو زکاۃ دینے کے مقابلہ میں سینہ پھُلا پھُلا کر ’’اجتماعی نظامِ زکاۃ‘‘ کا راگ الاپا جاتا ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ زکاۃ کی رقومات بیت المال میں جمع کر کے انہیں مختلف مستحقین تک پہنچانا یہ فرد کی ذمہ داری نہیں بلکہ حکومت کی ذمہ داری ہے اور اس میں بھی یہ تفصیل ہے کہ اموال ظاہرہ (سائمہ جانور وغیرہ) کی زکوۃ تو جبراً بیت المال میں وصول کی جائے گی اور اموال باطنہ (مال تجارت وغیرہ) کی زکوۃ کے بارے میں جبر کرنے کی اجازت نہیں ہے البتہ اگر کوئی شخص بخوشی اسلامی حکومت کے بیت المال میں زکوۃ جمع کر دے تو حرج نہیں، لہٰذا اصولاً اموال تجارت وغیرہ کی زکوۃ کے متعلق خود صاحب نصاب افراد کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ خود اپنی حد تک تحقیق کر کے اپنی زکاۃ کی رقم صحیح مصرف تک پہنچانے کی فکر کریں۔ (مستفاد بدائع الصنائع ۲/۱۷۳)

اور موجودہ دور میں ’’دینی مدارس‘‘ بجائے خود مصارف ہیں اس لئے کہ ان میں فقراء، مساکین، یتامی اور مسافر طلبہ مقیم رہتے ہیں جن کے اخراجات بذمہ مدارس ہوتے ہیں اس لئے مدرسہ کو زکاۃ دینا دراصل ان مستحقین پر براہِ راست صرف کرنا ہے۔ لہٰذا سبھی اہل اسلام کو سمجھ لینا چاہئے کہ اس دور میں مدارس کے تعاون میں روڑے اٹکانے والے لوگ خواہ کتنی ہی دین سے ہمدردی کی بات کریں وہ دین کی بنیادوں کو مٹانے کی سازش میں برابر کے شریک ہیں۔ آج مدارس کا وجود دین کی بقا کے لئے لازم ہے اور ان کا تحفظ موجودہ دور کا بڑا جہاد ہے جس میں دامے درمے، قدمے سخنے حصہ لینا انتہائی اجر وثواب کا باعث ہے۔ جو لوگ اس حقیقت سے غافل ہیں وہ خود فریبی میں مبتلا ہیں، جلد ہی ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔

اہلِ مدارس کی ذمہ داری

ایسے ماحول میں جب کہ بدخواہوں کی طرف سے مدارس کی ایک ایک بات پر نظر رکھی جاری ہو، اور ان کے اعتماد کو مجروح کرنے کے مواقع تلاش کئے جا رہے ہوں اہل مدارس کی ذمہ داری بھی مزید بڑھ جاتی ہے، انہیں اپنے مالیاتی نظام کو زیادہ صاف ستھرا بنانے کی ضرورت ہے، ہر مدرسہ کا حساب اتنا واضح ہونا چاہئے کہ کسی کو انگلی اٹھانے کا موقع نہ رہے، بہتر ہے کہ ہر سال کی

آڈٹ رپورٹ باقاعدہ شائع کی جائے، اور مالیہ کی فراہمی کے لئے جو ملازمین اور سفراء ملک کے طول وعرض میں جاتے ہیں وہ دراصل مدارس کے نمائندے ہوتے ہیں انھیں اپنی وضع قطع، کردار اور اپنے وقار کوملحوظ رکھ کر کام کرنا چاہئے، کیوں کہ ان میں سے کسی ایک کے غلط برتاؤ کے وجہ سے پورے نظام پر حرف آتا ہے، اور لوگوں کو اعتراض کا موقع ملتا ہے، اگر اہل مدارس اپنے معاملات درست رکھنے پر توجہ دیں اور ہر طرح کی بے اصولی سے بچتے رہیں تو ان کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز آگے بڑھنے سے پہلے ہی دم توڑ دے گی؛ لیکن اگر ہم نے خود اپنے محاسبہ سے منہ موڑ لیا تو ہم زیادہ دن تک قوم کے اعتماد کو بحال نہ رکھ سکیں گے، اس بارے میں ہمیں بہت خبردار رہنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اصلاح فرمائے اور مدارس کی قدر دانی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ندائے شاہی اکتوبر ۲۰۰۵ء)

نقد و نظر

- علاماتِ قیامت کے انکار کی جسارت
- قرآنِ کریم کی بے حرمتی کے واقعات
- محتاط رہنے کی ضرورت
- اور اب شرعی عدالتوں پر نظر
- مسلم پرسنل لاء کے لئے خطرہ کون؟
- انصاف کی ضرورت
- بغض وعناد کی انتہاء

علاماتِ قیامت کے انکار کی جسارت

گذشتہ ۴؍جولائی (۲۰۰۸ء) کو قومی خبر رساں ایجنسی ''یو این آئی'' کے ذریعہ اخبارات میں مولانا وحید الدین خاں سرپرست ''الرسالہ'' کے حوالہ سے ایک خبر شائع ہوئی کہ آں موصوف نے کائنات کی جلد تباہی کے بارے میں جدید سائنسی تحقیقات پر یقین کرتے ہوئے اور بزعم خود لوگوں کے دلوں میں قیامت کا ڈر پیدا کرنے کے لئے امت کو علاماتِ قیامت کے بارے میں رائج ''مفروضات'' پر یقین نہ کرنے کا مشورہ دیا ہے؛ چوں کہ یہ خبر درپردہ ان واضح آیاتِ قرآنیہ اور احادیث متواترہ ومشہورہ کے انکار کو شامل تھی جن میں صریح طور پر قیامت سے پہلے پیش آنے والی علامات کا ذکر کیا گیا ہے؛ اس لئے راقم الحروف نے محض اخباری خبر کو کافی نہ سمجھتے ہوئے جولائی ۲۰۰۸ء کے ''الرسالہ'' کا مطالعہ ضروری سمجھا، اس شمارہ کو دیکھ کر اور اس کے مضامین کو پڑھ کر احقر کا یہ گمان یقین میں بدل گیا کہ آج اگر تلبیس اور مغالطہ آمیزی کا بین الاقوامی مقابلہ کرایا جائے تو جو شخصیت اس مقابلہ میں بلا مبالغہ اول پوزیشن لانے کی مستحق ہوگی، احقر کے خیال میں اس شخصیت کا نام ''مولانا وحید الدین خاں صاحب'' ہے، موصوف کو واقعۃً اس دور میں تلبیس وتزویر میں جو ملکۂ راسخہ حاصل ہے اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ موصوف نے بڑی چابک دستی کے ساتھ تمام نصوص متواترہ سے صرف نظر کرتے ہوئے قیامت کی تقریباً سبھی علامات قریبہ کا انکار کر دیا ہے، اور ایسی رائے اپنائی ہے کہ جو حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور سبھی سلف صالحین کی رائے کے قطعاً خلاف ہے اور پھر طرہ یہ کہ اپنی باطل رائے کی تائید کے ضمن میں یہ جھوٹا دعویٰ کیا ہے کہ نعوذ باللہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ان علامات قیامت کے بارے میں مجھا تہ پتہ ہی نہ تھا، ویسے تو موصوف خاں صاحب ہر ماہ ''الرسالہ'' کے ذریعہ اپنے قارئین کو کچھ نہ کچھ میٹھا زہر پلاتے ہی رہتے

ہیں اور امت کے موفق افراد حسب موقع ان کی تردید بھی کرتے رہتے ہیں؛ لیکن اس مرتبہ یہ خود ساختہ فکر ''یواین آئی'' سے نشر کرا کر چوں کہ پوری امت کو گمراہ کرنے کی جسارت کی گئی ہے؛ اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ موصوف کی کج روی اور تلبیسات کے مقابلہ میں صحیح موقف سے روشناس کرایا جائے۔ اولاً موصوف کی یاوہ گوئی کے چند نمونے ملاحظہ ہوں:

الف: ''وہ لوگ جن چیزوں کا انتظار کررہے ہیں وہ کسی ہمالیائی اعلان کے ساتھ نہیں آئیں گی وہ خدائی قانون کے مطابق التباس کے پردہ میں آئیں گی، حتی کہ عین ممکن ہے کہ وہ چیزیں جن کا لوگ انتظار کررہے ہیں وہ عملاً پیش آچکی ہوں عین ممکن ہے کہ قرب قیامت میں جو کچھ ہونے والا ہو وہ ہوچکا ہو......الخ''۔ (الرسالہ جولائی ۲۰۰۸)

ب: ''وہ سوچیں کہ جن علامات قیامت کے بارے میں وہ بطور خود کراماتی اور معجزاتی نوعیت کے تصورات قائم کئے ہوئے تھے، ہوسکتا ہے کہ ان کے یہ مفروضہ تصورات بے اصل ہوں اور ہم اپنے خود ساختہ روایتی تصور کی بظاہر ان کو پہچاننے سے قاصر ہوں''۔ (الرسالہ ۳)

ج: ''یاد رکھنا چاہئے کہ قیامت سے پہلے صرف ایک ہی واقعہ اپنی برہنہ صورت میں آئے گا اور وہ فرشتہ اسرافیل کا صور پھونکنا ہے، اس ایک واقعہ کے سوا تمام دوسری علامتی واقعات التباس کے پردہ میں ظاہر ہوں گے۔ (حوالہ بالا ۴)

اپنے ان مذکورہ بالا دعاوی پر خاں صاحب نے دلیل میں سورۂ شوریٰ کی ایک آیت ۱۷-۱۸ کا مفہوم پیش کیا اور اس کی من مانی تفسیر کرتے ہوئے اپنے مخالفین کو گمراہ قرار دیا ہے، موصوف کی تفسیر کا مطلب یہ ہے کہ آیت ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُمَارُوْنَ فِی السَّاعَةِ﴾ میں جھگڑے سے مراد قریب اور بعید علامات کی بحثیں نکالنا ہے، حالاں کہ تمام مفسرین اور خود قرآن کریم کے سیاق وسباق سے واضح ہے کہ یہاں مراد وہ لوگ ہیں جو سرے سے قیامت کا انکار کرتے ہیں اور اس کے لئے طرح طرح کے حیلے بہانے کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ: ''جب ہم گل سڑ جائیں گے تو بھلا دوبارہ زندگی کیسے ہوگی وغیرہ''؟ مگر خاں صاحب نے اس آیت کو بڑی صفائی سے علامات قیامت پر یقین کرنے والوں پر چسپاں کردیا، یہ تلبیس نہیں تو اور کیا ہے؟

اس کے بعد دلیل میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل پیش کیا کہ بعض نے قیامت کے ڈر سے مکان کی تعمیر ادھوری چھوڑ دی اور بعض آندھی دیکھ کر قیامت کے خوف سے مسجد کی طرف دوڑ پڑے، اس پر خان صاحب نے جو نتیجہ نکالا وہ پڑھنے کے قابل ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

''اصحاب رسول کا مزاج اگر وہ ہوتا جو آج کل کے لوگوں کا مزاج ہے تو آندھی کو دیکھ کر وہ کہتے کہ ابھی قیامت کہاں؟ ابھی تو وہ تمام نشانیاں ظاہر نہیں ہوئیں جو قیامت سے پہلے ظاہر ہونے والی ہیں، مثلاً دجال کا ظاہر ہونا، مہدی کا پیدا ہونا، اور مسیح کا آسمان سے اترنا وغیرہ۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ صحابہ اسلام میں ماڈل کی حقیقت رکھتے ہیں؛ اس لئے یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ موجودہ زمانہ کے لوگوں کا ذہن صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ صحابہ کے ذہن کے خلاف ہے۔ (ص:۶)

پھر آگے ایک ایک مصری عالم ''شیخ ابوزہرہ'' کی نزول مسیح کی روایت کے بارے میں ایک ذاتی رائے کا حوالہ دینے کے بعد یوں گویا ہوئے:

''اس کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں لوگوں کو ان روایتوں کی خبر ہی نہ تھی، اگر اس زمانہ کے لوگ ان روایتوں سے باخبر ہوتے تو ضرور ایسا ہوتا کہ آج کے لوگ اس معاملہ میں جس طرح کی بحثیں نکال رہے ہیں یہ بحثیں دور اول ہی میں ظاہر ہو چکی ہیں''۔ (ص:۷)

دیکھئے! کس سادگی کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بیان کردہ علاماتِ قیامت کے متعلق تفصیلی روایات سے جان بوجھ کر صرف نظر کر دیا گیا، حالاں کہ علم حدیث کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ دور نبوت اور دور صحابہ و تابعین میں قیامت کی علامات کے بارے میں خوب تذکرے ہوتے تھے۔ اور یہ تذکرے کیوں نہ ہوتے؟ جب کہ خود قرآنِ کریم میں صراحۃً اور دلالۃً بعض علامات کا ذکر ہے، مثلاً یاجوج ماجوج کے بارے میں صراحت فرمائی گئی:

حَتیٰٓ اِذَا فُتِحَتْ یَأْجُوْجُ وَمَأْجُوْجُ وَهُمْ مِنْ کُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ. (الانبیاء: ۹۶)	یہاں تک کہ جب ماجوج ماجوج کھول دئے جائیں گے اور وہ (غایت کثرت کی وجہ سے) ہر بلندی سے نکلتے معلوم ہوں گے۔

اور دابۃ الارض کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا:

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِنَ الاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لاَ يُوْقِنُوْنَ. (النمل: ۸۲)	اور جب قیامت کا وعدہ ان پر پورا ہونے کو ہوگا تو ہم ان کے لئے زمین سے ایک (عجیب) جانور نکالیں گے وہ ان سے باتیں کرے گا کہ کافر لوگ ہماری (یعنی اللہ تعالیٰ کی) آیتوں پر یقین نہ لاتے تھے۔

علاوہ ازیں متعدد آیات میں سیدنا حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے نزول کی خبر دی گئی اور ایک جگہ ارشاد ہوا:

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِلسَّاعَةِ فَلاَ تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنَ هٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيْمٌ. (الزخرف: ٦١)	اور وہ (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) قیامت کے یقین کا ذریعہ ہیں اور تم لوگ اس کی صحت میں شک مت کرو تم لوگ میری اتباع کرو یہ سیدھا راستہ ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں مشہور مفسر علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

قَالَ مُجَاهِدٌ: وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِلسَّاعَةِ أیْ اٰيَةٌ لِّلسَّاعَةِ خُرُوْجُ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ علیہ السلام قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، هٰكَذَا رُوِیَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَاَبِی الْعَالِيَةِ وَاَبِیْ مَالِكٍ وَعِكْرَمَةَ وَالْحَسَنِ وَقَتَادَةَ وَالضَّحَّاكِ وَغَيْرِهِمْ رضی اللہ عنہم. وَقَدْ تَوَاتَرَتِ الاَحَادِيْثُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ا اَنَّهٗ اَخْبَرَ نَزُوْلَ عِيْسَى علیہ السلام قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ اِمَاماً عَادِلاً وَحَكَماً مُقْسِطاً. (تفسیر ابن کثیر مکمل: ۱۲۰۲)	حضرت مجاہدؒ نے آیت ﴿وانه لعلم للساعة﴾ کے بارے میں فرمایا کہ: قیامت کی ایک نشانی قیامت سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول فرمانا بھی ہے، یہی بات حضرت ابوہریرہ، حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت ابوالعالیہ، حضرت ابومالک، حضرت عکرمہ، حضرت حسن، حضرت قتادہ اور حضرت ضحاک رضی اللہ عنہم وغیرہم سے مروی ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر طور پر احادیث مروی ہیں کہ آپ نے خبر دی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت سے پہلے امام عادل اور منصف حکمراں بن کر تشریف لائیں گے۔

ذرا سوچئے! بڑے بڑے مفسرین صحابہ وتابعین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کو قیامت کی یقینی علامت قرار دے رہے ہیں، اور خان صاحب یہ دعویٰ فرمارہے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کو ان علامات کے بارے میں کچھ اتہ پتہ ہی نہیں تھا، یہ بہتان نہیں تو اور کیا ہے؟ احادیث کی کتابیں قیامت کی علامات کے بارے میں تصریحات سے بھری پڑی ہیں، اور آج تک امت ان کو بلا کسی تاویل کے مانتی آئی ہے، دجال کے بارے میں اس قدر روایات ہیں کہ ان کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور انہیں کے ضمن میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ سوال بھی منقول ہے کہ یارسول اللہ! جب دجال کے دور میں ایک دن سال بھر، مہینہ، اور ہفتہ کا ہوگا تو اس وقت نمازوں کا کیا ہوگا؟ اس پر پیغمبر علیہ السلام نے ہدایت فرمائی کہ: ''اندازہ لگا کر نمازیں پڑھنا''۔ (مسلم شریف: ۳۹۳۷، ترمذی شریف ۲۸/۲) تو کیا صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ سوال دجال کے ظہور پر یقین کرلئے بغیر کرلیا تھا؟ اگر انہیں علاماتِ قیامت کا پتہ نہ تھا تو آخر انہوں نے یہ سوال کیوں کیا؟ یہ سوال کرنا خود ہی بتارہا ہے کہ صحابہ علاماتِ قیامت سے بے خبر نہ تھے۔

اور رہ گئی یہ بات کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم آندھی کے وقت قیامت کے خوف سے مسجد کی طرف دوڑ پڑتے تھے تو یہ دراصل ان کے دل میں خوفِ خدا اور فکر آخرت کے غالب ہونے کی دلیل تھی، اس سے یہ سمجھنا قطعاً غلط ہے کہ ان میں سے کسی کو قیامت کی علامتوں کا پتہ یا یقین نہ تھا؛ بلکہ یہ ان کی ایک خاص کیفیت تھی؛ کیوں کہ انسان کی فطرت ہے کہ جب اس پر کسی حال کا غلبہ ہوتا ہے تو بسا اوقات اس کی نظر یک طرفہ ہوجاتی ہے، اور واقعہ کے دیگر مقدمات پر نہیں رہتی، چناں چہ بعض مرتبہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی رہنمائی فرمائی، مسلم شریف میں صحیح روایت ہے:

حضرت حذیفہ ابن اسید غفاری رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں، کہ ہم لوگ ایک مرتبہ آپس میں گفتگو کررہے تھے۔ اسی دوران نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لے آئے اور سوال فرمایا کہ کیا گفتگو چل رہی تھی؟ میں نے عرض کیا کہ: ''حضرت! ہم قیامت کے متعلق تذکرہ میں مشغول تھے''۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ تم اس سے پہلے دس علامات نہ دیکھ لو وہ علامتیں یہ ہیں: (۱) دخان (ایک خاص قسم کا دھواں) (۲) دجال (۳) دابۃ

الارض (۴) سورج کا مغرب سے نکلنا (۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول (۶) یاجوج ماجوج کا خروج (۷-۸-۹) زمین دھنسنے کے تین واقعات (جو مشرق، مغرب اور جزیرۃ العرب میں پیش آئیں گے) (۱۰) یمن کی آگ"۔ (مسلم شریف:۲۹۰۱، ابوداؤد شریف ۴۳۱۱، ترمذی شریف ۲۱۸۳، ابن ماجہ:۴۰۴۱)

مناسب ہے کہ ان میں سے ہر علامت کی قدرے تفصیل ذیل میں درج کردی جائے، ملاحظہ فرمائیں:

(۱) **دخـــان:** یہ ایک خاص قسم کا دھواں ہوگا جو مشرق و مغرب میں ۴۰ دن تک برابر پھیلا رہے گا، جس کے اثر سے کافروں پر مدہوشی طاری ہوجائے گی اور اہل ایمان کو صرف نزلہ زکام جیسی تکلیف ہوگی۔ (مرقاۃ ۵/۱۸۷، وغیرہ)

(۲) **دجـــــال:** ایک آنکھ سے کانا، کریہہ صورت دجال ظاہر ہوگا جس کی پیشانی پر ک، ف، ر، لکھا ہوگا جسے ہر شخص پڑھ لے گا چاہے پڑھا ہوا ہو یا نہ ہو، یہ عجیب وغریب شعبدے دکھا کر لوگوں کو گمراہ کرے گا، اور مکہ، مدینہ (حرسہا اللہ) کے علاوہ پوری دنیا میں گھوم جائے گا۔ سارے شیاطین، یہودی اور اسلام دشمن طاقتیں اس کے ساتھ ہوں گی، وہ ۴۰/دن دنیا میں رہے گا، جن میں پہلا دن ایک سال کے برابر دوسرا ایک مہینہ کے برابر تیسرا ایک ہفتہ کے برابر اور بقیہ دن عام دنوں کے برابر ہونگے۔ حضرت عیسی علیہ السلام اس کا پیچھا کریں گے اور ان کو دیکھ کر وہ ایسا پگھلنے لگے گا جیسے نمک پانی میں پگھلنے لگتا ہے۔ تا آں کہ "باب لد" پر جا کر حضرت عیسی علیہ السلام اسے قتل کرڈالیں گے۔ (مسلم شریف ۲۹۳۷، ابن ماجہ، کتاب الفتن حدیث:۴۰۷۷)

دجال کے بارے میں صحیح احادیث کا بڑا ذخیرہ موجود ہے اور تمام علماء اہل حق سلف وخلف کا اتفاق ہے کہ دجال کے بارے میں پیشن گوئی کوئی تمثیل وتشبیہ نہیں ہے؛ بلکہ دجال واقعی ایک شخصیت ہے جس کو اللہ تعالیٰ بندوں کی آزمائش کے لئے قیامت کے قریب ظاہر فرمائیں گے، جو لوگ پختہ ایمان والے ہوں گے وہ اس کے جھانسے میں نہیں آئیں گے؛ بلکہ اس کے شعبدے دیکھ کر ان کے ایمان میں اور اضافہ ہوجائے گا، اور کچے ایمان والے یا لالچی اور ڈرپوک قسم کے لوگ اس فتنۂ عمیاء میں مبتلا ہوجائیں گے۔ مشہور شارح حدیث اور عالم ربانی حضرت قاضی عیاض مالکی

رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''دجال کے بارے میں حدیث کی کتابوں میں ذکر کردہ روایات اہل حق کے مذہب کی دلیل ہیں کہ دجال کا وجود واقعی ہے اور وہ ایک متعین شخص کا نام ہے، جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزمائیں گے اور اس کو اپنی کچھ خاص قدرتیں مثلاً اس خاص انسان کو زندہ کرنا جسے وہ قتل کرے گا، اور دنیا کی زیب وزینت اور پیداوار کا اس کے ہاتھ پر ظاہر ہونا، اور اس کے ساتھ جنت جہنم جیسی چیزیں اور نہریں وغیرہ چلنا، اور زمین کے خزانوں کا اس کے پیچھے لگ لینا، اور آسمان کو بارش برسنے کا حکم دینے سے بارش برس جانا، اور زمین کو اگنے کا حکم دینے سے اس کا اگ آنا۔ تو یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اور اس کی مشیت سے واقع ہوں گی، اس کے بعد اللہ تعالیٰ اسے اس سے عاجز کردیں گے، چناں چہ اس مومن شخص کے قتل کے بعد جسے وہ ایک بار زندہ کردے گا وہ کسی کو قتل پر قادر نہ رہے گا اور اس کی سب طاقت کی ہوا نکل جائے گی؛ تا آں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے قتل کرڈالیں گے۔

تمام محدثین، فقہاء، ائمہ اور اہل سنت والجماعت کا یہی مذہب ہے۔ اس کے برخلاف خوارج اور فرقہ جہمیہ اور معتزلہ نے دجال کے وجود کا انکار کیا ہے۔ اور بعض نے اس کے وجود کو تو مانا ہے؛ لیکن اس سے صادر ہونے والے خرق عادت امور کو یہ کہہ کر تسلیم نہیں کیا کہ اگر یہ بات حق ہوتی تو دجال کو انبیاء جیسے معجزے نہ عطا کئے جاتے، حالاں کہ بعض جہمیہ کا یہ نظریہ اور رائے قطعاً غلط ہے؛ اس لئے کہ دجال نبوت کا دعویٰ نہیں کرے گا کہ اس کی خرق عادت باتوں کو اس کے لئے مؤید قرار دیا جائے؛ بلکہ وہ سیدھا خدائی کا دعویٰ کرے گا، حالاں کہ خود اس کی ظاہری صورتِ حال اس کے دعویٰ کی تکذیب کے لئے کافی ہوگی؛ کیوں کہ وہ اپنی آنکھوں کا کانا پن دور کرنے سے عاجز رہے گا اور اپنی پیشانی پر کفر کی علامت کے بطور لکھے ہوئے الفاظ کو مٹانے پر قدرت نہ رکھے گا۔ انہیں دلائل کی وجہ سے صرف گھٹیا درجہ کے لوگ ہی اس کے دھوکہ میں آئیں گے، اور جو لوگ موفق من اللہ اور جانکار ہوں گے وہ اس کے فتنہ سے محفوظ رہیں گے۔ (شرح مسلم للنووی ملخصاً، باب ذکر الدجال حدیث: ۲۹۳۷)

(۳) دابۃ الارض: یہ ایک محیر العقول جانور ہوگا (جس کی اصل صورت وکیفیت اللہ کو ہی معلوم ہے) جو صفا پہاڑی سے نکل کر پوری دنیا میں گھوم جائے گا، اس کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام

کا عصا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی ہوگی، وہ انگوٹھی سے ہر مؤمن کے چہرے پر ایمان کی مہر لگادے گا اور عصا سے کافر پر کفر کا نشان لگادے گا، اس کے بعد کافر الگ اور مؤمن بالکل الگ ہوجائیں گے، کسی کا ایمان وکفر چھپا ہوا نہ رہے گا۔ (روح المعانی ۲۰/۲۲-۲۴، المفہم ۷/۲۴۳)

(۴) **سورج کا مغرب سے طلوع ہونا**: قیامت کے بالکل قریبی زمانہ میں ایک دن سورج مشرق سے نکلنے کے بجائے مغرب سے طلوع ہوگا اور پھر لوٹ کر مغرب ہی میں غروب ہوجائے گا۔ اس علامت کے ظہور کے بعد توبہ کا دروازہ بالکل بند ہوجائے گا؛ کیوں کہ ایمان بالغیب نہیں رہے گا۔ (بخاری شریف: ۶۵۰۶، مسلم شریف مع المفہم للقرطبی ۷/۲۴۲، فتح الباری ۱۴/۴۳۲)

(۵) **حضرت عیسی علیہ السلام کا نزول**: حضرت عیسی علیہ السلام کے متعلق متواتر نصوص (قرآن وحدیث) سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں، اور وہاں زندہ موجود ہیں اور مقررہ وقت پر دنیا میں نزول فرمائیں گے۔ اور شریعت محمدیہ کے مطابق امت کی رہنمائی فرمائیں گے۔ اور آپ کے ہاتھوں کانا دجال جہنم رسید ہوگا۔ (مسلم شریف ۲/۴۰۱ وغیرہ)

(۶) **یاجوج وماجوج کا خروج**: یہ بھی اللہ کی عجیب وغریب مخلوق ہے، دجال کے قتل ہوجانے اور پوری دنیا میں اسلام کا پھریرا لہرانے کے بعد حضرت عیسیؑ ہی کی حیات میں کروڑوں کی تعداد میں یاجوج ماجوج پوری دنیا کے چپہ چپہ پر اتر آئیں گے، یہ اتنی بڑی تعداد میں ہوں گے کہ تمام میٹھے پانی کے چشمے پی پی کر بالکل صاف کردیں گے، اور تمام دنیا کے جانوروں کو کھا جائیں گے اور جب انھیں کوئی نظر نہ آئے گا تو اپنے تیر آسمان کی جانب چلا کر یوں کہیں گے کہ ہم نے سب دنیا والوں کو ختم کردیا اب آسمان والوں کا نمبر ہے اللہ تعالیٰ ان تیروں کو خون کے رنگ میں رنگ کر واپس لوٹا دے گا جس پر وہ اس غلط فہمی میں پڑ جائیں گے کہ ہم نے آسمان والوں کو بھی ختم کر ڈالا ہے پھر حضرت عیسی علیہ السلام ان کے حق میں بددعا کریں گے جس کے نتیجہ میں اللہ تبارک تعالیٰ ان کو ایک خطرناک بیماری میں مبتلا کر کے مار ڈالے گا اور پوری زمین ان کی نعشوں سے پھٹ جائے گی اور سخت بدبو اٹھ پڑے گی پھر اللہ تعالیٰ بڑے بڑے پرندوں کو بھیجے گا جو ان کی لاشوں کو اٹھا کر سمندر میں ڈال دیں گے پھر اللہ تعالیٰ تیز ترین بارش سے روئے زمین کو دھو ڈالے گا اور زمین اپنے

تمام خزانوں کو اگل دے گی حتی کہ ایک ایک انار ایک بڑی جماعت کے لئے اور ایک اونٹنی کا دودھ تمام گھر والوں کے لئے کافی ہو جائے گا؛ لیکن یہ رونق چند سالہ ہوگی پھر ایک ایسی عمدہ ہوا چلے گی جس سے تمام اہل ایمان کی روح قبض کر لی جائے گی اور روئے زمین پر سوائے کفار کے کوئی باقی نہ رہے گا۔ (کتاب الفتن ۳۵۶-۳۶۸، التذکرہ ۸۰۷تا۸۱۷، مسلم شریف ۲/۴۰۲، ۲/۹۸۷)

(۷-۸-۹) زمین دھنسنے کے تین واقعات: جن میں سے ایک واقعہ مشرق میں دوسرا مغرب میں تیسرا جزیرۃ العرب میں پیش آئے گا۔

(۱۰) یمن میں آگ: اور سب سے اخیر میں یمن کی جانب سے ایک آگ اٹھے گی جو لوگوں کو سمیٹ کر محشر کی جانب لے جائے گی (بعض روایتوں میں اس آگ کے حجاز سے نکلنے کا ذکر ہے تو ممکن ہے کہ دونوں جگہ سے آگ نکل کر لوگوں کو سمیٹ دے اور یہ واقعہ اس وقت پیش آئے گا جب روئے زمین پر کوئی مسلمان باقی نہ رہے گا۔ (مسلم شریف مع اکمال المعلم لقاضی عیاض ۸/۴۴۲)

حضرت حذیفہ اسید رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت سے خاں صاحب کے پورے نظریہ کی ہوا نکل جاتی ہے۔ جب خود پیغمبر علیہ السلام نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی اصلاح فرمادی کہ جب تک یہ علامات نہ پائی جائیں تو قیامت نہیں آسکتی، تو اب کسی کو کیا مجال ہے کہ وہ ان واضح علامات کا انکار کرے؟ عقل حیران ہے کہ ایک شخص مسلمان ہو کر اتنی واضح، مضبوط اور مستند روایات کے انکار کی جسارت کیسے کر سکتا ہے؟ ہاں! اس ہمہ دانی کے زعم میں عقل پر پردے پڑ جائیں تو بات اور ہے۔

علاوہ ازیں بعض روایات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کبھی اچانک آنے والی آندھی سے متأثر ہو کر کسی صحابی کو قیامت کا گمان ہوا، تو جو اکابر صحابہ تھے انہوں نے اس کی برملا تردید فرمائی۔ دیکھئے خاں صاحب تو یہ کہہ رہے ہیں کہ صحابہ کو قیامت کی قریبی علامتوں کا کچھ پتہ نہ تھا، اور مسلم شریف کی اس روایت سے کیا پتہ چل رہا ہے؟ روایت کا ایک ٹکڑا املاحظہ کریں:

عَنْ يُسَيْرِ بْنِ جَابِرٍ قَالَ: هَاجَتْ رِيحٌ حَمْرَاءُ بِالْكُوفَةِ فَجَاءَ رَجُلٌ لَيْسَ لَهُ هِجِّيرىٰ إِلَّا يَا عَبْدَ اللّٰهِ	حضرت یسیر بن جابر کہتے ہیں کہ ایک دن کوفہ میں سرخ آندھی چلی تو ایک آدمی آیا جو صرف یہی رٹ لگائے جارہا تھا کہ ”اے عبداللہ ابن

بْـنَ مَسْـعُـوْدٍ جَـائَتِ السَّاعَةُ قَالَ فَـقَـعَـدَ وَكَـانَ مُتَّـكِـأً فَقَـالَ: إِنَّ السَّـاعَـةَ لَا تَـقُـوْمُ حَتّٰـى لَا يُقْسَمُ مِيْرَاثٌ وَلَا يُفْرَحُ بِغَنِيْمَةٍ الخ.

(مسلم شريف: ۲۸۹۹)

مسعود قیامت آ گئی''۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن مسعود جو ٹیک لگائے تھے وہ بیٹھ گئے اور فرمانے لگے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ میراث نہ تقسیم کی جائے اور نہ غنیمت حاصل کرنے سے خوشی ہو۔

اس کے بعد حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اخیر زمانہ میں ہونے والی عیسائیوں سے ایک خوں ریز جنگ کی تفصیلات پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے حوالہ سے بیان فرمائی، اور یہ فرمایا کہ یہ واقعہ عین دجال کے ظہور کے قریب پیش آئے گا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے طرز عمل اور وضاحت سے صاف معلوم ہوگیا کہ صحابہ کے درمیان علاماتِ قیامت اور اس کے متعلق پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی سچی پیشین گوئیوں کا پورا ریکارڈ تھا، اور یہ کہنا کہ صحابہ کو ان باتوں کا کچھ پتہ نہ تھا بالکل جھوٹ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام نے کوئی ضروری بات امت سے نہیں چھپائی اور آپ نے حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سبھی قابل ذکر باتوں سے آگاہ فرمادیا تھا، چناں چہ راز دار نبوت حضرت حذیفہ ابن الیمان رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

قَـامَ فِيْـنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَـقَاماً مَا تَـرَكَ شَيْـئاً يَـكُوْنُ فِيْ مَقَامِهٖ ذٰلِكَ اِلـىٰ قِيَـامِ السَّـاعَةِ إِلَّا حَدَّثَ بِـهٖ حَـفِظَهٗ مَنْ حَفِظَهٗ وَنَسِيَهٗ مَنْ نَسِيَهٗ قَدْ عَلِـمَـهٗ اَصْـحَابِيْ هٰؤُلَاءِ وَاِنَّهٗ لَيَـكُـوْنُ مِنَ الشَّيْئِ قَدْ نَسِيْتُهٗ فَأَرَاهُ فَـأَذْكُـرُهٗ كَـمَا يَذْكُرُ الرَّجُلُ وَجْهَ الـرَّجُلِ إِذَا غَـابَ عَـنْـهُ، ثُمَّ اِذَا

نبی اکرم ﷺ خطاب کے لئے کھڑے ہوئے اور آپ نے اس وقت سے لے کر قیامت تک تمام پیش آنے والے واقعات کو بیان فرمادیا، جس نے یاد رکھا اسے وہ باتیں یاد رہیں اور جو بھول گیا سو بھول گیا، اور میرے ساتھیوں نے ان باتوں کو جانا اور ان بیان کردہ باتوں میں سے کوئی چیز اگر میں بھول جاتا ہوں تو جب وہ بات سامنے آتی ہے تو مجھے یاد آجاتی ہے، جیسے کہ آدمی غائب

رَاٰهُ عَرَفَهٗ. (مسلم شریف: ۲۸۹۱، بخاری شریف: ٦٦٠٤، ابو داؤد شریف: ٤٢٤٠) غائب شخص کے چہرہ کو یاد رکھتا ہے پھر جب اسے دیکھتا ہے تو پہچان لیتا ہے۔

اس روایت میں کافی حد تک اس بات کی وضاحت کردی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم علاماتِ قیامت سے ہرگز بے خبر نہ تھے، اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جو مثال بیان کی اس سے صاف طور پر یہ معلوم ہوگیا کہ پیغمبر علیہ السلام کی بیان کردہ پیشین گوئیاں حقیقی تھیں، محض تمثیل وتشبیہ نہ تھیں، اور ان کا تمثیل ہونے کا دعویٰ قطعاً بے دلیل اور من گھڑت ہے

محدثین کرام پر بے ہودہ بہتان تراشی

اسی مضمون کے آخر میں ''خان صاحب'' نے اپنے سادہ لوح قارئین کو بدترین انداز میں دھوکہ دینے کی جسارت کرتے ہوئے اور اپنے غلط نظریہ کو مضبوط کرنے کے لئے محدثین کرام اور راویانِ حدیث پر ایسی بہتان تراشی کی ہے کہ اسے پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ ذرا خان صاحب کی ہرزہ گوئی ملاحظہ ہو:

''حقیقت یہ ہے کہ قربِ قیامت کی جو علامتیں حدیث کی کتابوں میں آئی ہیں وہ بجائے خود درست ہیں؛ لیکن بعد کے زمانہ کے ''قصاص'' نے اس میں پر عجوبہ باتوں کے اضافے کردئے، یہ اضافے چوں کہ عربی زبان میں تھے اس لئے لوگ ان کو اصل روایت میں کا حصہ سمجھنے لگے۔ اُس زمانہ میں کتاب کا رواج بہت کم تھا زیادہ تر باتیں زبانی طور پر دہرائی جاتی تھیں؛ اس لئے یہ اضافے نہایت آسانی کے ساتھ روایات کا جزء بن گئے''۔ (الرسالہ:۷)

درج بالا اس عبارت کو بار بار پڑھتے ہوئے اس کے ہر ہر لفظ سے انکارِ حدیث کی بدبو اٹھ رہی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ کسی مسلمان کے نہیں؛ بلکہ ''گولڈزیہر'' اور ''پروفیسر شاخت'' جیسے منکرین اسلام مستشرقین کے ہیں، اگر اس نظریہ کو درست مان لیا جائے تو دین کی ساری بنیاد ہی منہدم ہوجاتی ہے جو حدیث بھی کسی کو اپنے موقف کے خلاف نظر آئے گی وہ فوراً بلا دلیل اس کو قصہ گوئی قرار دے کر دامن جھاڑ لے گا اور مضبوط سے مضبوط تر روایت کو بیک جنبش قلم غلط قرار دے دے گا۔

مذکورہ جملوں میں خان صاحب نے محدثین کے بارے میں جو ہرزہ گوئی کی ہے وہ قطعاً جھوٹ اور غلط ہے، محدثین نے صحیح اور غلط احادیث کی چھان پھٹک اور معتبر اور ضعیف راویوں کے درمیان امتیاز قائم کرنے کا جو بے نظیر کارنامہ انجام دیا ہے، قیامت تک امت ان کا احسان ادا نہیں کرسکتی۔ اگر محدثین کرام اس عظیم فرض کو انجام نہ دیتے تو یہ دین ''خان صاحب'' جیسے کھلاڑیوں کے ذریعہ کب کا بازیچۂ اطفال بن گیا ہوتا، یہ دین ایسے ہی موفق من اللہ، حق نواز علماء راسخین کے دم سے باقی ہے جو دورِ نبوت سے آج تک حق نوازی کے لئے سرگرم ہیں اور جب تک ''اللہ، اللہ'' کہنے والے دنیا میں باقی رہیں گے، احقاق حق اور ابطال باطل کا فرض انشاء اللہ بتوفیق خداوندی ادا کیا جاتا رہے گا۔ وحید الدین خان صاحب جیسے لوگ ہزار ہرزہ سرائی کریں اس سے نہ حق مٹ سکتا ہے اور نہ حق نوازوں کی خدمات پر حرف آ سکتا ہے۔ امت کا سواد اعظم ایسے لوگوں کو پہلے بھی رد کرتا رہا ہے اور آئندہ بھی رد کرتا رہے گا، انشا اللہ تعالیٰ۔

(ندائے شاہی اگست ۲۰۰۸ء)

قرآنِ کریم کی بے حرمتی کے واقعات

اور ہمارا فرض

قرآن کریم کی بے حرمتی کے نام پر امریکہ نے سارے عالم کے مسلمانوں کو ذلیل کرنے کا جو سلسلہ شروع کیا ہے وہ رکنے کا نام نہیں لے رہا، اخبارات میں وقفہ وقفہ سے رپورٹیں شائع ہو رہی ہیں جن میں امریکی افسران یہ کہہ رہے ہیں کہ قرآن کی بے حرمتی کے واقعات تو پیش آئے ہیں مگر ہم ان پر کوئی معذرت یا افسوس ظاہر نہیں کریں گے، گویا کہ یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ ساری دنیا کے مسلمان دنیا کے چپہ چپہ پر سراپا احتجاج بن جائیں پھر بھی ہمارے کانوں پر جوں رینگنے والی نہیں ہے، اور ہماری شیطانی حرکتوں کو کوئی لگام دینے والا نہیں ہے۔

دوسری طرف مسلم عوام میں امریکہ سے نفرت کا لاوا پک رہا ہے لوگ سراپا احتجاج بن کر سڑکوں پر اترے ہوئے ہیں، احتجاجی مظاہروں اور مذمتی جلسوں کا جا بجا سلسلہ جاری ہے، امریکہ کے لئے دل کی گہرائیوں سے نکلنے والی بددعاؤں اور زبان پر جاری لعنتوں سے ماحول گرم ہے۔مگر اس المناک اور شرمناک واقعہ پر مسلم حکومتوں کا رویہ بجائے خود دور حاضر کا عظیم المیہ ہے ان حکومتوں نے اپنے عوام کو خوش کرنے کے لئے دبے دبے الفاظ میں بے حرمتی کے واقعات پر معمولی سی مذمت تو کی لیکن احتجاج میں کوئی مؤثر عملی قدم اٹھانے کی ہمت نہ کرسکیں، آج تک کسی مسلم حکومت کو سفارتی تعلقات منقطع کرنا تو دور رہا یہ جرأت بھی نہ ہوسکی کہ اپنے ملک میں متعین امریکی سفیر کو وزارت خارجہ میں طلب کر کے باقاعدہ پروٹوکول کے مطابق احتجاج درج کرایا جاتا۔اس بے حسی بے غیرتی اور مرعوبیت پر ماتم کے علاوہ اور کیا کیا جاسکتا ہے !

سوال یہ ہے کہ آج یہ کیفیت پیدا کیوں ہوئی؟ کہ ہر حکومت امریکہ کے نام سے تھرّا رہی

ہے، اور کوئی ملک اس کے خلاف رائے اپنانے پر تیار نہیں ہے اور ساری دنیا کے مسلمانوں کی آواز دشمن کے سامنے بالکل بے اثر اور بے وزن ہو کر رہ گئی ہے۔ حیرت ہے کہ دنیا کی جس قوم کے پاس 50 سے زیادہ ممالک کی زمامِ حکومت ہے اور دنیا کے اقتصادیات کی جان ''پٹرول'' کے عظیم ذخیرے جس کے کنٹرول میں ہیں، وہی قوم آج دنیا میں سب سے زیادہ کمزور اور بے وزن سمجھی جارہی ہے، ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ یہی قوم دنیا کی سپر طاقت ہوتی اور اس کے آگے بڑے بڑے جابروں کے کس بل ڈھیلے پڑ جاتے، جو قوم عدد میں آج سے ہزاروں گنا کم ہونے کے دور میں اپنی طاقت کا لوہا منوا چکی ہے، اور جس کی ایمانی غیرت کے سامنے قیصر و کسریٰ کی سینکڑوں سال کی حکومتوں کو دم توڑتے دیکھا گیا ہے آج وہی قوم دنیا میں سب سے زیادہ بے اثر آخر کیوں بن گئی؟ یہ وہ سوال ہے جس پر سنجیدگی سے سوچنے کی ضرورت ہے، بے شک جذبات اپنی جگہ، غم وغصہ کا اظہار بالکل درست، اسلام دشمنوں کی مذمت میں دینی حمیت کا جوش میں آجانا عین تقاضائے ایمان، لیکن ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ کیا محض یہی کافی ہے؟ کیا صرف امریکی ملعون صدر کے پتلے پھونکنے اور اس کو کوسنے سے کام چل جائے گا؟ —— نہیں ہرگز نہیں —— بات یہ ہے کہ ہم جب تک اپنے جذبات کو صحیح رخ نہیں دیں گے اس وقت تک دشمن اسی طرح سینہ سپر رہ کر ہمارا خون چوستا رہے گا، اور اس کے خلاف ہماری آوازیں صدا بصحراء ثابت ہوتی رہیں گی، آج جو حالات ہماری بدعملیوں کی نحوست سے پیدا ہوئے ہیں ان کے بارے میں ہمارے آقا فخر دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے ۱۴ سو سال پہلے خبردار کر دیا تھا، اور ہماری بے عزتی اور بے وقعتی کی وجوہات بھی بتا دیں تھیں تا کہ ہم ان چیزوں سے بچ کر اپنی قوم کو رسوائی سے بچانے کے لئے سرگرداں ہو جائیں، آپ نے حضرات صحابہؓ سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

يُوْشِكُ الْاُمَمُ اَنْ تَدَاعىٰ عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْاَكِلَةُ إِلىٰ قَصْعَتِهَا، فَقَالَ قَائِلٌ وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ؟	عنقریب دنیا کی قومیں تم (اہل اسلام) پر اس طرح پل پڑیں گی جیسے کہ کھانے والے پیالے پر پل پڑتے ہیں، یہ ارشاد سن کر کسی کہنے والے

قَالَ: بَلْ اَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيْرٌ، وَلٰكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ، وَلَيَنْزِعَنَّ اللّٰهُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ وَلَيَقْذِفَنَّ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمُ الْوَهْنَ، فَقَالَ قَائِلٌ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! وَمَا الْوَهْنُ؟ قَالَ: حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ.

(سنن أبوداؤد ۲/۵۹۰)

نے پوچھا کہ یہ حالت کیا اس وقت ہماری تعداد میں کمی کی وجہ سے ہوگی؟ تو آپ انے فرمایا کہ نہیں بلکہ اس وقت تم بہت بڑی تعداد میں ہوگے لیکن تمہاری حیثیت سیلاب میں بہکر آنے والے تنکوں کی طرح ہوجائے گی، اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب اور دبدبہ بالکل نکال دیں اور تمہارے دلوں میں ''وہن'' ڈالدیں گے، اس پر کسی شخص نے پوچھا کہ ''اے اللہ کے رسول وہن سے کیا مراد ہے؟ آنخضرت انے فرمایا کہ (اس سے دو چیزیں مراد ہیں؟) (۱) دنیا کی محبت (۲) موت کا ڈر۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ پیش گوئی آج اس طرح حرف بحرف صادق آرہی ہے گویا آپ نے یہ زمانہ دیکھ کر اس کے بارے میں خبر دی ہو، تمام دنیا کی قومیں اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں فکری اور عملی طور پر معاندانہ رویہ اپنائے ہوئے ہیں، آج عالم میں جو تنظیمیں اور حکومتیں حقوق انسانی کے تحفظ کے لئے کام کرتی ہیں ان کا واحد مقصد مسلمانوں کے علاوہ دیگر اقوام عالم کے حقوق کا تحفظ ہے، کسی غیر مسلم کے خلاف کہیں کوئی اجتماعی ظلم ہو تو یہ ادارے چیخ چیخ کر زمین آسمان ایک کر دیتے ہیں، لیکن پچاسوں سال سے دنیا کے مختلف خطوں میں مسلمان سرکاری دہشت گردی کا مسلسل شکار ہو رہے ہیں مگر ان اداروں کے کان پر جوں نہیں رینگتی، برما، فلپائن، چین، چیچنیا، روس، افغانستان، عراق، فلسطین، بوسینا، کوسووا، اور نہ جانے کتنے ممالک ایسے ہیں جہاں خون مسلم کی ارزانی ہے مگر ان کو روکنے کے بجائے یہ حکومتیں اور ادارے الٹا مجرموں اور قاتلوں کی پیٹھ تھپتھپانے کا کام انجام دیتے ہیں، یہی وہ حالت ہے جس کو حدیث بالا میں ''**يوشك الامم ان تداعى عليكم الخ**'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

صحابہ کرام جنھیں غزوۂ بدرواحداورخیبروحنین کے مناظر یاد تھے کہ انھیں اللہ تعالیٰ نے کیسے غیبی فتح ونصرت سے سرفراز فرمایا وہ یہ پیش گوئی سنکر حیرت زدہ رہ گئے کہ بھلا یہ کیسے ہوجائے گا کہ ساری قومیں مسلمانوں پر دائرۂ حیات تنگ کردیں اور مسلمان دیکھتے رہیں؟ اس لئے انھوں نے سوال کیا کہ کیا ہماری تعداد غیر معمولی حدتک کم ہوجائے گی کہ ہم دشمن کا جواب دینے کے بالکل اہل نہ رہیں گے؟ اس پر آنحضرت ﷺ کا یہ ارشادان کیلئے مزید حیرت انگیز تھا کہ اس وقت تم بڑی تعداد میں ہوگے اور واقعہ یہ ہے کہ آج کے دور کا جب دور نبوت سے موازنہ کیا جاتا ہے تو یہ ارشاد سوفیصد برحق ثابت ہوتا ہے کہ اُس وقت ساری دنیا میں مسلمانوں کی تعداد چندلاکھ سے زیادہ نہ ہوگی جب کہ آج یہ تعداد ڈیڑھ ارب کے قریب پہنچ چکی ہے اور دنیا کی آبادی کا تہائی فیصد حصہ صرف مسلمانوں پر مشتمل ہے، لیکن حالت یہ ہے کہ وہ چندلاکھ مسلمان کروڑوں پر بھاری تھے اور آج کے ایک ارب سے زیادہ آبادی والے مسلمان چند ہزاروں کے مقابلہ میں بھی بے بس ہیں، اس لئے کہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے بقول دشمنوں کے دلوں پر اہل ایمان کا جو قدرتی رعب تھا وہ آج ان کے دلوں سے نکل چکا ہے، خود مسلمانوں کے قلوب ایمانی صفات کے اعتبار سے کھوکھلے ہوچکے ہیں، اوران کے اندر دنیوی لذتوں، عیاشیوں اور دین کے لئے قربانی کے جذبہ سے محرومی کا گھن لگ چکا ہے جس کی بنا پر پوری قوم نالی کے تنکوں کی طرح بے وزن قرار دی جاچکی ہے۔

حالات میں تبدیلی کیسے ہو؟

یہ حالات بدلیں تو کیسے بدلیں؟ اورظلم وبربریت کی تاریکی چھٹے تو کیسے چھٹے؟ اس طرح کے سبھی سوالوں کا صرف ایک ہی جواب ہے کہ ''یہ امت اس ''عالم اسباب'' میں اپنے کو اللہ کی نصرت کا مستحق بنالے''، جس دن امت اپنے کو اس استحقاقی منصب پر فائز کرلے گی اسی لمحہ کایاپلٹ ہوجائے گی اوراہل اسلام سے کئے گئے خدائی وعدے پورے ہوجائیں گے، اللہ تعالیٰ کا صاف اعلان ہے :

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. (ال عمران ١٣٩)

اورسست نہ ہو اور غم مت کھاؤ اور تم ہی غالب ہوگے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

دوسری جگہ مزید وضاحت سے فرمایا :

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ، وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا. (النور : ٥٥)

اللہ نے وعدہ کرلیا ہے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک کام کئے ہیں کہ انھیں بعد میں ملک میں اسی طرح خلافت عطا کرے گا جیسا کہ حاکم بنایا تھا ان سے پہلے لوگوں کو، اور جما دے گا ان کے لئے انکا دین، جو ان کے واسطے پسند کردیا، اور دے گا ان کو ان کے ڈر کے بدلے میں امن۔

اور ایک جگہ اس طرح اطمینان دلایا :

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَايَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا، اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ . (ال عمران ١٢٠)

اور اگر تم صبر اور تقوی اختیار کرو تو کچھ نہ بگڑے گا تمہارا ان کے فریب سے، بے شک جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ کے بس میں ہے۔

مذکورہ تینوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت کا وعدہ مطلق نہیں ہے بلکہ چند شرطوں کے ساتھ مشروط ہے کہیں ایمان کی شرط ذکر کی گئی، اور کہیں ایمان کے ساتھ عمل صالح کو مشروط کیا گیا اور کسی جگہ دشمنوں کے مکائد سے بچنے کے دو کارگر نسخے (۱) صبر (۲) تقویٰ بتائے گئے، ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے اس میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں لیکن یہ وعدہ اسی وقت پورا ہوگا جب اس کی تمام شرطیں متحقق ہوجائیں۔

اس لئے آج امت کے سبھی عوام وخواص کو سب سے زیادہ اس بات کی فکر کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم میں وہ شرائط کیسے پیدا ہوں جن پر نصرت خداوندی کا وعدہ ہے افسوس کہ جب ہم اس بارے میں جائزہ لیتے ہیں تو نتیجہ انتہائی افسوسناک ظاہر ہوتا ہے۔

امت کی ایمانی حالت

ایمان پر پختگی کے اعتبار سے امت میں کوتاہیاں بڑھتی جارہی ہیں، جہاں ایک طرف

پسماندہ آبادیوں میں قادیانی اور عیسائی مشنریاں مادی ذرائع کے ذریعہ ایمان پر ڈاکہ زنی میں مشغول ہیں اور ایمان کمزوری کی وجہ سے بہت سے ناواقف مسلمان مرد وعورت ان تحریکات سے روز بروز متاثر ہورہے ہیں وہیں جدید تعلیم یافتہ طبقہ (جو بزعم خود اپنے کو ماڈرن اور روشن خیال تصور کرتا ہے) الحاد و دہریت کے نرغہ میں پھنستا جارہا ہے اس طبقہ میں آج کل ''انکار حدیث'' کا ملحدانہ اور کفریہ نظریہ تیزی سے پنپ رہا ہے، صحیح، مشہور اور متواتر حدیثوں کا بے تکان انکار اور اپنی ناقص عقل کے خلاف پڑنے والی نصوص صریحہ کی بے دردی سے تردید اس گروہ کا خاص مشغلہ ہے۔ علماء حق اور خدام دین کا بغض اس گروہ سے وابستہ افراد کے رگ وریشہ میں سرایت کئے ہوئے ہے، ان لوگوں کی مجلسیں، دین اور اہل دین کے بارے میں بدبودار تبصروں سے پُر رہتی ہیں، یہ لوگ علم ناقص کے باوجود اپنے کو ''عقل کل'' سمجھتے ہیں اور اپنے علاوہ سب کو کم فہم، اور قدامت پسند جیسے حقارت آمیز القاب سے یاد کرتے ہیں، ایسے ہی لوگوں کے بارے میں پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تھا :

يُوْشِكُ الرَّجُلُ مُتَّكِئاً عَلىٰ اَرِيْكَتِهٖ يُحَدِّثُ بِحَدِيْثٍ مِنْ حَدِيْثِىْ فَيَقُوْلُ: بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ كِتَابُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهِ مِنْ حَلَالٍ اسْتَحْلَلْنَاهُ وَمَا وَجَدْنَا فِيْهِ مِنْ حَرَامٍ حَرَّمْنَاهُ، اَلَا وَاِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلُ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ.

(سنن ابن ماجه عن المقدام بن معدی کربؓ ۳)

عنقریب وہ زمانہ آئے گا کہ آدمی تکیہ پر ٹیک لگائے بیٹھا رہے گا اور اس کے سامنے میری کوئی حدیث آئے گی تو وہ بولے گا کہ ہمارے تمہارے درمیان تو بس کتاب اللہ فیصل ہے اس میں جو ہمیں حلال ملے گا اسے ہم حلال سمجھیں گے اور جو حرام نظر آئے گا اسے حرام قرار دیں گے (آگے اس کی تردید کرتے ہوئے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا) سن لو! جس چیز کو رسول اللہ (ﷺ) حرام قرار دیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ چیز کے مثل ہے (یعنی پیغمبر علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے کسی شئی کی حلت وحرمت کا فیصلہ فرماتے ہیں اپنی طرف سے نہیں کرتے)

الغرض ایمان میں ناپختگی اس دور کا سب سے بڑا المیہ ہے، اسی کمزوری کی وجہ سے ہمارے دلوں میں دوسروں کی مرعوبیت سما گئی ہے اور خود ہم غیروں کی نظر میں بے وزن قرار پا گئے ہیں۔ جب تک ہمارا ایمان پختہ نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ اور اعتماد نہ ہوگا ﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ﴾ کے وعدہ کے مستحق نہیں بن سکیں گے؛ اس لئے اس جانب ہمیں پوری فکرمندی کرنے کی ضرورت ہے ہمارا ایمان اتنا مضبوط ہونا چاہئے کہ کوئی لالچ یا دھمکی ہمیں متزلزل نہ کر سکے، اور کسی شخص یا افراد کی طرف سے پیش کردہ کوششیں ہماری ایمانی قوت پر کسی بھی درجہ میں اثر انداز نہ ہوسکیں، اللہ تعالیٰ ہماری بھرپور حفاظت فرمائیں۔ آمین۔

امت کی عملی واخلاقی حالت زار

ایمانی کمزوریوں کے ساتھ امت کا اخلاقی انحطاط اور اعمال خیر سے غفلت بھی کچھ کم خطرناک نہیں ہے، بالخصوص نوجوان نسل جس ڈگر پر جارہی ہے وہ راستہ عافیت کا نہیں بلکہ تباہی اور بربادی تک پہنچانے والا ہے، آج پورے عالم پر نظر ڈال کر دیکھ لیں کون سی ایسی خرابی اور کونسا ایسا گناہ ہے جو امت میں نہیں پایا جارہا، مسجدیں نمازیوں سے خالی ہیں، زکوۃ کی شرعی اصول کے مطابق ادائیگی میں کوتاہی ناقابل بیان ہے، مالی معاملات میں سود، جوا، سٹہ، رشوت اور چوری غصب اور حق تلفیاں عام ہیں، امانت و دیانت کا فقدان ہے، مردوں اور عورتوں کی بے حیائی عروج پر پہنچی ہوئی ہے، فحش گانوں اور عریاں فلموں کو فیشن کا حصہ بنالیا گیا ہے، اچھے اچھے گھرانوں سے شرم وحیا اور غیرت کا جنازہ نکل چکا ہے، حد تو یہ ہے کہ شراب جیسی ام الخبائث لعنت نے مسلم معاشرہ میں جڑ پکڑلی ہے، یہی وہ سب بدعتیں ہیں جن کے بارے میں پیغمبر علیہ السلام نے پہلے ہی آگاہ کردیا تھا، کہ جب یہ چیزیں امت میں آئیں گی تو امت اللہ کی رحمت سے دور ہوجائے گی، اور امتحان و آزمائش اور عذاب میں گرفتار ہوجائے گی۔

تو ذرا سوچیں! جب تک معاشرہ ان گھناؤنی خرابیوں میں مبتلا رہے گا اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت کیسے آئے گی؟ ہمیں اگر عزت وعافیت چاہئے تو ایک مؤمن ہونے کے لحاظ سے ہمیں سب

سے پہلے ان خرابیوں کو معاشرہ سے ختم کرنے کے لئے محنت کرنی ہوگی، اس کے بغیر کامیابی کا تصور محض بھول ہے، اسباب ظاہری بھی بیشک اختیار کرنے چاہئیں لیکن صرف ان پر تکیہ کرنا ایمانی شان کے خلاف ہے، حسب استطاعت اسباب اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کی نصرت کے حصول کی فکر کرنی چاہیے تبھی اسباب ظاہری ہمارے حق میں موثر اور معین ثابت ہوسکیں گے۔

قرآن سے محبت کا دعویٰ سچا ثابت کریں

بیشک آج امت قرآن مقدس کی بے حرمتی کے واقعات سے بے چین اور بے قرار ہے، اور ہونی بھی چاہیے، لیکن قرآن سے تعلق کا یہ دعویٰ اسی وقت سچا سمجھا جائے گا جب ہم قرآن کریم سے اپنا رشتہ پہلے سے زیادہ مضبوط کرلیں، قرآنی تعلیمات ہماری زندگی میں اتر جائیں، قرآن کریم کی تلاوت وتکرار کی بابرکت آوازوں سے ہمارے گھر معمور ہوجائیں ہم میں کا بچہ بچہ قرآن کریم کا دیوانہ ہوجائے، اور اسے طاقوں پر سجانے کے بجائے اپنے سینوں میں سمالے، ہمارے ایمان وعمل میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے جذبۂ ایمان وعمل کی جھلک دکھائی دینے لگے، آج قرآن کی بے حرمتی پر جو جلسے اور مظاہرے ہورہے ہیں ان میں اس اصلاحی پہلو کو اجاگر کرنے کی سخت ضرورت ہے، تا کہ یہ احتجاج محض شور شرابے اور لعن طعن اور کوسنے تک محدود نہ رہ جائے بلکہ اس میں شریک ہونے والے افراد ایک عملی پیغام لیکر لوٹیں، اور ابھی تک ہم خود قرآن کریم کی جس طرح حق تلفی کرتے آئے ہیں اس پر ندامت کا احساس ہو اور ہمارے ہر طبقہ میں قرآن کریم کی قدر دانی اور حق کی ادائیگی کا جذبہ بیدار ہو، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہماری ہر سطح پر اصلاح فرمائے، اور ہمیں اسباب نصرت اختیار کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔

(ندائے شاہی جولائی ۲۰۰۵ء)

محتاط رہنے کی ضرورت

پیغمبر آخر الزماں امام الانبیاء والمرسلین، سید الاولین والآخرین سیدنا ومولانا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا اس امت پر یہ عظیم الشان احسان ہے کہ آپ نے قیامت تک پیش آنے والے ان حالات کی طرف امت کی رہنمائی فرمادی ہے جن سے یہ امت دوچار ہوگی، اور ساتھ میں اس وقت کی ذمہ داریوں کو بھی صاف صاف ارشاد فرمادیا ہے، مثلاً سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

بَادِرُوْا بِالْأَعْمَالِ فِتَناً كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِناً وَيُمْسِيْ كَافِراً وَيُمْسِيْ مُؤْمِناً وَيُصْبِحُ كَافِراً، يَبِيْعُ دِيْنَهُ بِعَرْضٍ مِنَ الدُّنْيَا.

(مسلم شریف مشکاۃ شریف ٤٦٢/٢)

اندھیری رات کے ٹکڑوں کے مانند سنگین فتنوں کی آمد سے پہلے پہلے اپنے اعمال انجام دے لو (کیوں کہ جب وہ فتنے آئیں گے تو حال یہ ہوگا کہ) آدمی ایمان کی حالت میں صبح کرے گا اور شام کو کافر ہوجائے گا، اور کبھی شام کو مؤمن ہوگا اور صبح تک کافر ہوجائے گا، اور دنیا کے معمولی سامان کے بدلے میں اپنا دین بیچ ڈالے گا۔

اس طرح کے حیران کن فتنے امت میں پہلے بھی آتے رہے ہیں، اور آئندہ بھی آتے رہیں گے، اسی سلسلہ کا ایک تازہ فتنہ وہ تھا جو مبینہ طور پر زیادتی کی شکار ایک عورت سے ہمدردی کی آڑ میں گذشتہ مہینہ ذرائع ابلاغ کے توسط سے پورے ملک کے دل ودماغ پر چھایا رہا، اور ابھی تک اس کے سلگنے کا دھواں اٹھ رہا ہے، پورے قومی پریس نے (جو مسلمانوں کی فلاح کے بارے میں چند لائن کی خبریں چھاپنے میں بھی بخل سے کام لیتا ہے) اپنی توانائیاں اس موضوع پر اس طرح صرف

کردیں کہ معلوم ہورہا تھا کہ شاید اس وقت ملکی اور قومی سلامتی کا مدار اسی مسئلہ کے حل سے وابستہ ہوگیا ہے، روز لمبے لمبے آرٹیکل اور مراسلات ملک کے اخبارات میں چھپ رہے تھے اور دن رات ٹی وی چینلوں پر مباحثوں اور مذاکروں کا سلسلہ جاری تھا اور محض مفروضات اور جعلی اور من گھڑت باتوں کو حقائق کا روپ دے کر ان کی آڑ میں مذہب اسلام اور علماء اسلام پر پھبتیاں کسنے اور انہیں مطعون کرنے کی ناپاک کوششیں کی جارہی تھیں، غیر تو غیر رہے سستی شہرت کے حصول اور میڈیائی ذوق کی تسکین کے لئے بہت سے لبرل مسلمان جو اپنی ہمہ دانی کے دعویٰ کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے اپنی دانشوری بگھارنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتے ایسے لوگوں کی بھی خوب بَن آئی تھی، اور اسی دوران ''لا مذہبی فرقہ'' نے بھی موقع غنیمت جان کر اپنے پسندیدہ خواب - یعنی ترک تقلید یا بالفاظ دیگر معجون مرکب اسلام - کا راگ الاپنا شروع کردیا تھا، اور ان کے اس اقدام کی لبرل طبقہ اور بعض ناواقف عوام کی طرف سے بڑی واہ واہی بھی شروع ہوچکی تھی مگر وہ تو کہئے کہ خیر ہوئی کہ:

(۱) اولاً تمام علماء احناف بلا امتیاز دیوبندی و بریلوی اس بات پر بیک آواز ہوگئے کہ ''خسر کی طرف سے بہو پر زیادتی شرعی طور پر ثابت ہونے کے بعد اس بہو کا اپنے شوہر پر حرام ہونے کا مسئلہ اپنی جگہ طے شدہ ہے، اس میں ترمیم یا لچک کی گنجائش نہیں ہے''۔

(۲) دوسرا طمانچہ مفتیان اسلام کو مطعون کرنے والوں پر یہ پڑا کہ خود زیادتی کا شکار ہونے والی خاتون نے برسرعام پردہ میں رہ کر یہ اعلان کیا کہ ''مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا جائے اور میں شریعت کے حکم ہی کو مانوں گی''۔ اُس کے اِس برملا اعلان سے عورتوں کے حقوق کی دہائی دینے والی تمام تنظیمیں کھسیا کر رہ گئیں، اور سب کو اس بات کا اندازہ ہوگیا کہ ہزار کمزوریوں کے باوجود ابھی تک مسلم عوام کے دلوں کی گہرائیوں میں شریعت کا احترام اور فتاویٰ کی عظمت باقی ہے، اور مسلسل منفی پیروپیگنڈوں کے باوجود اس پر کوئی اثر نہیں پڑا ہے۔

سزا نہیں دوا!

تاہم اس بحث نے اپنے پیچھے لوگوں کے دلوں میں کچھ شکوک وشبہات چھوڑے ہیں جن کی

صفائی ضروری معلوم ہوتی ہے۔ایک شبہ بڑی شد و مد کے ساتھ اٹھایا جارہا ہے کہ ”زیادتی خسر نے کی ہے اس کو سزا نہ دے کر بہو یعنی بیٹے کی بیوی کو سزا دی گئی اور اسے شوہر اور بچوں سے محروم کر دیا گیا“، حالاں کہ یہ شبہ محض مغالطہ ہے، بات یہ ہے کہ یہاں معاملہ سزا کا نہیں بلکہ دوا کا ہے،اس ملک میں کوئی بھی دارالافتاء کسی بھی شخص کو سزا دینے کا حق نہیں رکھتا کیوں کہ جرائم پر سزا دینے کا اختیار قوت نافذہ رکھنے والی اسلامی حکومت کو ہوتا ہے، پرائیویٹ جماعتوں اور اداروں کو اس کا حق نہیں دیا جاتا، اس لئے زیر بحث معاملہ میں دارالافتاء خسر، بہو اور اس کے شوہر کو کوئی سزا دینے کا حق ہی نہیں رکھتا، اور نہ اس نے اپنی طرف سے کسی کو سزا دی ہے، لیکن چوں کہ اسلام دین فطرت ہے اور انسانی اقدار کا تحفظ اہل اسلام کا مذہبی فریضہ ہے اس لئے دارالافتاء ایسے مبینہ شرم ناک واقعات پر بطور دوا وعلاج رہنمائی کر سکتا ہے،اور زیر بحث معاملہ میں زیادتی کی شکار بہو کو اپنے شوہر سے علیحدگی اختیار کرنے کا مشورہ دے کر دارالافتاء نے اسے سزا نہیں دی بلکہ دوا دی ہے، یہ دوا کڑوی ضرور ہے لیکن نتائج کے اعتبار سے بڑی پُر تاثیر ہے،اس سے جو اہم منافع حاصل ہوتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

الف: جانور اور انسان کے جنسی تعلقات میں فرق ہی یہ ہے کہ جانوروں میں جنسی انتفاع کے لئے رشتوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی، جب کہ انسانیت کا امتیاز یہ ہے کہ وہ جنسی تسکین کے وقت بھی انسانی رشتوں کو پامال نہیں ہونے دیتا۔اگر کسی شخص کو اپنے باپ کی استعمال کردہ عورت سے انتفاع کی اجازت دی جائے گی تو یہ انسانیت کی توہین ہوگی،اس کا علاج یہ ہے کہ ایسی عورت دونوں سے دور ہو کر باعزت زندگی گذارے تاکہ ازدواجی زندگی کی حلت میں کوئی شبہ باقی نہ رہے۔

ب: دوسرا فائدہ عورت کو یہ حاصل ہوگا کہ وہ ایسے پر خطر ماحول سے آزاد ہو جائے گی جہاں اس کی عزت وعفت محفوظ نہ ہو۔

ج: تیسرا اہم ترین فائدہ پورے معاشرہ کے لئے یہ ہوگا کہ اس عورت کے اس جگہ سے ہٹ جانے کی وجہ سے ان چہ می گوئیوں کا سلسلہ ختم ہو جائے گا جو اس عورت کے وہاں رہنے سے جاری رہ سکتی تھیں،اور ایسے شرم ناک واقعہ پر تبصروں کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

اس لئے اس مسئلہ کو سزا کی حیثیت سے نہیں بلکہ دوا کی حیثیت سے دیکھنا چاہئے۔ رہ گئی سزا کی بات تو وہ اسلامی حکومت کی قانونی کارروائی پر موقوف ہے، اگر اسلامی حکومت کے پاس زنا کے شرعی ثبوت مہیا ہو جائیں تو شادی شدہ مرد وعورت پر سنگ ساری کی سزا جاری ہوتی ہے البتہ اگر عورت مجبور کردی جائے تو اس پر سزا جاری نہیں کی جاتی۔ تو سزا میں تو عورت پر جبر واکراہ کی رعایت سے حکم میں تخفیف کی گئی ہے، لیکن جہاں معاملہ اصل علاج کا ہے وہاں اس طرح کی بے جا ہمدردی کی اجازت اور گنجائش نہیں دی جاسکتی۔

آئندہ کے لئے سبق

اس معاملہ میں حادثہ پر حادثہ یہ ہوا کہ میڈیا نے اسے اس انداز میں ایک دم سے اچھال دیا کہ گویا زیادتی کے الزام کی صداقت بالکل واضح ہو چکی ہو اور یہ پیروپیگنڈہ اس شدت سے اور اس قدر شاطرانہ انداز میں کیا گیا کہ سننے پڑھنے اور دیکھنے والوں کے ذہن میں شروع میں یہ بات آئی ہی نہیں کہ ذرا جائے واردات پر جاکر دیکھیں تو سہی کہ حقیقت کیا ہے؟ بلکہ سب لوگ ذرائع ابلاغ کے ذریعہ آمدہ باتوں پر آنکھ بند کرکے اعتماد کرتے رہے، اور اسی کے مطابق اپنی رائے کا اظہار کرتے رہے۔ اسی درمیان فرضی سوال بنا کر دارالعلوم دیوبند سے فتویٰ حاصل کرلیا گیا، دارالعلوم دیوبند نے سوال کے مطابق جواب جاری کردیا، خود دارالعلوم کے مؤقر مفتیان کرام کو بھی یہ اندازہ نہ ہوگا کہ یہ معاملہ اس قدر اہم بن جائے گا ورنہ وہ جلدی فتویٰ جاری نہ کرتے بلکہ قریبی علاقہ میں واقع گاؤں میں ایک کمیٹی بھیج کر معاملہ کی تحقیق کراتے اس کے بعد اس موضوع پر قلم اٹھاتے۔ اگر یہ تحقیق شروع میں ہو جاتی کہ زیادتی کے الزامات مشکوک ہیں (جیسا کہ بعد میں ثابت ہوا) تو یقیناً بحث کا رخ تبدیل کیا جاسکتا تھا، اور آگے بڑھتی ہوئی بحث کو وہیں لگام دی جاسکتی تھی۔

یہ صحیح ہے کہ دارالافتاء کا کام معاملہ کی تحقیق نہیں ہے، یہ کام دارالقضاء کا ہے لیکن اب حالات کی نزاکت نے تجربات کی روشنی میں یہ باور کرادیا ہے کہ ایسے نازک معاملات جن کو غلط رخ دیا جاسکتا ہو ان میں ہندوستان جیسے ممالک میں دارالافتاء کو دارالقضاء کی ذمہ داری بھی نبھانی

چاہئے۔تاکہ شر پسند لوگ بعد میں فتویٰ کو مذاق کا موضوع بنا کر اسلام کو بدنام نہ کرسکیں، اس وقت بہت بیدار مغزی اور نہایت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، اور بالخصوص جو معاملات زوجین کے ازدواجی رشتوں سے متعلق ہوں ان میں جب تک صاحب معاملہ خود سوال نہ کرے اس کا جواب نہیں دینا چاہئے۔اوراس میں جہاں تک تحقیق ممکن ہواس کی تکمیل کے بعد ہی جواب لکھنا چاہئے۔ ایسی صورتوں میں اگر مگر یا شرائط لگا کر فتویٰ دینا بھی خطرہ سے خالی نہیں ہوتا کیوں کہ شرائط حذف کر کے فتویٰ کو اپنے مزعومہ واقعہ پر منطبق کر دیا جاتا ہے جیسا کہ حالیہ واقعہ میں ہوا۔

بہر حال اس واقعہ نے ہمیں سبق دیا ہے کہ ہم دین کے تحفظ کے لئے ہر وقت حالات سے باخبر رہیں اور قدم قدم پر احتیاط سے کام لیں، اور اپنی طرف سے دشمنوں کو کوئی ایسا موقع فراہم نہ کریں جس سے وہ غلط فائدہ اٹھا سکیں، اللہ تعالی امت کو ہر قسم کے شرور وفتن سے محفوظ رکھے اور استقامت نصیب فرمائے۔آمین۔

(ندائے شاہی اگست ۲۰۰۵ء)

اور اَب شرعی عدالتوں پر نظر

گذشتہ دنوں مفاد عامہ کی ایک درخواست پر کارروائی کرتے ہوئے سپریم کورٹ نے دارالعلوم دیوبند، مسلم پرسنل لاء بورڈ اور ریاستی ومرکزی سرکاروں کے نام نوٹس جاری کردیا، درخواست گذار نے شرارت آمیز انداز میں یہ الزام لگایا تھا کہ ''شرعی عدالتوں کے نام پر ملک میں سرکاری عدالتوں کے متوازی ایک الگ نظام چلایا جارہا ہے جس میں عوام کی بالخصوص عورتوں کی بڑی حق تلفی کی جارہی ہے''۔ پھر اس نے مطالبہ کیا تھا کہ ''دارالقضاء اور دارالافتاء پر پابندی لگادینی چاہئے اور دینی اداروں کو پابند کرنا چاہئے کہ وہ اپنے یہاں مفتیوں کو ٹریننگ نہ دیں''۔

درخواست گذار کے الزامات بادی النظر میں حقیقت کے بالکل خلاف اور واقعہ کے بالکل برعکس تھے، اس لئے کیا اچھا ہوتا کہ یہ درخواست قابل اعتناء ہی نہ سمجھی جاتی اور اسے پہلی فرصت میں ردکردیا جاتا جیسا کہ دیگر فضول اور لغو درخواستوں کو روز سپریم کورٹ رد کرتا رہتا ہے۔ لیکن نہ جانے کس مصلحت سے سپریم کورٹ کی خصوصی بنچ نے اس شرانگیز درخواست پر کارروائی کو ضروری سمجھا، بہرحال اب چوں کہ یہ غیر ضروری بحث میڈیا کے توسط سے عوام وخواص کی گفتگو کا موضوع بن چکی ہے، اس لئے ضروری ہے کہ پوری سنجیدگی، حاضر دماغ اور مکمل تیاری کے ساتھ نہ صرف عدالت عالیہ؛ بلکہ پورے ملک کو یہ باور کرایا جائے کہ شرعی عدالتوں کے سرکاری عدالتوں کا متوازی قرار دینا محض شرانگیزی ہے اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اس لئے کہ:

الف: ہندوستان میں کہیں بھی کسی شرعی عدالت کو قوتِ نافذہ حاصل نہیں ہے، اور نہ اس کا فیصلہ جبراً کسی پر نافذ ہوسکتا ہے، جب ان عدالتوں کو اپنے فیصلہ کے نفاذ کی قوت حاصل نہیں ہے تو وہ قوت نافذہ رکھنے والے عدالتی نظام کے متوازی کیسے ہوسکتی ہیں؟

ب: ہندوستان میں شرعی عدالتیں فوج داری تعزیرات یا دیوانی کے ایسے مقدمات جن کی تعمیل ونفاذ کے لئے قوت کی ضرورت پڑتی ہے، ہاتھ میں نہیں لیتی ہیں اور نہ لینے کی مجاز ہیں بلکہ ان کا فیصلہ صرف مسلم پرسنل لاء (اسلامی خصوصی عائلی قوانین) تک محدود رہتا ہے اور اس طرح کے معاملات میں دستوری اعتبار سے خود عدالت عالیہ بھی ملکی قانون کی نہیں بلکہ مسلمانوں کے مذہبی قانون کی پابند ہے، ورنہ مذہبی آزادی کا کوئی مطلب ہی نہ رہے گا، اسی بناپر شرعی عدالتوں میں جو مقدمات فیصل ہوتے ہیں اگران کے بارے میں سرکاری عدالتوں سے کوئی فریق رجوع کرتا ہے تو عام طور پر عدالتیں شرعی فیصلہ کی تصدیق وتائید کرنے پر مجبور ہوتی ہیں، اس لئے کہ شرعی عدالتوں کے فیصلے دستور میں دی گئی مذہبی آزادی کے موافق ہوتے ہیں۔ لہٰذا شرعی عدالتیں معاشرتی مسائل کا نپٹارا کر کے مروجہ عدالتوں کے بوجھ کو کم کرنے میں معاون بنتی ہیں۔ حکومت کو ان کا شکر گذار ہونا چاہئے اور انہیں آئینی حیثیت دینی چاہئے، تاکہ آسانی کے ساتھ متعلقہ فریقوں کو جلد انصاف مل سکے، اسی بناپر مسلمان عرصہ دراز سے ''قاضی ایکٹ'' منظور کرنے کا مطالبہ کرتے آرہے ہیں۔

ج: جن معاملات کا تعلق عائلی قوانین سے نہیں ہے ان میں اگر شرعی عدالت کوئی مسئلہ حل کرتی ہے تو پہلے فریقین سے اسٹامپ پر یہ اقرار نامہ جمع کراتی ہے کہ وہ فیصل کی حیثیت سے شرعی عدالت کے فیصلہ کو مانیں گے۔ یہ بعینہ وہی شکل ہے جسے ''پنچایتی راج'' کی شکل میں حکومت رائج کرنا چاہتی ہے، اور ساری دنیا میں فریقین کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنا نزاعی معاملہ حل کرنے کے لئے آپسی رضامندی سے کسی کو بھی حکم اور پنچ بنا کر سلجھالیں اور اس نظام کو کہیں بھی عدالتی نظام کے معارض نہیں سمجھا جاتا، اس لئے شرعی عدالتوں کو بھی اسی تناظر میں دیکھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔

د: ہر مذہب میں نکاح طلاق وغیرہ کے بارے میں اپنے اپنے مخصوص مسائل ہیں، جن کو ان کے مذہبی سربراہ ہی حل کرتے ہیں۔ مثلاً ہندوؤں کے پنڈت اور سکھوں کے جتھے دار وغیرہ اور عیسائیوں کے یہاں تو اس بارے میں کلیساؤں میں باقاعدہ کمیٹیاں بنی ہوئی ہیں، جو معاشرتی نزاعات کا نپٹارا کرتی ہیں، اور صدیوں سے یہ سلسلہ چل رہا ہے لیکن آج تک کسی نے انہیں سرکاری عدالت کے متوازی قرار نہیں دیا پھر سارا نزلہ شرعی عدالتوں پر ہی گرنے کی کیا وجہ ہے؟

۵: حیرت کی بات یہ ہے کہ شرعی عدالتوں پر اعتراض ایسے ملک میں کیا جارہا ہے جہاں کا سرکاری عدالتی نظام غیر معمولی طور پر سست روی کا شکار ہے، جہاں ایک ایک مقدمہ کے تصفیہ میں برسوں لگ جاتے ہیں اور جہاں برسرعام رشوت خوری کے چلن نے انصاف کا گلا گھونٹ رکھا ہے۔ خود سرکاری ادارے اور غیر جانب دار تبصرہ نگاران حالات کو تشویش کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی مدظلہ العالی نے جمعیۃ علماء ہند کے اٹھائیسویں اجلاس عام کے خطبہ صدارت میں ملکی عدالتوں کے تشویش ناک حالات سے پردہ اٹھائے ہوئے فرمایا تھا:

''جون ۲۰۰۴ء میں راجیہ سبھا میں مرکزی وزیر مملکت برائے قانون، کے وینکٹ پتی نے بتایا تھا کہ صرف ہائی کورٹوں میں تین لاکھ سے زیادہ برائے سماعت مقدمات کی تعداد ہے، مجھے یاد پڑتا ہے کہ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس اے احمدی نے بھی ایسے ہی بڑی تعداد برائے سماعت مقدمات کی بتائی تھی۔ مختلف ذرائع سے اس سلسلہ میں جو حقائق سامنے آئے ہیں وہ بڑے ہی چونکانے والے ہیں، ملک کی عدالتوں میں برائے سماعت مقدموں کی تعداد تین کروڑ ہے، زیر غور قیدیوں پر ہر سال ۴۰۰/کروڑ روپے خرچ ہورہے ہیں، اور آبادی کا ۱۰/فیصد، مقدمات میں الجھا ہوا ہے۔ ہائی کورٹ میں ایک جج کے حصہ میں یومیہ ۱۰۰/مقدمات آتے ہیں، ملک کی ۱۲۳۷۸/ضلعی اور نچلی عدالتوں میں دو کروڑ برائے سماعت مقدمات کو دیکھتے ہوئے ہی اپریل ۲۰۰۱ء میں ''فاسٹ ٹریک کورٹوں'' کا قیام عمل آیا تھا، جس کا مقصد یہ تھا کہ دو سال یا زیادہ عرصے سے برائے سماعت معاملوں کا فوری نپٹارا ہو، تاکہ عام آدمی کو متعینہ وقت میں انصاف مل سکے، لیکن اس مقصد میں کامیابی نہیں مل سکی، چار سال میں ۱۲/لاکھ ۵۸/ہزار میں سے ۶/لاکھ یعنی ۵۰/فیصد مقدمات ہی کا نپٹارا ہوسکا ہے۔ عدالتوں میں برائے سماعت مقدمات کا انبار ایک سنگین معاملہ ہے، سپریم کورٹ نے ۲۰۰۲ء کے اپنے فیصلہ میں مرکزی سرکار کو ہدایت دی تھی کہ پانچ سال کے اندر فی ۱۰/لاکھ افراد پر ججوں کی تعداد ۵۰ کردینی چاہئے، ساتھ ہی سپریم کورٹ نے ضلع عدالتوں میں ججوں کی خالی جگہوں کو پر کرنے کی ہدایت دی تھی لیکن افسوس کہ کوئی کام آگے نہیں بڑھ سکا، فی الحال ۱۰/لاکھ افراد پر

ججوں کی تعداد ۱۵ کے قریب ہے۔ ایسی صورت حال میں فوری انصاف مہیا کرانے اور برائے سماعت مقدمات کے انبار کو کم نہیں کیا جاسکتا ہے، جتنے مقدمات فیصل ہوتے ہیں ان سے کہیں زیادہ پھر آجاتے ہیں''۔(خطبۂ صدارت ۱۸-۱۹)

تو جس ملک میں عدلیہ کا یہ حال ہو وہاں شرعی عدالتوں کے کام کاج کی اور حوصلہ افزائی کی جانی چاہئے تاکہ ان کے ذریعہ سے ملکی عدالتوں پر بوجھ کم ہو اور یہ عدالتیں قومی توانائی کو بچانے میں اہم کردار ادا کریں، نہ یہ کہ ان کی افادیت کا انکار کر کے ایک نئے فتنہ کا دروازہ کھولا جائے اور محض تعصب کی بنا پر ملک کو ایک غیر ضروری بحث میں الجھا دیا جائے۔

و: درخواست گذار نے دارالقضاء کے ساتھ دارالافتاء کو بھی ملکی نظام عدالت میں خلل اندازی کا ذمہ دار قرار دینے کی کوشش کی ہے، اور اس بارے میں حالیہ ''عمرانہ کیس'' کا حوالہ دیا ہے، حالاں کہ فتوی کا اس معاملہ میں ملکی عدلیہ سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہے، کیوں کہ اس فتوی نے عدلیہ کو کسی بھی فریق کے ساتھ کوئی بھی کارروائی کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی، بلکہ برابر یہی کہا جاتا رہا کہ اگر مبینہ طور پر خسر ملزم ہے تو عدالت کی طرف سے اس کے خلاف قانونی تادیبی کارروائی کی جائے۔ مگر کارروائی خود نہیں کی اور خواہ مخواہ فتویٰ کو رکاوٹ ڈالنے کا ذمہ دار قرار دے دیا، اس سے بڑا جھوٹ اور فراڈ کیا ہوسکتا ہے، اور رہ گیا کسی عورت کا کسی وجہ سے اپنے شوہر کے لئے حلال رہنے یا نہ رہنے کا مسئلہ تو اس سلسلہ میں عدلیہ کا کوئی رول نہیں ہے اس کے متعلق صرف اور صرف مذہب کی اتھارٹی ہی رائے دینے کا حق رکھتی ہے، اور اسی حق کے اعتبار سے عمرانہ معاملہ میں فتوی کے ذریعہ رائے ظاہر کی گئی تھی، جو دستور یا ملکی قانون کسی کے مخالف نہیں ہے، پھر اس پر واویلا کیوں ہے؟

ز: پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ فتوی کا تعلق صرف مسلمانوں کی ذاتی زندگی سے ہوتا ہے کسی اور فرقہ والوں پر کوئی فتویٰ لاگو نہیں کیا جاتا، تو پھر ٹکراؤ کا کوئی مطلب ہی نہیں۔ ہر مذہب سے وابستہ شخص جب اپنے مذہب کے مطابق زندگی گذارنے میں آزاد ہے تو مسلمان کو یہ حق کیوں نہیں کہ وہ فتویٰ پوچھ کر اس کے مطابق زندگی گذارے؟ مثال کے طور پر اگر یہ فتویٰ دیا جاتا ہے کہ

مسلمان عورت پردہ میں رہ کر زندگی گذارے، اور تعلیمی، معاشی یا سیاسی سرگرمیاں انجام دیتے وقت بے پردہ نہ ہو تو آخر اس فتویٰ میں نقصان کیا ہے کہ اس پر واویلا مچایا جائے؟ یہ فتویٰ نہ تو قانون کے خلاف ہے اور نہ کسی دوسرے فرقہ سے اس کا کوئی تعارض ہے، پھر اعتراض کے کیا معنی؟۔

دراصل یہ اعتراضات تنگ ذہنی اور نفرت انگیزی پر مبنی ہیں، بہتر ہے کہ عدالت عالیہ ان منفی کوششوں کی حوصلہ افزائی نہ کرے تاکہ ملک میں انصاف، مذہبی رواداری اور امن وامان کا بول بالا رہے، مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ وہ جذبات کے بجائے سنجیدگی کے ساتھ اس صورت حال کا مقابلہ کریں، اور ہر سطح پر اپنا معتدل موقف واضح کرنے کی سعی جاری رکھیں۔

(احوال وکوائف ستمبر ۲۰۰۵ء)

مسلم پرسنل لاء کیلئے خطرہ کون؟

۱۷رنومبر ۲۰۰۵ء کے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ دارالعلوم کھر گون (مدھیہ پردیش) کے مفتی محمد رفیق قاسمی صاحب کو ایک فتویٰ کی پاداش میں گرفتار کر کے ضمانت پر رہا کر دیا گیا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک مسلمان عورت جو کئی سالوں سے اپنے شوہر سے الگ رہ رہی تھی اس نے شوہر کی مرضی کے بغیر سرکاری عدالت سے طلاق حاصل کر کے دوسرے شوہر سے نکاح کر لیا تھا۔ پہلے شوہر نے مفتی صاحب موصوف سے مسئلہ پوچھا کہ کیا اس طرح طلاق حاصل کر کے میری بیوی کا دوسری جگہ نکاح کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ مفتی صاحب نے صورتِ حال کا جائزہ لے کر جواب دیا کہ ''چوں کہ شوہر کی طرف سے طلاق نہیں دی گئی، اور فسخ وتفریق کے لئے شرعی راستہ نہیں اپنایا گیا (جس میں ضروری ہے کہ فسخِ نکاح کا فیصلہ کرنے والا شخص مسلمان ہو جو شرعی اصولوں کے مطابق تفریق کرے) اس لئے غیر مسلم جج کے ذریعہ حاصل کردہ طلاق شرعاً معتبر نہیں ہے، اور جب پہلے شوہر سے طلاق معتبر نہ ہوئی تو دوسرا نکاح یقیناً باطل ہے''۔ یہ جواب شرعی اور آئینی رو سے بالکل صحیح تھا لیکن اسے شر پسند عناصر نے غلط رنگ دے کر فضا کو بگاڑنے کی کوشش کی اور یہ الزام لگایا کہ مفتی صاحب نے ملکی قانون اور عدلیہ کی خلاف ورزی اور توہین کی ہے۔ اور ان لوگوں نے انتظامیہ پر اس قدر دباؤ ڈالا کہ وہ مفتی صاحب موصوف کی رسمی گرفتاری کی کارروائی کرنے پر مجبور ہوگئی۔

افسوسناک صورتِ حال

فرقہ پرست عناصر تو ہمیشہ اس ٹوہ میں رہتے ہی ہیں کہ کون سا موضوع ملے اور مسلمان بالخصوص علماء کو شکوک وشبہات کے دائرے میں لائیں؟ ان عناصر سے کسی خیر کی امید رکھنا فضول

ہے، لیکن زیادہ افسوس اور حیرت اس وقت ہوتی ہے جب کچھ بزعم خود ''دانشور'' بے موقع دانشوری بگھار کر ''جلتی پر تیل'' کا کام انجام دیتے ہیں، چناں چہ اس معاملہ میں بھی حسبِ معمول ایسا ہی ہوا کہ اِدھر ذرائع ابلاغ میں مفتی صاحب موصوف کی گرفتاری کی خبر آئی اُدھر ایک مشہور لیبرل قانون داں مسٹر طاہر محمود صاحب نے یہ بیان داغ دیا کہ ''اس ملک میں فیصلہ کے لئے مسلمان جج کی شرط لگانا مسلم پرسنل لاء کے لئے خطرناک ہے'' گویا بالفاظ دیگر بی جے پی اور وشو ہندو پریشد کے ان شر پسندوں کی پیٹھ تھپتھپادی کہ انہوں نے اس موضوع پر مفتی صاحب کو گھیر کر بڑا اچھا اقدام کیا بلکہ مسلم پرسنل لاء کو خطرہ سے بچالیا، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ مفتی صاحب کا موقف مسلم پرسنل لاء کے لئے خطرناک نہیں بلکہ مسٹر طاہر محمود جیسے لوگوں کا ''مذکورہ ریمارک'' حد درجہ خطرناک اور زہرناک ہے، کیوں کہ اگر طلاق ونکاح کے معاملات کے نپٹارے میں بھی مسلم جج اور شرعی اصولوں کی مطابقت کی شرط نہ لگائی جائے تو اس کا نتیجہ کس قدر ہولناک نکلے گا؟ شاید طاہر محمود صاحب اور ان کے ہم فکر لوگوں کو اس کا احساس نہیں! اگر اس کی کھلی چھوٹ دی جائے تو جو عورت بھی شوہر سے ناراض ہوگی جھٹ عدالت سے جھوٹ سچ بول کر طلاق حاصل کرے گی اور پھر دھڑلّے سے دوسرا نکاح بھی کرلے گی اور اس کا اصل شوہر ہاتھ ملتا رہ جائے گا۔ اور طاہر محمود صاحب جیسے لوگ مرد مظلوم کے بجائے ظالمہ عورت کے پالے میں کھڑے نظر آئیں گے۔ اب آپ ہی بتلائیں کہ مسلم پرسنل لاء کے لئے خطرہ کون سا نظریہ بنا؟ کیا مسلم پرسنل لاء یہی کہتا ہے کہ شوہر کا حقِ طلاق چھین کر بلا شرعی تحقیق کے مروجہ عدالت کے سپرد کردیا جائے؟ کیا شریعت اسلامیہ کا تقاضا یہی ہے کہ شوہر کے علی الرغم اور اتمام حجت کے بغیر اس کی بیوی پر جدائی کا حکم لگا کر اسے دوسرے شخص کی آغوش میں دے دیا جائے؟ کیا اسلام اس کھلی ہوئی دھاندلی کو برداشت کرسکتا ہے؟

قضاء کے بارے میں اسلامی نظریہ

اسلامی تعلیم یہ ہے کہ جب بھی مسلمانوں کے درمیان کسی قسم کا تنازعہ پیش آئے یا آپس میں حق تلفی کی نوبت آئے تو ہر فریق کو چاہئے کہ وہ شریعت کی طرف رجوع کرے، اور متنازعہ معاملہ میں

شریعت کا جو حکم ہو اسے دونوں فریق بخوشی تسلیم کرلیں اور تنازعہ ختم کردیں، معاملہ خواہ مالی ہو یا سماجی اور معاشرتی ہو، ہر موقع پر یہی اصول پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں ارشاد فرمایا:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ، ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّأَحْسَنُ تَأْوِیْلاً. (سورۃ النساء ۵۹)	پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اس کو رجوع کرو طرف اللہ کے اور رسول کے، اگر یقین رکھتے ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر، یہ بات اچھی ہے اور بہت بہتر ہے اس کا انجام۔

اس کے برخلاف جو لوگ اپنے تنازعات شریعت کی روشنی میں حل کرانے کے بجائے غیر شرعی قوانین وغیرہ کے ذریعہ حل کرانے پر مطمئن ہوں ان کی قرآن پاک میں سخت مذمت کی گئی ہے۔ چناں چہ ارشادِ ربانی ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْآ اِلَی الطَّاغُوْتِ وَقَدْ أُمِرُوْآ أَنْ یَّکْفُرُوْا بِهٖ وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ أَنْ یُّضِلَّهُمْ ضَلاَلاً بَعِیْداً. (النساء۶۹)	کیا تو نے نہ دیکھا ان کو جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ایمان لائے ہیں اس پر جو اترا تیری طرف اور جو اترا تجھ سے پہلے چاہتے ہیں کہ قضیہ لے جائیں شیطان کی طرف اور حکم ہو چکا ہے ان کو کہ اس کو نہ مانیں، اور چاہتا ہے شیطان کہ ان کو بہکا کر دور جا ڈالے۔

اسی بنا پر تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ کسی غیر مسلم جج کا کوئی فیصلہ کسی مسلمان کے خلاف شرعاً معتبر نہیں ہے، حتیٰ کہ اگر اسلامی حکومت میں مسلمان حاکم کی طرف سے کسی غیر مسلم جج کو فیصلہ کے لئے مقرر کیا جائے تو اس کے فیصلے صرف غیر مسلم ذمیوں تک ہی محدود رہیں گے، مسلمانوں کے درمیان اسے فیصلہ کا حق نہ ہوگا۔ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:

وتقلید حکومة الذمی لیحکم بین اهل الذمة صحیح وتقلیده	اور ذمی کفار کے درمیان فیصلہ کرانے کے لئے کسی غیر مسلم حاکم کو مقرر کرنا درست ہے، لیکن

أن يحكم بين المسلمين باطل وكذلك التحكيم. (عالمگیری ۳/۳۹۷)

اس غیر مسلم کو مسلمانوں کے درمیان فیصل بنا کر تقرر کرنا باطل ہے، اور یہی حکم کافر کو حَکَم (پنچ) بنانے کے بارے میں بھی ہے۔

فقیہ العصر حضرت علامہ شامیؒ نے شام کے بعض علاقوں میں مقرر کردہ عیسائی اور دروزی قاضیوں کے بارے میں صاف طور پر فرمایا ہے کہ ''ان کا فیصلہ مسلمانوں پر نافذ نہیں ہے''۔ (شامی بیروت ۸/۲۴)

فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اگر فریقین دونوں اس بات پر راضی ہوں کہ کوئی غیر مسلم ان کے درمیان فیصلہ کرے تو بھی وہ غیر مسلم ان کے لئے شرعی حَکَم نہیں بنے گا، اور اس کا فیصلہ ماننا فریقین پر لازم نہ ہوگا۔ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

ويكون تراضيهما عليه في حقهما كتقليد السلطان إياه وتقليد الذمي ليحكم بين أهل الذمة صحيح لا بين المسلمين وكذلك التحكيم. هنديه عن النهايه وفي البحر عن المحيط: فلو أسلم أحد الخصمين قبل الحكم لم ينفذ حكم الكافر على المسلم. (شامی بیروت ۸/۱۱۲)

اور ان دونوں فریقوں کا اس کی تحکیم پر راضی ہونا ان دونوں کے حق میں ایسا ہی ہے جیسا کہ بادشاہ کا اسے حاکم بنانا، اور اہل ذمہ کے درمیان فیصلہ کے لئے ذمی کافر کو مقرر کرنا درست ہے البتہ مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے ذمی کو مقرر کرنا درست نہیں ہے، یہی حکم پنچ بنانے کا بھی ہے۔ اور البحر الرائق میں محیط سے نقل کیا ہے کہ اگر فریقین میں سے کوئی ایک حَکَم کے فیصلہ سے پہلے مسلمان ہوجائے تو کافر کا فیصلہ مسلمان کے خلاف نافذ نہ ہوگا۔

اور آخری دور میں ہندوستان کے معتبر ترین علماء کی تصدیق وتائید سے مصیبت زدہ مسلم خواتین کے مسائل حل کرنے کے لئے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی

نگرانی میں ''الحیلۃ الناجزۃ'' کے نام سے جو کتاب تحریر کی گئی (جو اس وقت ہندوستان میں جاری تمام محاکم شرعیہ کے لئے اصل دستور کی حیثیت رکھتی ہے) اس میں مسئلہ زیر بحث سے متعلق یہ پیراگراف خاص طور پر قابل توجہ ہے:

''ہندوستان کی جن ریاستوں میں قاضی شرعی موجود ہیں وہاں تو معاملہ سہل ہے اور گورنمنٹی علاقوں میں جہاں قاضی شرعی نہیں ان میں وہ حکام جج مجسٹریٹ وغیرہ جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کا اختیار رکھتے ہیں اگر وہ مسلمان ہوں اور شرعی قاعدہ کے موافق فیصلہ کریں تو ان کا حکم بھی قضاء قاضی کے قائم مقام ہوجاتا ہے۔ **لما فی الدر المختار ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کافراً ذکرہ مسکین وغیرہ**۔ لیکن اگر کسی جگہ فیصلہ کنندہ حاکم غیر مسلم ہو تو اس کا فیصلہ بالکل غیر معتبر ہے اس کے حکم سے فسخ وغیرہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ **لأن الکافر لیس بأھل للقضاء علی المسلم کما ھو مصرح فی جیمع کتب الفقہ** حتی کہ اگر روداد مقدمہ غیر مسلم مرتب کرے اور مسلمان حاکم فیصلہ کرے یا بالعکس تب بھی فیصلہ نافذ نہ ہوگا''۔ (الحیلۃ الناجزہ ۲۰-۲۱)

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوگیا کہ مسلمانوں کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے سب تنازعات شریعت کی روشنی ہی میں حل کریں۔

ہندوستان جیسے ممالک کی عدالتوں کا حکم

اب یہاں قدرتی طور پر یہ سوال ذہن میں آتا ہے کہ کیا ہندوستان میں رہنے والے مسلمانوں کو مروجہ عدلیہ سے بالکل کنارہ کش ہوجانا چاہئے اور ان سے کسی طرح وابستگی نہ رکھنی چاہئے؟ تو اس سلسلہ میں قدرے تفصیل مناسب معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر معاملہ اپنی حق تلفی یا مالی زیادتی کا ہو تو اس کے تصفیہ کے لئے اولاً تو یہی کوشش کرنی چاہئے کہ کسی مسلمان کو پنچ بنا کر معاملہ حل کرلیا جائے اور فریقین اسے تسلیم کرلیں، لیکن اگر کوئی ایک فریق زبردستی ظلم اور حق تلفی پر آمادہ ہو تو مظلوم فریق اپنی دادرسی کے لئے سرکاری عدلیہ سے اور پولیس سے رجوع کرسکتا ہے اس کے اس عمل کو ظلم کی تلافی کے لئے تعاون کی صورت میں دیکھا جائے گا اور یہ اسی وقت جائز ہوگا جب کہ مدعی کو اپنے دعویٰ کے برحق ہونے کا یقین ہو، گویا کہ ایسے معاملات میں جن میں اپنے حق کو

حاصل کرنے کے لئے طاقت اور اقتدار کی ضرورت پڑتی ہے ان میں عدلیہ اور انتظامیہ سے مدد لینے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ مطالبہ برحق ہو۔

اس کے برخلاف جن احکامات کا تعلق مسلمانوں کے شخصی اور ذاتی معاملات سے ہے جن پر عمل کرنے کی دستور ہند میں کھلی آزادی دی گئی ہے، مثلاً: نکاح، طلاق، خلع، ایلاء، ظہار، وقف، وراثت وغیرہ۔ ان میں فیصلہ وہی قبول ہوسکتا ہے جو دو شرطوں سے مشروط ہو (۱) شرعی اصول کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ (۲) اور فیصلہ کرنے والا مسلمان ہو۔ اسی بنا پر انگریز کے زمانہ سے آج تک مسلمانوں کی طرف سے برابر یہ مطالبہ کیا جاتا رہا ہے کہ ہر عدالت میں ایک بااختیار مسلمان جج ہونا چاہئے جو مسلمانوں کے خاص معاملات شرعی اصولوں کی روشنی میں فیصل کیا کرے۔ اور کئی مرتبہ پارلیمنٹ میں ''قاضی ایکٹ'' کا پرائیویٹ بل بھی پیش کیا گیا، مگر جب حکومت کی طرف سے یہ مطالبہ پورا نہیں ہوا تو پھر مسلمانوں نے خود شرعی پنچایتیں اور محاکم شرعیہ قائم کئے، تاکہ ان معاشرتی مسائل کو شریعت کی روشنی میں حل کیا جائے۔ تو ہمارے نزدیک ملک کی عدلیہ اپنی جگہ قابل احترام ہے اور وہ عدالتی قوانین جو شریعت کے اصولوں سے نہ ٹکراتے ہوں ان کو قبول کرنے میں مسلمان کسی دوسری قوم سے پیچھے نہیں ہے، لیکن ایسے تمام معاملات جن پر عمل کرنے کے لئے ہمیں مذہبی آزادی دستور سے ملی ہوئی ہے ان میں اگر ہم اپنے مذہب کے موافق مسلمان حاکم ہونے کی شرط لگائیں اور ایسے خاص معاملات میں غیر مسلم حاکم کے بجائے مسلم حاکم اور قاضی کے فیصلہ کو نافذ مانیں تو اس میں نہ تو ملک سے بغاوت ہے اور نہ عدلیہ کی توہین ہے، بلکہ یہ موقف دستور میں دی گئی مذہبی آزادی کے عین مطابق ہے۔

مرعوب ذہنیت

لیکن جب ذہن حالات سے مرعوب ہوجاتا ہے تو حق بات کہنے اور سننے کی تاب نہیں رہتی، یہی حال آج کچھ بزعم خود دانشوروں کا ہوتا جارہا ہے کہ جہاں کچھ کسی نے ایسی بات کہی جو ان کے مزاج سے ہم آہنگ نہ ہو بس انہیں فوراً بخار چڑھ آتا ہے اور وہ انجانے خوف وخطر میں مبتلا ہوجاتے ہیں، پھر ان کی یہ مرعوبیت اسلام دشمنوں کے لئے حوصلہ افزائی کا سبب بنتی ہے، بلکہ کبھی

کبھی تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ لوگ دشمنوں کے آلۂ کار بنے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ پچھلے دنوں سپریم کورٹ کے ذریعہ سے مسلم پرسنل لاء بورڈ، دارالعلوم دیوبند اور بعض دیگر اداروں کے نام ڈیڑھ سو صفحوں کا نوٹس جاری کیا گیا، جس میں یہ باور کرایا گیا کہ دارالقضاء اور دارالافتاء کے ذریعہ متوازی عدالتی نظام چلایا جارہا ہے، تو تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس اقدام کے پس پردہ بھی کچھ نام نہاد دانشوروں کا ہاتھ ہے اور انہوں نے اپنے نام پر بھی ایک نوٹس جاری کرایا ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ لچیلا جواب داخل کر کے مسلمانوں کا موقف کمزور کیا جائے، تو جو لوگ آج فتویٰ اور شرعی فیصلہ کو پرسنل لاء کے لئے خطرہ قرار دے رہے ہیں یہی لوگ دراصل خود ملت کے لئے خطرہ بنے ہوئے ہیں، ان کی حرکتوں اور افکار سے ملت کو محفوظ رکھنے کی سخت ضرورت ہے۔ یہ لوگ ہر معاملہ میں اپنی بیمار ذہنیت کا مظاہرہ کرنے میں پیچھے نہیں رہتے، یہ چاہتے ہیں کہ دین کے تمام مسائل کو ترقی پذیر دنیا کے مطابق ڈھال دیا جائے، خواہ اس کے لئے قرآنی آیات میں تحریف کرنی پڑے یا احادیث متواترہ کا انکار کرنا پڑے، انہیں قرآن وحدیث کی پروا نہیں بلکہ ماڈرن ماحول کا ہر وقت خیال ہے اسی لئے وہ شریعت کو موم کی بنی ہوئی چیز سمجھ کر اس کے بارے میں لاف زنی کرتے رہتے ہیں بلکہ نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ اس طبقہ کی طرف سے عورتوں کی جسمانی نمائش حتی کہ ڈانس اور رقص وسرود تک کو سند جواز دینے کی بے ہودہ کوششیں شروع کی جاچکی ہیں، **العیاذ باللّٰہ**۔ (دیکھئے روزنامہ راشٹریہ سہارا ۲۱ر نومبر مضمون سید شہاب الدین)

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت عطا فرمائے، اور سب مسلمانوں کو فکری وعملی گمراہیوں سے بچا کر دین پر ثبات قدمی سے نوازے۔ آمین۔

(ندائے شاہی دسمبر ۲۰۰۵ء)

انصاف کی ضرورت

جب بھی ملک میں کوئی دھماکہ یا بدامنی کا واقعہ پیش آتا ہے تو حسبِ معمول شک کی سوئی مسلمانوں کی طرف گھومنی یا گھمانی شروع کردی جاتی ہے، اور پولیس ریکارڈ کی چھان بین کر کے جس شخص پر بھی فرد جرم عائد کرنے کی سہولت کسی بھی طرح نکل سکتی ہو، اسے شک کے دائرے میں لاکر اس کے ساتھ مجرم جیسی تفتیش کرنے لگتی ہے، یہ صورتِ حال کسی بھی مہذب ملک اور امن پسند جمہوری نظام کے لئے ہرگز نیک فال نہیں ہے؛ کیوں کہ اگر پہلے سے ایک طبقہ کے خلاف ذہن بنا کر تفتیش کی جائے گی تو تحقیقات کبھی بھی صحیح نتیجہ تک نہیں پہنچ پائیں گی۔ اور پھر بات اگر ایک فرد تک محدود ہو تو کسی حد تک سمجھ میں بھی آتی ہے؛ لیکن جب ایک پورے مذہب اور اس کے پیروکاروں کو آنکھ بند کر کے دہشت گردی سے جوڑ دیا جائے تو اس کی خطرناکی میں اور اضافہ ہو جاتا ہے، جو لوگ یہ بھیانک غلطی کر رہے ہیں، وہ دہشت کے ماحول کو مٹانے میں ہرگز مخلص نہیں؛ بلکہ وہی دراصل دہشت گردی کی ہمت افزائی کر رہے ہیں۔ ہمارا ماننا ہے کہ کوئی بھی سچا مسلمان کبھی بھی دہشت گردی اور بے قصوروں کی خوں ریزی کا ارتکاب نہیں کرسکتا؛ کیوں کہ اسلام تو امن وعافیت کا مذہب ہے، اسلام اور امن عالم دونوں لازم ملزوم ہیں، جہاں امن عالم ہے وہاں اسلام ہے اور جہاں اسلام ہے وہاں امن عالم ہے۔ اسلام نہ صرف انسانوں؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات سے رحم دلی اور مہربانی کا برتاؤ کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ چناں چہ پیغمبر نے ارشاد فرمایا: ”مہربانوں پر خدا مہربان ہے تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا“۔ (ابوداؤد شریف)

اسی طرح فرمایا کہ: ”تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو“۔ پھر اسلام نے انسانی جان کی حفاظت کے لئے نہایت سخت قوانین بنائے، اور ایک قتل ناحق کو پوری انسانیت کا

قتل قرار دیا۔ (المائدہ) اسلام نے جانوروں کے حقوق کی بھی ہر ممکن رعایت کی اور اپنے ماننے والوں کو ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی تلقین کی، تو ایسے امن پسند مذہب کے ماننے والے اور ''رحمۃ للعالمین'' کے لقب سے متصف پیغمبر کا نام لینے والے کسی شخص سے بھلا دہشت گردی اور خوں ریزی کی امید کیسے کی جاسکتی ہے؟ اور اگر بالفرض اسلام جیسا نام رکھنے والا کوئی شخص ایسا عمل کرتا ہے تو وہ اس کا اپنا ذاتی فعل ہے، اسے مذہب اسلام سے جوڑ کر دیکھنا قطعاً غلط اور فریب ہے۔

بہت سے اسلام کے مخالفین یہ پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ اسلام میں دوسرے مذہب والوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ حالاں کہ یہ بات محض الزام ہے، حقیقت کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ اسلام کی نظر میں تمام دنیا کے غیر مسلم دو طبقوں میں منقسم ہیں :

(۱) اول وہ لوگ جو مسلمانوں سے بغض وعداوت رکھتے ہیں اور دین پر عمل کرنے میں رکاوٹ ڈالتے ہیں اور مسلمانوں کی اذیت رسانی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے تو ایسے دشمنوں کے ساتھ دوستی کرنے کی اسلام واقعی اجازت نہیں دیتا؛ اس لئے کہ ان سے دوستی رکھنے میں قومی وملی نقصانات کا اندیشہ ہے۔

(۲) دوسرے وہ غیر مسلم ہیں جن کا مسلمانوں سے کوئی نزاع نہیں ہے۔ نہ وہ دین کے درمیان حائل ہوتے ہیں اور نہ مسلمانوں کو ان سے کوئی خطرہ ہے۔ تو ایسے غیر مسلموں کے ساتھ انسانی ناطہ سے حسنِ سلوک کرنا اسلام کی بنیادی تعلیمات میں شامل ہے۔ خود قرآنِ کریم نے ان دونوں طبقات اور ان کے متعلق معاملات کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

ترجمہ:- ''اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے، اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔ صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے اللہ تعالیٰ تم کو منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑتے ہوں، اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہو، اور تمہارے نکالنے میں مدد کی ہو، اور جو شخص ایسوں سے دوستی کرے گا سو وہ لوگ گنہ گار ہوں گے''۔ (الممتحنہ ۸-۹)

قرآن کریم کی جن آیتوں میں کفار کو قتل کرنے کے احکامات دیئے گئے ہیں ان کا تعلق انہی کفار سے ہے جو اسلام اور مسلمانوں سے برسر پیکار ہیں، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جو کافر جہاں ملے تہِ تیغ کر دیا جائے۔ چناں چہ جو غیر مسلم اسلامی حکومت کی بالا دستی قبول کرلیں ان کے جان و مال کے تحفظ کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر اسی طرح لازم ہوتی ہے جیسے ایک مسلمان کے تحفظ کی ذمہ داری ہوتی ہے، اور جس طرح اسلامی حکومت میں کسی مسلمان کو اذیت دینا اور جانی و مالی نقصان پہنچانا منع ہے بالکل اسی طرح اسلامی مملکت میں رہنے والے غیر مسلم کی حق تلفی بھی قطعاً منع ہے۔ کسی غیر مسلم شہری کو ستانے پر آنحضرت ﷺ نے سخت ترین وعید ارشاد فرمائی ہے۔ آپ ﷺ کا اعلان ہے:

جو شخص کسی ذمی (اسلامی حکومت میں امن لے کر رہنے والے غیر مسلم شہری) کو قتل کر دے تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ پائے گا اگر چہ جنت کی خوشبو ۴۰ ؍سال کی مسافت سے آنے لگتی ہے۔

(رواہ البخاری، مشکوٰۃ ۲۹۹)

ہندوستان میں ہم اپنے برادرانِ وطن کے ساتھ مل جل کر رہتے ہیں اور یہاں کے دستور کے اعتبار سے ہم سب شہریوں کو یکساں طور پر جانی و مالی تحفظات حاصل ہیں؛ اس لئے کسی بھی فریق کو دوسرے پر ظلم و تعدی کی ہرگز اجازت نہیں دی جاسکتی۔

اسلام نے تو جنگی حالات میں بھی انسانی اصولوں کی رعایت کی تعلیم دی ہے، چناں چہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی غزوہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے ایک مردہ عورت کی لاش دیکھی جسے قتل کر دیا گیا تھا' تو آپ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔

(مسلم شریف ۲/۸۴، مصنف ابن ابی شیبہ ۶/۴۸۶)

اور ایک روایت میں ہے کہ خلیفۂ اول امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیق ص نے ایک جہادی لشکر کو روانہ کرتے وقت اس کے کمانڈر کو دس ہدایتیں ارشاد فرمائیں: (۱) کسی بچہ کو قتل مت کرنا (۲) کسی عورت پر ہاتھ مت اٹھانا (۳) کسی ضعیف بوڑھے کو مت مارنا (۴) کوئی پھل دار درخت مت کاٹنا (۵) کسی بکری اور اونٹنی وغیرہ کو خواہ مخواہ ذبح مت کرنا، ہاں اگر کھانے کی ضرورت ہو تو

حرج نہیں (۷) کسی باغ کو نہ جلانا (۸) کسی باغیچہ میں پانی چھوڑ کر اسے تباہ مت کرنا (۹) بزدلی مت کرنا (۱۰) غنیمت کے مال میں خیانت مت کرنا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۶/ ۴۸۷)

نیز حضرت عبداللہ ابن عباس صفرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ لشکر روانہ کرتے وقت یہ تاکید فرماتے تھے کہ: ''جو راہب اپنی کٹیوں (اور آشرموں) میں عبادت میں مشغول ہیں ان کو قتل مت کرنا''۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۶/ ۴۸۸)

ان تفصیلات سے معلوم ہوا کہ اسلام کسی بھی مرحلہ میں بے قصوروں کے ساتھ زیادتی کو پسند نہیں کرتا، اور اس بارے میں اسلامی تعلیمات فطری طور پر انسانیت کی بقا اور تحفظ کی ضمانت ہیں۔

اس لئے حکومت پر لازم ہے کہ وہ بلا وجہ کسی خاص مذہب کے ماننے والوں پر شک کرنے کے بجائے غیر جانب دارانہ طور پر انصاف کے ساتھ بدامنی کے واقعات کی تفتیش کرائے، اور حقیقی مجرمین کو متعین کر کے ان کو قرار واقعی سزا دے، اور اس پہلو کو بھی پیش نظر رکھے کہ بہت سے شر پسند خود کارروائیاں کر کے دوسروں پر الزام لگانے کے قرائن چھوڑ دیتے ہیں، اس طرح کے بہت سے واقعات قومی اور بین الاقوامی طور پر ثبوت میں آچکے ہیں؛ حتی کہ ورلڈ ٹریڈ سینٹر یعنی نائن الیون کا واقعہ بھی ابھی تک مشکوک بنا ہوا ہے، اور گہرائی سے حالات پر نظر رکھنے والوں کی رائے یہ ہے کہ یہ واقعہ خود یہود نواز امریکی ایجنسیوں نے کرایا تھا؛ تاکہ افغانستان کی امارت اسلامیہ کو تباہ کرنے کے لئے وجہ جواز حاصل کی جاسکے۔ اسی طرح یہ انکشافات بھی قابل لحاظ ہیں کہ گذشتہ دہائی میں چیچنیا کے اسلام پسندوں کو بدنام کرنے اور ان پر انسانیت سوز مظالم کرنے کا بہانہ ڈھونڈنے کے لئے خود روسی اداروں نے ماسکو کے ایک اسکول میں اغوا اور خوں ریزی کا ڈرامہ رچا، اور بعد میں چیچنیا پر چڑھائی کر دی گئی، اور دنیا کے سب نام نہاد مہذب ممالک تماشائی بنے رہے۔ یہی پلاننگ ہمارے ملک کے فرقہ پرست بھی اختیار کر رہے ہیں کہ اولاً خود ہی اقدامات کر کے نام مسلمانوں کے لگایا جائے؛ تاکہ جب حکومت بے قصوروں کے خلاف کارروائی کرے تو کوئی ان کمزوروں کی حمایت میں کھڑے ہونے کی ہمت نہ کر سکے۔ چناں چہ ناندیڑ وغیرہ کے واقعات اس پر شاہد ہیں۔ اس

لئے اگر واقعۃً امن کے قیام میں حکومت مخلص ہے تو اسے تفتیش کے دائرہ میں ملک کی ان دہشت پسند فسطائی تنظیموں کو بھی داخل کرنا چاہئے جو آئے دن اقلیتی فرقوں کے خلاف زہر اگلتی رہتی ہیں، اگر ان کو شامل کئے بغیر ایک خاص عینک لگا کر خاص فرقے سے تفتیش کی جاتی رہے گی تو اصل مجرم کبھی بھی گرفت میں نہ آسکیں گے، اور دہشت گردانہ کارروائیاں جاری رہیں گی۔ دہشت گردی کو ختم کرنے کا واحد علاج انصاف، انصاف اور انصاف ہے، انصاف کے بغیر دہشت گردی کے خلاف لڑائی خواہ قومی ہو یا بین الاقوامی محض لکیر پیٹنے کے مرادف ہے، اس کا کوئی نتیجہ نکلنے والا نہیں ہے۔ اور آج جہاں جہاں بھی بدامنی پھیلی ہوئی ہے اس کی پوری طرح ذمہ دار وہ نام نہاد امن پسند طاقتیں جو زبان سے تو بدامنی سے اظہار نفرت کرتی ہیں؛ لیکن ان کی پوری تاریخ ظلم وتعدی، ناانصافی اور خوں ریزیوں سے بھری پڑی ہے، اور ان کا مکروہ چہرہ انسانیت کے لئے ایک عار اور شرم کا عنوان بن گیا ہے، تمام انصاف پسند اور جمہوریت نواز ممالک اور حکومتوں کو ایسی طاقتوں سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

(ندائے شاہی جون ۲۰۰۸ء)

بغض وعناد کی انتہاء

ڈنمارک کے ایک اخبار نے گذشتہ دنوں محسن انسانیت فخر دو عالم؛ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہتک آمیز کارٹون شائع کیا، جب مسلم ممالک کی طرف سے اس پر احتجاج ہوا، تو ڈنمارک کی حکومت اخبار کے خلاف کارروائی کرنے کے بجائے گستاخ اخبار کی حمایت پر اتر آئی، اور وہاں کے وزیر اعظم نے یہ بیان دیا کہ یہ اظہار رائے کی آزادی کا معاملہ ہے، اس میں ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد بات یہیں تک نہیں رہی؛ بلکہ جیسے جیسے مسلم دنیا میں احتجاج کی شدت بڑھتی رہی، ویسے ویسے یورپین میڈیا اور اخبارات کی ہمدردیاں ڈنمارک کے گستاخ اخبار کے ساتھ بڑھتی رہیں۔ اور اسپین، فرانس، نیدرلینڈ اور نیوزی لینڈ وغیرہ کے متعدد اخبارات میں صرف اور صرف مسلمانوں کی دل آزاری اور ڈنمارک کے دریدہ ذہن اخبار کی تائید کے لئے متنازعہ کارٹون بڑے اہتمام کے ساتھ دوبارہ شائع کئے۔ ڈنمارک کے اخبار نے اگرچہ بعد میں معافی مانگ لی، مگر یورپی میڈیا نے پھر بھی اس اخبار کے دفاع اور اس کی تائید کا سلسلہ جاری رکھا۔ اور اٹلی کے ایک وزیر نے تو خباثت باطنی کی انتہاء کر دی کہ نہ صرف یہ کہ خبیث کارٹونوں کی تصویر والی ٹی شرٹ خود پہنی؛ بلکہ اسے عام لوگوں میں تقسیم کرنے کا اعلان کیا۔

یہ ہے اسلام اور اہل اسلام کے تئیں مغربی تہذیب کا گھناؤنا کردار! جس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ عیسائی اور یہودی ممالک خواہ اپنی غیر جانب داری، جمہوریت نوازی، امن پسندی اور عدل و مساوات کا کتنا ہی ڈھنڈورا پیٹیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ اسلام، قرآن اور پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے بغض وعداوت اور دشمنی ان کے رگ وریشہ میں بسی ہوئی ہے، اور وہ پوری بے غیرتی اور بے شرمی کے ساتھ اس کے اظہار کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

قرآنِ کریم نے ان عادی دشمنوں کے بارے میں صاف طور پر باخبر کردیا ہے، ارشادِ خداوندی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَأْلُوْنَكُمْ خَبَالًا، وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ. (آل عمران: ۱۱۸)

اے ایمان والو نہ بناؤ بھیدی کسی کو اپنوں کے سوا، وہ کمی نہیں کرتے تمہاری خرابی میں، ان کی خوشی ہے تم جس قدر تکلیف میں رہو، نکلی پڑتی ہے دشمنی ان کی زبان سے اور جو کچھ مخفی ہے ان کے جی میں وہ اس سے بہت زیادہ ہے۔

مسلم ممالک اور ہمارے ملک ہندوستان میں بجا طور پر لاکھوں مسلمان بلا لحاظ مذہب ومسلک اس موضوع پر سراپا احتجاج بن گئے، اور شہروں اور قصبات میں ایسے فقید المثال اور عظیم الشان احتجاجی مظاہرے ہوئے کہ آزاد ہندوستان میں کبھی اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس سے پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ امت کی والہانہ وارفتگی اور محبت وعظمت کا پتہ چلتا ہے۔ تاہم اس طرح کے واقعات مستقبل میں نہ پیش آئیں، اس کے لئے ہمیں مضبوط اور منظّم لائحۂ عمل کو اپنانا ہوگا، جس کا سب سے اہم عنصر یہ ہے کہ اس وقت جس اجتماعیت کا مظاہرہ کیا جارہا ہے اسے برقرار رکھا جائے، اور مغربی فتنوں کے خلاف پوری ملت سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائے، اور اس کی طرف سے بہہ کر آنے والے بداخلاقی اور بدکاری کے بدبودار سیلاب سے پوری طرح بچنے کی کوششیں کی جائیں۔ اللہ تعالیٰ امت کو ہر ابتلاء وآزمائش سے محفوظ رکھے اور دشمنوں کی سازشوں کو ناکام فرمائے، آمین۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۶ء)

’’پوپ بے نے ڈ یکٹ ۱۶‘‘ کی پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف ہرزہ سرائی

چاند پر تھوکنے کی ناپاک کوشش

۱۵ر ستمبر ۲۰۰۶ء کے اخبارات میں یہ خبر پڑھ کر سارے عالم کے مسلمانوں میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی کہ عیسائیوں کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا ’’پوپ بے نے ڈ یکٹ ۱۶‘‘ نے اپنے دورۂ جرمنی کے دوران ایک یونیورسٹی کے پروگرام سے خطاب کرتے ہوئے پیغمبر اسلام محسنِ انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ (فداہ ابی وامی) کی شانِ عالی میں کیچڑ اچھال کر اپنی خباثت باطنی کا برملا اظہار کیا ہے، اب سے پہلے اس اعلیٰ ترین مذہبی منصب پر فائز ہونے والے پوپ ظاہرداری ہی کی حد تک سہی، اسلام کے ساتھ امن اور رواداری کی باتیں کیا کرتے تھے؛ لیکن موجودہ پوپ (جو پہلے ہی سے اپنی صہیونیت نوازی اور تعصب کے حوالہ سے بدنام رہا ہے) نے تمام اخلاقی اور انسانی حدود کو پامال کر کے دنیا کو تہذیبی تصادم کی طرف دھکیلنے کی ناپاک کوشش کی ہے، اس خباثت پر جس قدر بھی لعنت کی جائے کم ہے۔

دراصل آج کی یہودیت وعیسائیت (جو اصل آسمانی مذہب کی حد درجہ بگڑی ہوئی شکلیں ہیں) بجائے خود سارے عالم میں دہشت وبربریت اور خوں ریزی وقتل وغارت گری کا عنوان بن چکی ہے۔ فلسطین، عراق، بوسنیا، کوسووا، مشرقی تیمور، افغانستان اور چیچنیا ہر جگہ عیسائی اور یہودی طاقتوں کے ہاتھوں انسانی خون پانی کی طرح بہہ رہا ہے، انہی خوں خوار اور انسانیت سوز حرکتوں پر پردہ ڈالنے کے لئے آج کا عیسائی پوپ اسلام کو اس تنقید کا نشانہ بنا کر مسلمانوں سے ان کے پیغمبر علیہ السلام سے عشق کا امتحان لینا چاہتا ہے، اور یوروپ میں اسلام کے تیزی سے پھیلنے والے واقعات سے بوکھلا کر بدتمیزی پر اتر آیا ہے۔

عیسائی دنیا کو یاد رکھنا چاہئے کہ یہی وہ اسلام اور پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعلیمات تھیں، جنہیں دیکھ کر سیدنا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ (جو پہلے عیسائی تھے) نے اسلام کو قبول کیا تھا اور یہی وہ قرآن تھا جسے سن کر عیسائی شاہِ حبشہ حضرت اصحمہ نجاشی نے تہہ دل سے اسلام کی

حقانیت کا اقرار کیا تھا، اور یہی وہ مذہب تھا جس کی صداقت پر قیصر روم نے مہر لگائی تھی۔(گوکہ وہ اپنے اقتدار کی ہوس میں اسلام لانے سے محروم رہا) اور یہی اسلام کی امن پسندی اور عدل گستری تھی کہ خلافت فاروقی میں شام کے بسنے والے عیسائیوں کو پروانۂ امن عطا ہوا تھا، اور اسی مذہب کی اخلاقی تعلیمات ہر زمانہ میں ہزاروں اہل کتاب کے لئے روحانی سکون اور مذہبی کشش کا ذریعہ بنتی رہی ہیں۔ اسلامی حکومت میں امن لے کر رہنے والے ذمیوں کے بارے میں پیغمبر اسلام ﷺ کی انتہائی عادلانہ ہدایات امنِ عالم کی عالمی منشور کی حیثیت رکھتی ہیں، جن کا اقرار خود بے شمار عیسائی مفکرین اور دانشوروں نے کیا ہے، اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کی تعلیمات کا انصاف کی نظر سے مطالعہ کرنے والا ہر شخص یہ کہنے پر مجبور ہے کہ اس کائنات میں نبی اکرم حضرت محمد ﷺ سے بڑا محسنِ انسانیت کوئی پیدا نہیں ہوا، آپ کی ذات تمام عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجی گئی تھی اور قیامت تک اگر دنیا میں امن قائم ہوسکتا ہے تو اس کی صرف اور صرف ایک ہی صورت ہے کہ آپ کی عالمی امن والی تعلیمات کو رہنما بنایا جائے اس کے بغیر امن کا تصور ہی محال ہے۔

اور رہ گئے موجودہ پوپ جیسے دریدہ دہنوں کے ناپاک تبصرے تو اس کی حیثیت چاند پر تھوکنے کے علاوہ کچھ نہیں ہے، قرآن پاک ایسے لوگوں کے بارے میں پہلے ہی کہہ چکا ہے:

قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ. (آل عمران)	اوران کی زبانوں سے بغض وعداوت پھوٹی پڑتی ہے اور جو (غلاظت) ان کے سینوں میں مخفی ہے وہ اس سے بھی بڑی ہے۔

اور جہاں تک مسلمانوں کا اپنے پیغمبر سے تعلق کا معاملہ ہے تو دنیا بار بار اس حقیقت کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کر چکی ہے کہ مسلمان اپنی ہزار بدعملیوں کے باوجود اپنے وجود میں عشق نبوی کی ایسی چنگاری رکھتا ہے جس کے سامنے مخالفتوں کے بڑے بڑے طوفان خاکستر ہوکر رہ جاتے ہیں، یہ تاریخ پہلے بھی دوہرائی گئی ہے اور قیامت تک اسی طرح دوہرائی جاتی رہے گی، انشاء اللہ تعالیٰ۔

(خصوصی اداریہ، ماہ نامہ ندائے شاہی اکتوبر ۲۰۰۶ء)

مرتب کی علمی کاوشیں

❑ اللہ سے شرم کیجئے :

اس کتاب میں اللہ تعالیٰ سے حیاء کرنے کے متعلق ایک جامع ارشاد نبوی ﷺ کی تفصیلی شرح کے ضمن میں نہایت مفید اصلاحی مضامین (آیات قرآنیہ احادیث طیبہ اور احوال واقوال سلف) خوبصورتی کے ساتھ جمع کردئے گئے ہیں، یہ کتاب مردہ ضمیر کو جھنجوڑنے ، اور غفلت کے پردے ہٹانے میں تریاق کی حیثیت رکھتی ہے۔ جو شخص بھی صدق دل سے اور عمل کی نیت سے اس کا مطالعہ کرے گا اسے انشاء اللہ یقیناً نفع ہوگا، کتاب کی زبان سادہ اور عام فہم ہے۔ ہر بات حوالہ جات سے مزین ہے۔عوام وخواص کے لیے یکساں طور پر مفید ہے ۔اب تک ہندو پاک کے مختلف کتب خانوں سے اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوچکے ہیں،اور مسلسل اس کی اشاعت جاری ہے۔ ہندی زبان میں بھی اس کا ترجمہ ہوچکا ہے، فالحمدللہ۔

صفحات : ۴۳۲، عام قیمت : ۱۰۸/روپیے ، ناشر: فرید بک ڈپو دہلی وغیرہ

❑ اللہ والوں کی مقبولیت کا راز :

یہ کتاب پہلے ۹۶/صفحات پر شائع ہوئی تھی اب اضافہ ہوکر ۱۹۲/صفحات میں خوب صورت کمپیوٹر کتابت پر شائع کی گئی ہے، جس میں اکابر واسلاف کی مقبول صفات مثلاً: تواضع ، زہد وتقویٰ ،عفو ودرگذر ، حلم وبردباری ، جود وسخا اور خوف وخشیت سے متعلق پُر اثر اور حیرت انگیز حالات وواقعات بیان کرکے ان کی روشنی میں اپنے کردار کا مؤثر انداز میں جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ کتاب علماء، طلباء اور اپنی اصلاح کے خواہش مند حضرات کے لئے اکسیر کی حیثیت رکھتی ہے۔ زبان بہت آسان اور عام فہم ہے، آج ہی طلب کرکے اپنی روحانی تشفی کا سامان کریں۔ یہ کتاب بھی ہندو پاک کے متعدد کتب خانوں سے شائع ہورہی ہے، الحمدللہ۔

صفحات :۱۹۲، قیمت: ۶۰/روپئے ، ناشر: فرید بک ڈپو دہلی وغیرہ

❑ کتاب المسائل (طہارت ونماز) :

فقہی مسائل پر یہ ایک عام فہم، آسان، مستند اور مدلل کتاب ہے، پہلے یہ مسائل قسط وار ماہنامہ ''ندائے شاہی'' مرادآباد میں شائع ہوکر عوام وخواص کی نظروں سے گذرتے رہے، ۵۵/قسطوں میں شائع شدہ ''طہارت'' سے لے کر ''جنائز'' تک کے کئی سو اہم مسائل اور ان سے متعلق اہم معلومات کو اب مزید تنقیح وتحقیق کے بعد کتابی شکل میں شائع کردیا گیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مسائل کا یہ مجموعہ ہر مسلمان گھرانے کی دینی ضرورت ہے، اور عوام وخواص

سب کے لئے یکساں طور پر مفید ہے، اور چوں کہ ہر مسئلہ کے ساتھ اصل فقہی عبارات مذکور ہیں؛ اس لئے یہ کتاب حضراتِ علماء کرام اور مفتیانِ عظام کے لئے اصل ماٰ خذ سے مراجعت میں سہولت کا سبب بھی ہے۔ کتاب کی اصل افادیت کا اندازہ اس کے مطالعہ ہی سے ہوسکتا ہے، اس منصوبہ پر آگے بھی کام جاری ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

صفحات: ۶۰۰۸، قیمت: ۳۰۰۰/روپئے، ملنے کا پتہ: فرید بک ڈپو دریا گنج دہلی

❏ ذکر رفتگاں :

یہ ماہ نامہ ''ندائے شاہی'' مرادآباد میں گذشتہ ۱۶/سالوں (۱۹۸۹ء تا ۲۰۰۴ء) میں وفات پانے والی امت کی اہم اور مؤثر شخصیات پر شائع شدہ تعزیتی مضامین کا بیش قیمت مجموعہ ہے، جس میں تقریباً ڈیڑھ سو حضرات کے مختصر سوانحی خاکے اور تأثرات جمع ہوگئے ہیں، تذکرۂ اکابر کے شائقین کے لئے یہ بیش بہا تحفہ اور سیر وسوانح کے باب میں قیمتی معلومات کا ذخیرہ ہے، جس کا مطالعہ انشاء اللہ ذہن میں تازگی اور روح میں بالیدگی کا سبب ہوگا۔

صفحات : ۵۶۸، عام قیمت : ۱۶۰/روپے، ملنے کا پتہ: فرید بک ڈپو دہلی وغیرہ

❏ دعوت فکر وعمل :

یہ کتاب مختلف دینی، اصلاحی، سماجی اور معاشرتی موضوعات پر مبنی ۹۷/قیمتی مضامین کا مجموعہ ہے، جن میں پوری قوت کے ساتھ فکری اصلاح پر زور دیا گیا ہے۔ ان مضامین کے مطالعہ سے اصابت رائے اور اعتدال کے جذبات پروان چڑھتے ہیں، موجودہ دور میں دینی خدمات میں مشغول حضرات کے لئے اس کتاب کا مطالعہ نہایت کارآمد ہے، اکابر علماء کی تقریظات سے کتاب مزین ہے اور باذوق قارئین کی نظر میں یہ دورِ حاضر کا ایک گراں قدر تحفہ ہے، متعدد کتب خانوں سے اس کی اشاعت ہورہی ہے۔

صفحات: ۵۴۰، قیمت: ۱۵۰/روپے، ملنے کا پتہ: فرید بک ڈپو دہلی وغیرہ

❏ لمحاتِ فکریہ :

اس کتاب میں ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۳ء سے لے کر مئی ۲۰۰۵ء تک کے ادارتی مضامین اور دو رسالوں ''اسلامی کی انسانیت نوازی'' اور ''اسلامی معاشرت'' کو یکجا کر کے شائع کیا گیا ہے۔ اس مجموعۂ مضامین میں قرآن وسنت اور آثارِ صحابہ سے نہایت قیمتی ہدایات نقل کی گئی ہیں۔ ۳۲۰/صفحات پر یہ کتاب اسلامی تعلیمات کے تعارف، اصلاح امت اور باطل افکار وخیالات کی مدلل تردید پر مبنی مضامین کو شامل ہے، اور عوام وخواص کے لئے یکساں مفید ہے۔

صفحات: ۳۲۰، قیمت: ۱۰۰/روپے ناشر: فرید بک ڈپو دہلی

❑ دینی مسائل اور ان کا حل :

دور حاضر کے اہم پیش آمدہ مسائل کے مختصر اور جامع جوابات پر مشتمل یہ قیمتی مجموعہ ہر گھر کی ضرورت اور قدم قدم پر رہنمائی کا ذریعہ ہے۔ یہ مسائل کئی سال سے رسالہ تحفۂ خواتین مرادآباد میں سوال وجواب کی صورت میں شائع ہورہے تھے، اب انہیں عربی عبارات اور حوالوں کے ساتھ جمع کر کے شائع کیا گیا ہے، جو عوام کے علاوہ اہل علم اور ارباب افتاء کے لئے بھی مفید ہے۔

صفحات: ۱۴۴، قیمت: ۴۰/روپے، ناشر: فرید بک ڈپو دہلی

❑ فتاوی شیخ الاسلامؒ :

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کی علمی اور فقہی آراء اور مکتوبات کا یہ مرتب مجموعہ بالخصوص فقہ وفتاوی کے شائقین کے لئے گراں قدر تحفہ ہے۔ ہر مسئلہ حوالہ جات سے مزین ہے اور نادر علمی نکات، فقہی تحقیقات اور قیمتی افادات کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے یہ کتاب ہندوستان کے علاوہ پاکستان میں بھی شائع ہوچکی ہے۔

صفحات: ۲۵۱، قیمت : ۸۰/روپے، ناشر: مکتبہ دینیہ دیوبند

❑ فتوی نویسی کے رہنما اصول :

یہ فقیہ العصر علامہ ابن عابد بن شامیؒ کی معروف کتاب ''شرح عقود رسم المفتی'' کی روشنی میں اصول افتاء پر ایک انوکھی کتاب ہے، جس میں ۳۴/اصول متعین کر کے ہر اصول کے اجراء اور تمرین کے لئے رہنمائی کی گئی ہے۔ جو طلبۂ افتاء نظر میں گہرائی اور مطالعہ میں گیرائی کے مشتاق ہیں ان کے لئے یہ کتاب قدم قدم پر معاون بن رہی ہے۔ نیز بفضلہ تعالیٰ تجربہ سے یہ طرز اجراء بہت مفید ثابت ہوا ہے۔

پہلے یہ کتاب ۲۴۵/صفحات پر شائع ہوئی تھی، بعد میں اس پر نظر ثانی اور مزید اضافات کئے گئے، خاص طور پر شروع میں ایک قیمتی ابتدائیہ لگایا گیا، جس میں فقہ وحدیث اور تفسیر سے متعلق ماخذ کی ۱۱۹/کتابوں کا تعارف کرایا گیا ہے، جو طلبہ اور علماء کے لئے نہایت مفید اور کارآمد ہے، اب یہ کتاب کمپیوٹر کتابت کے ساتھ ۴۲۹/صفحات پر شائع ہوئی ہے

صفحات: ۴۲۹، قیمت: ۱۵۰/روپے، ناشر: کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

❑ ردمرزائیت کے زریں اصول :

یہ سفیر ختم نبوت حضرت مولانا منظور احمد صاحب چینوٹیؒ (پاکستان) کے ان تربیتی محاضرات کا مجموعہ ہے جو موصوف نے چند سال قبل دارالعلوم دیوبند میں رونق افروز ہوکر علماء وطلباء کے بڑے مجمع کے سامنے دئے تھے۔ انہیں مرتب نے از سر نو ترتیب دیا، اصل کتابوں سے مراجعت کر کے حوالہ جات نوٹ

کئے، اور پھر صاحب محاضرات کی نظر کے بعد اسے شائع کیا گیا، یہ اپنے موضوع پر ایک جامع کتاب ہے جس کے متعدد ایڈیشن ہند و پاک میں شائع ہو چکے ہیں۔

صفحات:۲۱۶، قیمت:۴۰؍روپے۔شائع کردہ:کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دار العلوم دیوبند

❑ قادیانی مغالطے :

یہ مختصر رسالہ ان ہرزہ سرائیوں کے جوابات پر مشتمل ہے جو قادیانی لوگ عام مسلمانوں کو بہکانے اور شکوک وشبہات میں مبتلا کرنے کے لئے عوام میں پھیلاتے رہتے ہیں۔مرزائیوں کی تلبیسات کا اس رسالہ میں مضبوط جواب دیا گیا ہے۔

صفحات:۱۲۴، قیمت:۲۰؍روپے، شائع کردہ:کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دار العلوم دیوبند

❑ تحریک آزادیٔ ہند میں مسلم عوام اور علماء کا کردار :

ہندوستان کی تحریکات آزادی میں شروع سے لیکر اخیر تک مسلم عوام اور علماء نے جو عظیم ترین قربانیاں پیش کی ہیں ان کو نہایت اختصار اور جامعیت کے ساتھ سوال و جواب کے انداز میں اس کتاب میں جمع کر دیا گیا ہے۔انداز نہایت دلچسپ ہے.اور ہر بات حوالہ سے مدلل ہے۔کتاب کے اخیر میں ان حضرات کا جامع تعارف بھی شامل ہے جن کا نام کتاب کے اندر کسی نہ کسی عنوان سے آیا ہے.اپنے اسلاف کے کارناموں سے واقفیت کے لئے نئی نسل کے حضرات کو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔

صفحات:۲۲۸، قیمت:۸۰؍روپے،ناشر: مرکز نشر وتحقیق لال باغ مرادآباد، ملنے کا پتہ: کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

❑ پیکرِ عزم وہمت،استاذ اور شاگرد :

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہما کی سبق آموز حیات طیبہ پر مشتمل کئی قیمتی مضامین اس مختصر رسالہ میں شامل ہیں،جن کا مطالعہ علماء اور طلباء کے لئے بالخصوص مفید ہے۔

صفحات:۸۰، قیمت:۴۰؍روپے،ناشر: مرکز نشر وتحقیق لال باغ مرادآباد، ملنے کا پتہ: کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

❑ نورِ نبوت :

یہ رسالہ ۹۹ قیمتی احادیث طیبہ اوران کی مختصر تشریحات پر مشتمل ہے۔جو حضرات احادیث شریفہ کو یاد رکھنا چاہیں ان کے لئے یہ بہت مفید اور نفع بخش مجموعہ ہے۔

صفحات:۷۲ قیمت:۳۰؍روپے ناشر: مرکز نشر وتحقیق لالباغ مرادآباد

ملک کے مقبول دینی رسالہ: ماہنامہ ’’ندائے شاہی‘‘ مرادآباد کے

چار خصوصی دستاویزی نمبرات

مرتبہ : محمد سلمان منصور پوری

❑ نعت النبی ﷺ نمبر

۶۵۸؍ صفحات پر مشتمل اس ضخیم نمبر میں علماء دیوبند اور ان کے ہم مشرب شعراء کی حمد و نعت اور منقبت پر مشتمل ۵۳۸؍ نظمیں نہایت خوبصورتی سے جمع کردی گئی ہیں، بفضلہٖ تعالیٰ اس مجموعہ کے مطالعہ سے قارئین کے قلوب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت سے معمور ہو رہے ہیں، اور مختصر مدت میں اس کے دو ایڈیشن ختم ہوچکے ہیں۔ قیمت : ۲۰۰؍ روپے

❑ حج و زیارت نمبر

۲۳۲؍ صفحات پر مشتمل یہ معلوماتی نمبر حجاجِ کرام کی رہنمائی میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے، اور اپنی جامعیت کی وجہ سے نہایت مقبول ہے۔ قیمت : ۵۰؍ روپے

❑ تاریخ شاہی نمبر

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کی سوا سو سالہ تاریخ پر مبنی یہ نمبر دستاویزی حیثیت کا حامل ہے اور نادر و نایاب تاریخی معلومات کو شامل ہے، اس کی اہمیت کا اندازہ باذوق حضرات ہی لگا سکتے ہیں۔ قیمت : ۵۰؍ روپے

❑ خصوصی ضمیمہ

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے مایۂ ناز مہتمم حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدیؒ کی وفات پر یہ ضمیمہ شائع کیا گیا تھا جس میں حضرت موصوف کی گراں قدر خدمات اور تأثراتی مضامین کا احاطہ کیا گیا ہے۔ قیمت : ۲۵؍ روپے

❑ فدائے ملتؒ نمبر

حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی حیاتِ طیبہ اور خدماتِ عالیہ پر یہ ایک تاریخی اور جامع دستاویز ہے، جس میں نصف صدی کی ملی تاریخ کے اہم واقعات یکجا ہوگئے ہیں۔ اس ضخیم نمبر کے صفحات کی تعداد ۸۸۷ ہے۔ قیمت: ۱۵۰؍ روپئے۔

رابطہ : ماہنامہ ندائے شاہی، جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد